ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربانی

تالیف و ترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
استاذ و مفتی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

جلدِ دہم

سورۃ الملک تا سورۃ الناس

مکتبہ ربانیہ کراچی
Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

مکتبہ ربانیہ کراچی
ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS

۱۰

آسان تفسیر القرآن

جملہ حقوق بحق مکتبۂ ربانیہ محفوظ ہیں۔

Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

باہتمام : عبید الرحمٰن ربانی
جلد دھم : سورۃ الملک تا سورۃ الناس
طبع اوّل : ذی الحج ۱۴۳۹ھ بمطابق اگست 2018ء
ناشر : مکتبۂ ربانیہ کراچی

فون : 0314-6107967
0302-2426288
(92-21) 35031011

ای میل

rabbaniglobal@yahoo.com
ibnerabbani@gmail.com

عرض ناشر

الحمد للہ!! اگرچہ مکتبۂ ربانیہ نے

آسان تفسیر القرآن

کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں غلطی ہو جاتی ہے، اگر کسی صاحب کو ایسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(ادارہ)

ضروری انتباہ!!

اس کتاب کے جملہ حقوق کاپی رائٹ آفس میں رجسٹرڈ ہیں۔اس کتاب کی کتابت، تدوین وترتیب اور کسی بھی طریقے سے کاپی کرنا ''کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء'' کے تحت قابل تعزیر جرم ہے اور اس کی خلاف ورزی پر بطور رجسٹرڈ کاپی رائٹ مالک (Owner) قانونی کارروائی کی جائے گی۔

(ادارہ)

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ربانیہ کراچی
131/30 سیکٹر 36/A ڈبل روم کے ایریا کورنگی کراچی
نزد جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

- ادارۃ المعارف، جامعہ دار العلوم کراچی
- بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- دار الاشاعت، اردو بازار کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دار العلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات، اردو بازار کراچی
- مکتبہ فہم دین (جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربّانی

تالیف و ترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اُستاذ و مفتی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

جلد دہم

سُورَۃُ الْمُلْک تا سُورَۃُ النَّاس

مکتبہ ربانیہ کراچی

131/30 سیکٹر 36/A ڈبل روم کے ایریا کورنگی کراچی

نزد جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست آسان تفسیر القرآن (جلد دہم)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورۃ الملک	
۱	سورۃ الملک کا خلاصہ	۲۱
۲	اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت ہے	۲۲
۳	سورۃ الملک کی فضیلت	۲۴
۴	روشن ستارے	۲۵
۵	دوزخ کا حال	۲۷
۶	گناہ کا اقرار	۲۹
۷	اللہ تعالیٰ کو مانو اور اس سے ڈرو	۳۱
۸	فضاء کا منظر	۳۳
۹	اللہ تعالیٰ کے سوا کون دے	۳۵
۱۰	قیامت آنی ہے	۳۶
۱۱	کڑے سوالات	۳۸
	سورۃ القلم	
۱	سورۃ القلم کا خلاصہ	۳۹
۲	قلم کی قسم	۴۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳	تم اپنا کام کرو	۴۲
۴	مغروروں کا حال	۴۴
۵	واویلا اور شرمندگی	۴۸
۶	آخر یہ ڈھیٹ پن کیوں ہے؟	۴۹
۷	جب حقیقت کھل جائے گی	۵۱
۸	صبر کرو	۵۳
۹	ایک اور حرکت	۵۵
	سورۃ الحاقۃ	
۱	سورۃ الحاقہ کا خلاصہ	۵۶
۲	منکروں کا انجام	۵۷
۳	قیامت کا حال	۶۰
۴	خوش قسمت	۶۲
۵	بدِقسمت	۶۳
۶	دنیا میں وہ کیسا تھا؟	۶۵
۷	کچھ لوگ نہ مانیں گے	۶۸
	سورۃ المعارج	
۱	سورۃ المعارج کا خلاصہ	۶۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲	قیامت میں شک مت کرو	۷۰
۳	قیامت میں کیا ہوگا؟	۷۲
۴	انسان کی کمزوریاں اور ان کا علاج (الف)	۷۳
۵	انسان کی کمزوریاں اور ان کا علاج (ب)	۷۵
۶	اِن کافروں کو کیا ہو گیا ہے؟	۷۶
۷	یہ جانیں اور ان کا کام	۷۸
	سورۃ نوح	
۱	سورۃ نوح کا خلاصہ	۸۰
۲	حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ	۸۱
۳	عرضِ حال	۸۳
۴	کیا کیا سمجھایا؟	۸۴
۵	نتیجہ کیا ہوا؟	۸۹
۶	ان سے بُرائی پھیلے گی	۹۱
	سورۃ الجنّ	
۱	جِنوں کا ایمان لانا	۹۲
۲	غلطی کا اعتراف	۹۵
۳	وحی کا انتظام	۹۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴	ہم تو ایمان لائے	۹۹
۵	اب اور سُنو!	۱۰۰
۶	حق کا پیغام	۱۰۳
۷	عنقریب راز کھل جائے گا	۱۰۴
	سورۃ المزّمّل	
۱	انسان کی اصلاح کی تیاری	۱۰۷
۲	پہلا قدم	۱۱۰
۳	مُنکروں کی سزا	۱۱۲
۴	عذاب سے نجات کا راستہ	۱۱۳
۵	سہولت اور آسانی	۱۱۶
	سورۃ المدّثّر	
۱	انسان کی اصلاح کی تیاری	۱۱۹
۲	مُنکروں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو	۱۲۱
۳	کافر نے کیا کِیا؟	۱۲۴
۴	وہاں فرشتوں سے واسطہ ہوگا	۱۲۶
۵	عمل کی اہمیت	۱۳۰
۶	آخر لوگوں کو ہو کیا گیا ہے؟	۱۳۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورة القِيٰمَة	
۱	قیامت سے خبردار رہو	۱۳۴
۲	اللہ تعالیٰ سے کہیں نہیں بھاگ سکتے	۱۳۷
۳	آخرت کو بھول گئے	۱۳۹
۴	انسان سوچتا نہیں	۱۴۱
	سورة الدّھر	
۱	سورۃ الدّہر کا خلاصہ	۱۴۴
۲	پہلے انسان کا نام ونشان تک نہ تھا	۱۴۵
۳	نیکوں کا انجام	۱۴۷
۴	کھلانے کی غرض	۱۵۰
۵	جنت کی نعمتیں (الف)	۱۵۲
۶	جنت کی نعمتیں (ب)	۱۵۳
۷	ہمارے لئے جو کچھ ہے قرآن ہے	۱۵۵
۸	اللہ تعالیٰ پھر بنا سکتا ہے	۱۵۷
	سورة المرسلٰت	
۱	ہواؤں اور فرشتوں کا کام	۱۵۹
۲	اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھو (الف)	۱۶۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳	اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھو (ب)	۱۶۴
۴	دوزخ کیا ہے	۱۶۷
۵	نیک لوگوں کا حال	۱۶۸
۶	منکروں کو تنبیہ!	۱۷۰
	سورۃ النبا	
۱	یہ پوچھ گچھ کیسی؟	۱۷۲
۲	کام کی باتیں	۱۷۴
۳	اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے	۱۷۷
۴	کافروں کا انجام	۱۸۰
۵	پرہیزگاروں کا انعام	۱۸۲
۶	نیک لوگوں کے انعام	۱۸۴
۷	یہ سب کچھ قیامت کے دن ہوگا	۱۸۶
	سورۃ النّٰزعٰت	
۱	سورۃ النازعات کا خلاصہ	۱۸۸
۲	فرشتوں کے کام	۱۸۹
۳	قیامت میں شک بیکار ہے	۱۹۳
۴	فرعون کا انجام	۱۹۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۵	زمین کا سامان	۱۹۷
۶	یقینی فیصلہ	۱۹۹
۷	قیامت کا ٹھیک وقت	۲۰۰
	سورۃ عبس	
۱	سورۃ عبس کا خلاصہ	۲۰۳
۲	شان نزول	۲۰۳
۳	اصلاح کہاں سے شروع ہو؟	۲۰۴
۴	قرآن کا مقصد	۲۰۷
۵	اللہ تعالیٰ کو پہچانو	۲۰۹
۶	قیامت کیسی ہوگی؟	۲۱۲
۷	سورۂ عبس سے سبق	۲۱۴
	سورۃ التکویر	
۱	سورۃ التکویر کا خلاصہ	۲۱۶
۲	قیامت کی تصویر (الف)	۲۱۷
۳	قیامت کی تصویر (ب)	۲۲۱
۴	قرآن کا پیغام	۲۲۳
۵	قرآن سے فائدہ کون اٹھائے گا؟	۲۲۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورة الانفطار	
۱	سورۃ الانفطار کا خلاصہ	۲۲۶
۲	قیامت میں کیا ہوگا؟	۲۲۷
۳	انسان اپنے رب کو بھول گیا	۲۳۰
۴	فیصلے کا دن	۲۳۳
	سورة المطففين	
۱	سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْن کا خلاصہ	۲۳۶
۲	خودغرضی بری چیز ہے	۲۳۷
۳	بدکاروں کا انجام (الف)	۲۴۱
۴	بدکاروں کا انجام (ب)	۲۴۳
۵	فائدہ!	۲۴۶
۶	نیکوں کا انعام	۲۴۶
۷	اچھے لوگوں کی مہمانی	۲۵۰
۸	دنیا میں بروں کا طرز عمل	۲۵۱
۹	عملوں کا بدلہ	۲۵۳
	سورة الانشقاق	
۱	زمین اور آسمان کا فنا ہو جانا	۲۵۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲	اعمال نامہ کی تقسیم	۲۵۷
۳	منکروں کی حالت	۲۵۹
۴	ایمان کیوں نہیں لاتے؟	۲۶۱
۵	احکام ومسائل	۲۶۲
۶	نہ ماننے والوں کی سزا	۲۶۳
	سورۃ البروج	
۱	سورۃ البروج کا خلاصہ	۲۶۳
۲	ستانے والے تباہ ہوئے!	۲۶۴
۳	ایمان کی وجہ سے دشمنی	۲۶۹
۴	ایمان والوں کے دشمنوں کا انجام	۲۷۱
۵	اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان	۲۷۳
۶	جھٹلانا بے کار ہے	۲۷۵
	سورۃ الطّارق	
۱	سورۃ الطارق کا خلاصہ	۲۷۶
۲	ہر شخص کی دیکھ بھال ہورہی ہے	۲۷۶
۳	جو کہہ دیا گیا وہ اٹل ہے	۲۷۹
۴	کافروں کی کچھ نہ چلے گی	۲۸۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورة الاعلیٰ	
۱	سورۃ الاعلیٰ کا خلاصہ	۲۸۲
۲	اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو	۲۸۳
۳	احکام ومسائل	۲۸۶
۴	قرآن جوں کا توں باقی رہے گا	۲۸۶
۵	کامیابی کا راستہ	۲۸۹
۶	ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کا مضمون	۲۹۱
	سورة الغاشية	
۱	سورۃ الغاشیۃ کا خلاصہ	۲۹۲
۲	قیامت کے دن کیا ہوگا؟	۲۹۳
۳	جنتیوں کا حال	۲۹۶
۴	قدرت کے کرشمے	۲۹۹
	سورة الفجر	
۱	سورۃ الفجر کا خلاصہ	۳۰۱
۲	توجہ کے قابل واقعات	۳۰۲
۳	انسان کے خیالات کی اصلاح	۳۰۵
۴	انسان کیا سوچتا ہے	۳۰۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۵	ہونا کیا چاہیے؟	٣١١
٦	آخری منظر	٣١٤
	سورۃ البلد	
١	شہری زندگی کی طرف نظر کرو	٣١٧
٢	افسوس! جو کرنا تھا نہ کیا	٣٢١
	سورۃ الشمس	
١	سورۂ شمس کا خلاصہ	٣٢٤
٢	دنیا اور انسان کی پیدائش	٣٢٥
٣	ثمود کی مثال	٣٢٩
	سورۃ الّیل	
١	سورۃ الّیل کا خلاصہ	٣٣٣
٢	جیسا عمل ویسا بدلہ	٣٣٤
٣	اللہ تعالیٰ کی سزا سے مال نہیں بچا سکتا	٣٣٨
۴	آگ سے کون بچے گا؟	٣۴٠
	سورۃ الضحٰی	
١	سورۃ الضحٰی کا خلاصہ	٣۴١
٢	اللہ تعالیٰ نے آپکو ہرگز نہیں چھوڑا	٣۴٢

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳	اب کیا کرنا چاہیے؟	۳۴۵
۴	احکام ومسائل	۳۴۶
	سورۃ الانشراح	
۱	سورۃ الانشراح کا خلاصہ	۳۴۷
۲	مصیبت کے بعد راحت	۳۴۷
	سورۃ التّین	
۱	انسان کی نجات کا انتظام	۳۵۳
۲	پھر جزا کے دن کو کیوں نہیں مانتے؟	۳۵۷
۳	احکام ومسائل	۳۵۸
	سورۃ العلق	
۱	سورۃ العلق کا خلاصہ	۳۵۸
۲	اللہ تعالیٰ کا نام لیکر پڑھیے	۳۵۸
۳	سب سے پہلی وحی	۳۶۵
۴	قلم کے ساتھ لکھنے کا علم سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا؟	۳۶۶
۵	خط وکتابت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے	۳۶۶
۶	نا مانے گا تو تباہ ہوگا	۳۶۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورة القدر	
۱	سورۃ القدر کا خلاصہ	۳۷۰
۲	قرآن شبِ قدر میں اُترنا شروع ہوا	۳۷۱
۳	احکام ومسائل	۳۷۴
	سورة البيّنة	
۱	ہدایت کی صرف ایک یہی صورت ہے	۳۷۵
۲	بات تو بہت اچھی بتائی گئی تھی	۳۷۹
۳	ایمان والوں کی جزا	۳۸۲
	سورة الزلزال	
۱	سورۃ الزلزال کا خلاصہ	۳۸۳
۲	قیامت کا زلزلہ	۳۸۴
	سورة العاديات	
۱	سورۃ العادیات کا خلاصہ	۳۸۷
۲	گھوڑوں کی وفاداری	۳۸۸
۳	لفظ "کَنُودٌ" کی تحقیق	۳۹۲
	سورة القارعة	
۱	سورۃ القارعہ کا خلاصہ	۳۹۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲	قیامت کیا ہے؟	۳۹۵
۳	قیامت کے مختلف نام	۳۹۶
	سورة التّكاثر	
۱	سورۃ التکاثر کا خلاصہ	۳۹۸
۲	دنیا ہی نہیں آخرت بھی ایک چیز ہے	۳۹۹
۳	سورۃ التکاثر کی فضیلت	۴۰۲
	سورة العصر	
۱	سورۃ العصر کا خلاصہ	۴۰۳
۲	نجات کا راستہ	۴۰۳
۳	زمانے کی قسم کھانے کی وجہ (اس مضمون کیساتھ زمانے کو کیا مناسبت ہے کہ اس کی قسم کھائی گئی ہے؟)	۴۰۵
	سورة الهمزة	
۱	سورۃ الہُمزۃ کا خلاصہ	۴۰۶
۲	وہ عمل جس کی سزا دوزخ ہے	۴۰۷
	سورة الفِيل	
۱	سورۃ الفِیل کا خلاصہ	۴۱۰
۲	کعبہ کا واقعہ یاد کرو	۴۱۱
۳	واقعہ کی تفصیل	۴۱۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورۃ القریش	
۱	سورۃ قریش کا خلاصہ	۴۱۸
۲	اللہ تعالیٰ کو مانو جو تمہارا پالنے والا ہے	۴۱۸
۳	سورۃ قریش کی فضیلت	۴۲۰
	سورۃ الماعون	
۱	کنجوس اور بداخلاق لوگ	۴۲۱
	سورۃ الکوثر	
۱	سورۃ الکوثر کا خلاصہ	۴۲۳
۲	اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگو	۴۲۳
۳	شان نزول	۴۲۵
۴	عبرت	۴۲۷
	سورۃ الکافرون	
۱	سورۃ الکافرون کا خلاصہ	۴۲۷
۲	دین کے بارے میں کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا	۴۲۷
	سورۃ النّصر	
۱	سورۃ النصر کا خلاصہ	۴۳۱
۲	اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو اور بخشش طلب کرو	۴۳۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورة اللّهب	
۱	سورۃ اللّہب کا خلاصہ	۴۳۳
۲	ابولہب اور اس کی بیوی	۴۳۴
	سورة الاخلاص	
۱	سورۃ الاخلاص کا خلاصہ	۴۳۸
۲	اللہ تعالیٰ کی صفتیں	۴۳۸
	سورة الفلق	
۱	سورۃ الفلق کا خلاصہ	۴۴۰
۲	بیرونی خطروں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ	۴۴۱
۳	سورہ فلق اور سورہ ناس پڑھنے کے فائدے	۴۴۴
۴	جادو کا اثر ہو جانا پیغمبر ہونے کے خلاف نہیں	۴۴۶
	سورة النّاس	
۱	سورۃ النّاس کا خلاصہ	۴۴۶
۲	برے خیالوں کے اثرات سے پناہ مانگنا	۴۴۶
۳	لفظ "نَاس" کو بار بار لانے کا نکتہ	۴۴۹

سورۃ الملک کا خلاصہ

یہ سورت مکہ میں اتری اسکی تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں، اس سورۃ میں ان لوگوں کو ہدایت کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام تو لیتے تھے لیکن اس کو ایسا نہ مانتے تھے جیسا ماننا چاہئے، سارے جہاں کا وہی بادشاہ ہے، سارا زور، قوت اور طاقت اسی کے قبضہ میں ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے، یہ ساری مخلوق اسی نے پیدا کی ہیں، ہر طرف اسی کی قدرت ہے، سات آسمان اسی نے پیدا کئے جو آپس میں ایک دوسرے کے اوپر ہیں، اسی نے ہر چیز کو قاعدے اور طریقے سے بنایا ہے، ہر چیز اپنی اپنی مناسب جگہ پر موجود ہے اور اپنا کام پورا کر رہی ہے، جتنا اسکی مخلوق کو غور سے دیکھو گے تمہاری حیرت بڑھتی جائے گی، دیکھتے دیکھتے تھک جاؤ گے لیکن اسکے عجائبات ختم نہ ہوں گے، آسمان تاروں سے جگمگا رہا ہے، کچھ روشن چیزیں ٹوٹ کر اِدھر اُدھر بھاگتی نظر آتی ہیں، یہ آگ کے گولے ہیں جن سے شیطانوں کو مار کر بھگایا جاتا ہے تاکہ دنیا میں غلط خبریں نہ پھیلائیں، انہی شیطانوں کیلئے دوزخ بنائی گئی ہے اور اس میں وہ لوگ بھی داخل کئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کو بالکل نہیں مانتے، دوزخ کا جوش و خروش دیکھ کر ان کے ہوش اُڑ جائیں گے، فرشتے ان سے پوچھیں گے کیا دنیا میں تمہارے پاس آگ سے ڈرانے والے نہیں آئے جو تم آج اس آگ میں جھونک دینے کیلئے یہاں لائے گئے ہو؟ وہ کہیں گے آئے تو تھے لیکن ہم نے انکے ڈرانے کی پرواہ نہ کی اور ان کو جھوٹا سمجھا، وہ اپنے ڈھیٹ پن کا اقرار کریں گے اور کہیں گے اگر ہم سمجھ سے کام لیتے اور پیغمبروں کی بات سنتے تو آج اس عذاب میں نہ پھنستے، برخلاف انکے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے نیک بندے اس دن چین و آرام سے ہوں گے اور ان کو بڑا اجر ملے گا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبروں کا یقین کر کے ان کی باتوں پر عمل کیا۔

آگے انسان کو نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار رہو اور اسکے عذاب سے ڈرو، اس نے اپنے نہ ماننے والوں کو دنیا ہی میں بڑی بڑی سزائیں دی ہیں، اس پر ایمان لائے بغیر کسی کی نجات نہیں ہو سکتی، تم خود ہی سوچو کہ ایک شخص سیدھے راستے پر چل رہا ہے اور دوسرا گر پڑتا اور اِدھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا ہے تو کیا یہ دونوں

برابر ہوسکتے ہیں، ہرگز نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی اور اسکے پیغمبر کی بات مانو اور قیامت پر یقین کرو، اسکے بغیر سوا
بھٹکتے پھرنے کے کچھ پلے نہ پڑے گا۔

ایاتھا — ۳۰ سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ۲

سورہ ملک مکی ہے اس میں تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ
برکت والا ہے وہ کہ ہاتھ میں جسکے بادشاہی ہے اور وہ اوپر ہر چیز کے قدرت رکھتا ہے(۱) جس نے

خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ
بنائی موت اور زندگی تاکہ جانچے تمہیں کونسا تم میں زیادہ اچھا ہے عمل کے لحاظ سے اور وہ

الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی
زبردست بخشنے والا ہے(۲) جس نے پیدا کئے سات آسمان اوپر تلے نہیں دیکھے گا تو

فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی
میں پیدا کرنے رحمٰن کے کوئی فرق پس لوٹا تو نگاہ کیا دیکھتا ہے تو

مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾
کوئی شگاف (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ بڑی برکت والی ذات ہے جس کے قبضے میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔(۱) جس ذات نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست بخشش کرنے والا ہے۔(۲) وہ اللہ تعالیٰ جس نے سات آسمان کو تہہ بہ تہہ پیدا کیا ہے، رحمٰن کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے اندر تم کوئی فرق نہیں دیکھ پاؤ گے، پھر نگاہ اٹھا کر دیکھو کیا تمہیں کوئی شگاف یا دراڑ نظر آتی ہے؟(۳)

لفظی تحقیق: طِبَاقٌ: طبقہ طبقہ، یعنی: اوپر تلے اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے۔ تَفٰوُتٌ: فرق۔ اسکا مادہ (ف وت) ہے "فوت" ہاتھ سے نکل جانا "تَفٰوُتٌ" آپس میں فرق ہونا، یعنی: جو چیز ایک میں ہے وہ دوسرے میں نہیں۔ فُطُوْرٌ: (شگاف) "فطر" کی جمع ہے، دراڑ، شگاف۔

تفسیر

انسانوں کے اندر دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک وہ جو سرے سے اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں وہ منکر اور کافر ہیں، دوسرے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا نام تو لیتے ہیں لیکن اسے ٹھیک طور پر جیسا سمجھنا چاہئے نہیں سمجھتے، اس کا نتیجہ شرک ہوتا ہے، اسلام پہلے لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مانو ورنہ پچھتاؤ گے، دوسروں کو سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بابت اپنے خیالات درست کرو۔

چنانچہ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ ایک ہے اور سارے جہانوں میں اسی کی بادشاہی ہے، وہ برکت والا ہے، وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اس نے تمہیں زندگی دی اور وہی موت دے گا، اس مرنے جینے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا امتحان لیا جائے کہ اس عارضی زندگی میں کون اچھے کام کرتا ہے اور کون برے، ساری قوت اسی میں ہے اور وہ خطائیں بخشنے والا مہربان ہے، منکروں کو ارشاد ہے کہ اوپر تلے سات آسمان اسی نے بنائے، ان میں ہر چیز ایک مضبوط نظام اور قاعدہ کیساتھ چل رہی ہے جس میں کسی جگہ کوئی خلل یا خلا نہیں ہے، یعنی: کوئی نقص نہیں ہے، نہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہے، نگاہ اٹھا کر دیکھو اور پھر دیکھو آخر اسی نتیجہ پر پہنچ کر رہو گے۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا: تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کون کرتا ہے، اگر موت کا تصور نہ ہوتا تو کوئی شخص نیکی کرنے کیلئے تیار نہ ہوتا، یہ موت کا تصور ہی ہے جو انسان کو نیکی کرنے پر آمادہ کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے مرنا ہے اور یہ دنیا فانی ہے، یہی تصور انسان کو اچھے عملوں پر آمادہ کرتا ہے تا کہ دوسرے جہان پہنچ کر اسے پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔

اچھا عمل کیا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ "اَحْسَنُ عَمَلًا" تک پہنچے تو فرمایا کہ "اَحْسَنُ عَمَلًا" اچھے عمل والا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہر وقت لگا رہے۔

سورۃُ الملک کی فضیلت

اس سورۃ مبارکہ کی فضیلت کے سلسلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک سورۃ تیس آیتوں پر مشتمل ہے، اور اس سورۃ نے کسی شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو نجات دیدی اور اسکی سفارش کو قبول فرمایا، وہ تیس آیتیں اسی سورۃ مبارکہ کی ہیں۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کسی سفر پر تھے، انہوں نے ایک جگہ پر پڑاؤ کیا اور خیمہ لگایا اور انہیں معلوم نہیں تھا کہ جس جگہ خیمہ لگا رہے ہیں اسکے نیچے قبر ہے، تو اس صحابی نے اس قبر والے کو اس سورۃ مبارکہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، صحابی کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اس صحابی نے اس واقعہ کا ذکر جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا: یہ سورۃ انسان کو نجات دلانے والی ہے اور عذاب قبر سے بچانے والی ہے، تو اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ اس سورۃ کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے کسی کو کوئی بات سنا دے، اس لئے اس سورۃ کا نام منجیہ اور مانعہ ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے بچانے والی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے پہلے

سورۃ الملک اور سورۃ السجدۃ ضرور تلاوت فرماتے تھے۔

قیامت کے روز حساب کتاب ہو جانے کے بعد موت کو لایا جائیگا، اسکی شکل وصورت سیاہ رنگ کے مینڈھے کی ہوگی، پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ایسی جگہ لاکر کھڑا کیا جائیگا جہاں سب لوگ اسے دیکھیں گے اور پھر جنت اور دوزخ والوں سے پوچھا جائیگا، یہ کیا ہے؟ سب کہیں گے یہ موت ہے، پھر سب کے سامنے اسے ذبح کر دیا جائیگا اور جنت والوں سے کہا جائیگا! اب تم ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو گے، تمہیں موت نہیں آئیگی، اسی طرح دوزخ والوں سے کہا جائیگا کہ تم ہمیشہ دوزخ میں رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی، یہ دن مؤمنوں کیلئے بڑی خوشی کا اور کافروں کیلئے بڑی حسرت کا دن ہوگا، یہ سارا ذکر صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔

روشن ستارے

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ
پھر لوٹا نگاہ کو بار بار پھر آجائیگی طرف تیری وہ نگاہ ناکام ہوکر اور وہ

حَسِيْرٌ ④ وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا
تھکی ہوگی (۴) اور البتہ تحقیق سجایا ہم نے آسمان قریب کا ساتھ چراغوں (ستاروں) کے اور کیا ہم نے انہیں

رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤ وَ لِلَّذِيْنَ
مارنے کے پتھر واسطے شیطانوں کے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے لئے انکے عذاب دہکتی آگ کا (۵) اور واسطے انکے جو

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥
انکار کر بیٹھے رب اپنے کا عذاب ہے دوزخ کا اور برا ٹھکانا ہے وہ (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر بار بار نظر کر تیری نگاہ تیرے پاس تھک ہار کر ناکام لوٹ آئیگی۔ (۴) اور ہم نے سب سے قریب والے آسمان کو رونق دی چراغوں (ستاروں) سے اور کیا ہم نے ان کو مارنے کے پتھر شیطان

کے واسطے اور ان کے واسطے دہکتی آگ تیار کر دی۔ (۵) اور جو لوگ اپنے رب سے منکر ہوئے انکے واسطے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ۔ ہے۔ (٦)

لفظی تحقیق: كَرَّتَيْنِ: بار بار۔ "كَرَّةٌ" کا تثنیہ ہے۔ خَاسِئًا: دھتکارا ہوا۔ اسم فاعل ہے "خَسَاءٌ" سے "خَسْئًا" ڈانٹ کھا کر نکلنا۔ حَسِيْرٌ: تھکا ہوا۔ صفت کا صیغہ ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قدرت کے منظر کو پھر دیکھو اور بار بار دیکھو، تمہاری نگاہ تھک کر واپس آ جائیگی مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی نقص نہ پا سکے گی، دیکھو تمہارے قریب کے آسمان میں ستارے روشن چراغوں کی طرح جگمگا رہے ہیں، انہیں چراغوں میں سے آگ کے شعلے نکل کر شیطانوں کو مار بھگاتے ہیں جو اوپر چڑھ کر غیب کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ دنیا میں فساد پھیلائیں اور جھوٹ سچ ملا کر لوگوں کو پھسلائیں اور ان کو گمراہ کریں، ان کے واسطے آگ کے دہکتے شعلے تیار ہیں، ایسے ہی جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا اقرار نہیں کرتے بلکہ اسکے انکار پر تلے ہوئے ہیں وہ بھی سُن رکھیں کہ ان کیلئے دوزخ کا عذاب تیار ہے اور یہ دوزخ برا ٹھکانہ ہے، یہ باتیں بیان کر کے دونوں قسم کے آدمیوں کو سمجھایا جا رہا ہے تا کہ جو اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ اسکی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر اسے مانیں اور جو مانتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفتوں سے واقف ہو جائیں تا کہ شرک سے بچیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ: اور البتہ تحقیق ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں کیساتھ زینت دی، اگر یہ نہ ہوتے تو آسمان بالکل بے رونق دکھائی دیتا، اب رات کے وقت جب فضاء صاف ہوتی ہے تو آسمان میں کمال درجہ کی رونق معلوم ہوتی ہے، جگہ جگہ چراغ جل رہے ہیں، کوئی چھوٹا، کوئی بڑا، عجیب و غریب قسم کی زینت اور رونق ہے، اسکے علاوہ ستاروں کو شیطانوں کو مارنے کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، شیطان فرشتوں کی باتیں سننے کیلئے جب اوپر جاتے ہیں تو اوپر سے شہاب (انگارے) پڑتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہانت کی حقیقت دریافت کی گئی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: شیطان اوپر جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے ہیں اور کوئی ایک آدھ بات انکے کان میں پڑ جاتی ہے تو وہ اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور آگے سے ان پر شہاب ثاقب (آگ کے گولے) پڑتے ہیں، جو بات وہ فرشتوں سے سُن پاتے ہیں اسے وہ اپنے کاہن کے کان میں ڈال دیتے ہیں اور وہ اس کیساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا کر آگے چلا دیتا ہے، یہی کہانت کی حقیقت ہے۔

کاہن سے واقعات اور خبریں معلوم کرنا شرک میں شمار کیا گیا ہے، وہ غیب دان تو ہیں نہیں، عالم الغیب تو صرف خدا ہے لہٰذا کاہن کے پاس نہیں جانا چاہیئے۔

ستاروں کے متعلق تیسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ: انسان ستاروں کے ذریعے راہنمائی حاصل کرتے ہیں (سورۃ نحل، آیت ۱۴)، سینکڑوں اور ہزاروں میلوں پر پھیلے ہوئے سمندروں، جنگلوں اور بیابانوں میں سفر کے دوران صحیح سمت کی طرف صحیح راہنمائی ستاروں کے ذریعے ہی سے ممکن ہے، چودہ کروڑ مربع میل میں پھیلے ہوئے سمندروں، بڑے بڑے صحراؤں اور جنگلوں میں سفر کے دوران بھٹک جانا معمولی بات ہے، ایسے میں راستے کے تعین کیلئے یہ ستارے ہی کارآمد ثابت ہوتے ہیں اور مسافر اپنی منزل تک پہنچنے میں مدد حاصل کرتے ہیں۔

دوزخ کا حال

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ﴿۷﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ

جب ڈالے جائینگے میں اس سنیں گے اسکا دہاڑنا اور وہ جوش مارتی ہوگی (۷) قریب ہے پھٹ پڑے

مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ

سے غصہ جب بھی ڈالا جائیگا میں اس کوئی گروہ پوچھیں گے ان سے محافظ اسکے کیا نہ آیا تھا پاس تمہارے

نَذِيْرٌ ﴿۸﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا

ڈرانے والا (۸) کہیں گے کیوں نہیں ضرور آیا تھا پاس ہمارے ڈرانے والا پس جھٹلایا ہم نے اور کہا نہیں

نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ⑨
اتاری اللہ نے کوئی چیز نہیں تم مگر میں گمراہی بڑی (۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب (کافر) دوزخ میں ڈالے جائیں گے، اسکا دھاڑنا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔(۷) ایسا لگتا ہے کہ جوش سے پھٹ پڑے گی، جب کبھی کوئی گروہ اسمیں ڈالا جائیگا تو اس سے دوزخ کے محافظ فرشتے پوچھیں گے، کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟۔(۸) وہ بولیں گے کیوں نہیں، ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پھر ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نہیں اتاری، تم تو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔(۹)

لفظی تحقیق: شَهِیْقٌ: زور کی ڈراؤنی آواز۔(ش ہ ق) حاصل مصدر ہے۔تَفُوْرُ: جوش مارتی ہے۔ مضارع کا صیغہ ہے(ف ور) سے "فور" کے معنٰی مارنا، فوارہ اسی سے بنا ہے۔تَمَيَّزُ: پھٹ پڑے۔مضارع کا صیغہ ہے "تَمَيُّزٌ" سے اصل میں "تَتَمَيَّزُ" ہے، پہلی (ت) استعمال میں گرگئی، اسکا مادہ(م ی ز) ہے، جسکے معنٰی جدا کردینا ہیں "تَمَيُّزٌ" اسکا لازم ہے، یعنی: اجزا کا الگ الگ ہوجانا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب یہ لوگ گروہ بنا کر دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو اسکے اندر سے زوردار اور ڈراؤنی آوازیں نکلتی ہوئی سنیں گے اور وہ اس قدر جوش میں ہوگی کہ گویا غصہ میں آپے سے باہر ہوتی جارہی ہے اور عنقریب ہی پھٹ پڑے گی، ان میں سے جب کوئی گروہ دوزخ میں ڈالا جائیگا تو دوزخ کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے تم یہاں کیسے آئے، کیا دنیا میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تمہارے پاس ڈرانے کیلئے نہیں آئے تھے؟ جو تمہیں بتاتے کہ جس کفر و شرک کے راستے پر تم چل رہے ہو اسکا نتیجہ خراب ہوگا، دوزخی غم بھری آواز میں جواب دیں گے، کیوں نہیں، ہمارے پاس ڈرانے والے آئے تھے لیکن ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم جھوٹے ہو اور اللہ تعالیٰ

نے تمہیں پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا اور تمہارے اوپر کوئی چیز نہیں اتاری، یہ تو تم نے خود بخود غلط راستہ اختیار کیا ہے اور صحیح راستہ سے بہت دور نکل گئے ہو، جاؤ ہم تمہاری نہیں سنتے۔

اور بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: "مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ" پر مشرکوں کی بات ختم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نہیں اتاری، آگے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے: نہیں ہو تم مگر گمراہی میں جو ایسی باتیں کرتے ہو۔

یہ فرشتوں کا کلام بھی ہوسکتا ہے جو سوال کر رہے ہوں گے، وہی کہیں گے: تم بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے بھی آئے، شریعت بھی آئی، دین بھی آیا مگر تم نے کسی چیز کو نہیں مانا لہٰذا تم کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

گناہ کا اقرار

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۰﴾

اور کہیں گے وہ اگر ہوتے ہم سنتے یا سمجھتے نہ ہوتے ہم میں والوں دوزخ (۱۰)

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

پس مان لیا انہوں نے جرم اپنے کو پس دور ہوں والے دوزخ (۱۱) بیشک وہ لوگ جو

یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾ وَ اَسِرُّوْا

ڈرتے ہیں رب اپنے سے بغیر دیکھے واسطے انکے بخشش ہے اور اجر بڑا (۱۲) اور چھپاؤ تم

قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعْلَمُ

بات اپنی یا ظاہر کرو اسے بیشک وہ جانتا ہے باتیں سینوں کی (۱۳) کیا نہ جانیگا وہ

مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾

جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین اور خبردار ہے (۱۴)

ع ۱۴

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (کافر) کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔ (۱۰) پس اقرار کرلیا انہوں نے اپنے جرموں کا، پس کہا جائیگا دوزخ والوں سے دفع ہو جاؤ۔ (۱۱) جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بن دیکھے ان کیلئے معافی ہے اور بڑا ثواب۔ (۱۲) تم اپنی بات چھپا کر کہو یا کھول کر کہو (برابر ہے) وہ تو دلوں کی باتوں کو جانتا ہے۔ (۱۳) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ اور وہی باریک بین اور خبردار ہے۔ (۱۴)

تفسیر

اس آیت میں دوزخیوں کے افسوس اور پچھتاوے کو ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے کہ وہ دوزخ کے محافظ فرشتوں کے جواب میں کہیں گے کہ اگر ہم پیغمبروں کی بات سُن کر اس پر عمل کرتے تو آج دوزخ میں نہ جھونکے جاتے، دوزخ کو دیکھ کر انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا اور آخر انہیں معلوم ہو گیا کہ انہوں نے پیغمبروں کا کہنا دنیا میں نہ مان کر بہت بڑا جرم کیا جسکی وجہ سے آج اس عذاب میں گرفتار ہوئے، لیکن اس وقت ان کا ماننا کچھ کام نہ آئیگا اور ان سے کہہ دیا جائیگا کہ دور ہو جاؤ لعنت ہے تم پر، جو لوگ اپنے رب سے اُسے دیکھے بغیر ڈرتے ہیں انہیں بخش دیا جائیگا اور انہیں بڑا انعام ملے گا۔

اسکے بعد لوگوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ کوئی بات چھپا کر کرو یا کھلم کھلا کرو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور وہ تو تمہارے دلوں کے بھیدوں کا بھی جاننے والا ہے، بھلا جس نے پیدا کیا وہ نہ جانیگا تو کون جانیگا، جبکہ اسکی صفت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی تہہ کو پہنچنے والا ہے۔

قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ: اگر ہم سنتے یا سُن کر مان لیتے یا خود سمجھ رکھتے تو آج دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے، پیغمبر کی بات مان لینا تقلید ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: ایک اجتہاد ہے اور ایک تقلید، تقلید اسی کو کہتے ہیں کہ کسی اچھے شخص سے بات سُن کر اس کو مان لیا جائے، تقلید سے بعض لوگ بدکتے ہیں، اس کو غلط معنٰی پہناتے ہیں، یہاں جاہلوں کی تقلید مراد نہیں ہے، اسکی تو اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے، مشرک اپنے کافر باپ دادا کی تقلید کرتے

تھے، غلط اور شرکیہ رسموں میں اپنے بڑوں کی تقلید کرتے تھے، اس کو اللہ تعالیٰ نے بے عقلی کی بات فرمایا، ہاں اگر کوئی شخص پیغمبر، صحابہ یا دین کے ماہر عالم کی بات سُن کر اس پر عمل کرتا ہے تو یہ تقلید ہی ہے اس پر بھی نجات ہے یا انسان خود بحیثیت مجتہد عقل کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرے، غور کرے اور پھر نتیجے پر پہنچے تو یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ: بعض فرماتے ہیں کہ: "سُحق" دوزخ میں صحراء کا نام بھی ہے جیسے "ویل" دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے "صعود" ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر کافروں کو چڑھایا جائیگا اور پھر نیچے پھینکا جائیگا، ایسا ہی "سُحق" بیابان ہے اسمیں کافروں کو دوڑایا جائیگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ: بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بن دیکھے ہوئے، یہ ہے ایمان بالغیب، بالغیب کے معنیٰ بغیر دیکھے ہوئے، نہ دوزخ دیکھی ہے، نہ جنت، نہ اسکی وحی اترتے دیکھی ہے، نہ خدا کو دیکھا ہے، یہ ساری چیزیں برحق اور سچی ہیں، کفر کا برا انجام سامنے آئیگا اور ایمان کا اچھا انجام بھی سامنے ہوگا، ان تمام چیزوں کو دل سے ماننا اور بن دیکھے ایمان لانا ایمان بالغیب ہے۔

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ: تم اپنی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو، آہستہ کہو یا بلند کہو، خدا سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے، کفر، شرک، نفاق کی بات کو پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو، برائی ادنیٰ سے ادنیٰ یا بڑی سے بڑی چھپاؤ یا ظاہر کرو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

لہٰذا کوئی بھی چیز خواہ نیکی کی ہو یا برائی کی تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اسی کے مطابق آگے چل کر انسان کو اسکا بدلہ ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کو مانو اور اس سے ڈرو

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَ

وہی ہے جس نے کیا لئے تمہارے زمین کو تابع تمہارے پس چلو پھرو میں راستوں اسکے اور

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝١٥ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ
کھاؤ سے رزق اسکے اور طرف اسی کی زندہ ہوکر جانا ہے (۱۵) کیا بیخوف ہوگئے تم اس سے جو ہے میں آسمانوں کہ

يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝١٦ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي
دھنسادے تمہیں زمین میں پس اچانک وہ ہلنے لگے (۱۶) یا بیخوف ہوگئے ہو تم اس سے جو ہے میں

السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝١٧
آسمان کہ بھیج دے اوپر تمہارے پتھر برسانے والی ہوا پس عنقریب جان لوگے کیسا رہا ڈرانا میرا (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو کام میں لگایا، اب چلو پھرو اسکے راستوں میں اور کھاؤ اسکے رزق سے اور اسی کی طرف زندہ ہوکر جانا ہے۔(۱۵) کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو گئے کہ تمہیں زمین میں دھنسادے پھر اچانک وہ لرزنے لگے۔(۱۶) یا بے خوف ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے کہ تم پر پتھروں کی بارش برسادے، سو جان لوگے کہ کیسا ہے میرا ڈرانا۔(۱۷)

لفظی تحقیق: ذَلُوْلٌ: مطیع، فرمانبردار۔ صفت کا صیغہ ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے کام میں لگادیا، اب تم اسکے راستوں پر چل رہے ہو، اللہ تعالیٰ نے زمین میں سے جو تمہارے لئے پیدا کیا اس میں سے کھاؤ مگر یاد رکھو کہ مر کر پھر جینا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور خوب سمجھ لو کہ زمین پر بھی آسمان کی طرح اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلتا ہے، یہ مت سمجھو کہ تم زمین کے پورے حاکم ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین لرزنے لگے اور تم اسکے اندر دھنس جاؤ یا اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر پتھروں کی بارش کردے جو تم کو ہلاک کرڈالے گی، ہمیشہ خیال رکھو کہ تم سے ایسا کوئی کام نہ ہونے پائے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ تم سے ناراض

ہو گیا تو پھر تمہاری خیر نہیں، تم پر دنیا ہی میں عذاب آسکتا ہے اور آخرت میں تو سزا ٹل کر ہی رہے گی، ان باتوں پر یقین کر و ورنہ وہ وقت قریب ہے جب یہ باتیں جن سے تمہیں ڈرایا جارہا ہے تمہارے سامنے آجائیں گی اور پھر تم کچھ نہ کر سکو گے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا: اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو کام میں لگادیا کہ ہر قسم کے کام زمین میں کرسکو، اگر اللہ تعالیٰ زمین کو ایسا نہ بناتا تو سخت دشواری ہوتی، دلدلی بنادیتا یا پانی جیسی ہوتی یا پتھر جیسی سخت ہوتی تو کھیتی باڑی مشکل ہوجاتی، مکان بنانا دشوار ہوجاتا، زمین کو کھود کر اس میں سے چیزیں نکالنا ناممکن ہوتا، نہریں چلانا مشکل ہوجاتا مگر اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایسے کام میں لگادیا کہ ہر قسم کا کام آسانی سے ہوسکے، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

فضاء کا منظر

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ
اور البتہ تحقیق جھٹلایا ان لوگوں نے جو تھے سے پہلے ان پس کیسا رہا انکار میرا (۱۸) کیا نہیں

یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا
دیکھا انہوں نے طرف پرندوں کی اوپر اپنے پر کھولے اور کبھی سکیڑ لیتے ہیں نہیں تھامے ہوتا انہیں گرنے سے کوئی مگر

الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ
رحمٰن بیشک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے (۱۹) بھلا کون ہے وہ جس نے وہ لشکر

لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾
واسطے تمہارے کہ مدد کرے تمہاری سوا رحمٰن کے نہیں ہیں کفر کرنے والے مگر میں دھوکے (۲۰)

وقف لازم / اختلاف
وقف غفران
وقف منزل

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جھٹلا چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے، پھر کیسا ہوا میرا انکار؟(۱۸) کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو قطار میں اُڑتے ہوئے پر کھولتے اور سکیڑتے ہیں، ان کو فضاء میں رحمٰن کے سوا گرنے سے کوئی روکنے والا نہیں، اسکی نگاہ میں ہر چیز ہے۔(۱۹) بھلا یہ جو تمہاری فوج ہے ان میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے، کافر دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔(۲۰)

لفظی تحقیق: نَكِيْرِ: انکار۔ یہ انکار کا حاصل مصدر ہے، ایسے ہی جیسے نذیر انذار کا، اسکے بعد یائے متکلم ہے جو وقف کی وجہ سے گر گئی۔ يَقْبِضْنَ: سمیٹ لیتے ہیں، سکیڑ لیتے ہیں۔ مضارع کا صیغہ ہے (ق ب ض) سے "قَبْضٌ" کے معنیٰ روکنا، سمیٹ لینا، مراد یہ ہے کہ پھیلے ہوئے پر سمیٹ کر ملانے لگتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان سے پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھوٹا کہہ چکے ہیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انکار کر کے تباہ ہوئے، ان لوگوں کو اُنکے حال سے سبق سیکھنا چاہئے، زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کا حکم تو چلتا ہی ہے اور ان کی درمیانی فضاء میں بھی وہی حاکم ہے، کیا تم اپنے سروں کے اوپر پرندوں کو اُڑتا نہیں دیکھتے، کبھی پر پھیلائے ہوئے اور کبھی سکیڑ کر ہلاتے ہوئے، انہیں ہوا میں بغیر سہارے گرنے سے کون تھامے ہوئے ہے؟، سنو! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت اور قدرت سے تھام رکھا ہے اور اسکی ہر چیز پر نگاہ ہے، بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ تمہارے حمایتی اور تمہارے لشکر جتنے بھی ہیں ان میں سے کوئی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں بچا سکے یا اسکے بھیجے ہوئے عذاب سے چھڑا سکے، ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی بچانے والا، یہ اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے والے تو صرف دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور شیطان کے بہکاوے میں آگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کون دے

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ
بھلا کون ہے وہ جو رزق دے تمہیں اگر روک دے رزق اپنا نہیں بلکہ اَڑ گئے ہیں وہ میں

عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ
سرکشی اور نفرت (۲۱) کیا پس وہ جو چلتا ہو وہ اوندھے منہ اوپر چہرے اپنے کے سیدھی راہ پر ہے یا جو

یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ
چلتا ہے سیدھا پر راستہ سیدھے (۲۲) کہہ دیں وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں اور

جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
بنادیے لئے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بہت کم ہیں جو تم شکر کرتے ہو (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بھلا وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک دے، کوئی نہیں، پر اڑ رہے ہیں سرکشی اور نفرت میں۔(۲۱) بھلا وہ آدمی زیادہ ہدایت والا ہے جو اوندھے منہ چل رہا ہے یا وہ جو صراطِ مستقیم پر سیدھا چلتا ہے۔(۲۲) آپ کہہ دیں! وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور بنادیئے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل، تم بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔(۲۳)

لفظی تحقیق: عُتُوٍّ: سرکشی۔ مصدر ہے جسکی دوسری شکل "عتی" ہے، جسکے معنیٰ تکبر اور حد سے باہر نکل جانے کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہو رہا ہے کہ: تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ضرورت کی چیزوں کا دینا بند کر دے تو اور کون ہے جو تمہاری روزی رزق کا انتظام کرے؟ کیا یہ تمہارے جھوٹے معبود اور تمہارے جھوٹے مددگار تمہیں

کچھ دے سکتے ہیں؟ تمہاری دھاندلی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور ٹھیک باتوں سے دور بھاگنا ہی ہے جو تمہیں اپنی بات پر اڑنا سکھاتا ہے ورنہ تمہارا دل تو گواہی دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کچھ نہیں دے سکتا۔

آگے ارشاد ہے کہ: منزل مقصود تک وہی پہنچ سکتا ہے جو سیدھے راستے پر اپنے مقصد کی طرف بڑھ رہا ہوگا، اے پیغمبر! آپ انہیں بتادیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے، اسی نے تمہیں کان، آنکھیں اور دل دیئے، یہی تین قوتیں ہیں جنکے بل پر دنیا میں تمہارے کام چلتے ہیں مگر تم ان سے وہ کام نہیں لیتے جو لینا چاہئے، تم میں بہت تھوڑے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پہچان کر اسکا شکر ادا کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى: کیا وہ آدمی جو اوندھا اپنے چہرے کے بل چلے زیادہ ہدایت پانے والا ہے یا وہ جو سیدھا چلنے والا ہے، سیدھا چلنے والے سے مراد مؤمن ہیں کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: صحابۂ کرام نے سوال کیا کہ کافر چہرے کے بل کیسے چلیں گے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں پیروں پر چلایا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ آخرت میں ان کو چہروں اور سروں کے بل چلادے۔

قیامت آنی ہے

قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴ وَ
آپ کہہ دیں وہی ہے　جس نے　پھیلایا تمہیں　میں　زمین　اور　پاس اسی کے اکٹھے کئے جاؤ گے تم (۲۴)　اور

يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۵ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ
کہتے ہیں　کب پورا ہوگا　یہ　وعدہ　اگر　ہو تم　سچے　(۲۵) آپ کہہ دیں بات یہی ہے　کہ علم

عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۶ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ
پاس ہے　اللہ کے　اور　فقط　میں تو ڈرانے والا ہوں　کھلم کھلا (۲۶)　اور جب دیکھیں گے آپ　قریب آتا　بگڑ جائینگے

وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝۲۷
چہرے انکے　جنہوں نے　کفر کیا　اور کہہ دیا جائیگا　یہ ہے　وہ جو　تھے تم　اسکو　طلب کرتے (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیں! وہی ہے جس نے پھیلایا تمہیں زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔(۲۴) اور کہتے ہیں کب ہوگا؟ یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔(۲۵) آپ کہہ دیں! قیامت کے آنیکا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور میرا کام تو یہی ہے کہ کھول کر ڈر سنادوں۔(۲۶) پھر جب دیکھیں گے کہ وہ پاس آگا تو منکروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائیگا! یہی وہ چیز ہے جسے تم خود مانگتے تھے۔(۲۷)

لفظی تحقیق: ذَرَءٌ: پھیلانا۔ ماضی کا صیغہ ہے (ذ ر ء) سے "ذَرْءٌ" کے معنیٰ بکھیرنا، پھیلانا۔ سِيْٓـَٔتْ: بگاڑ دیئے گئے۔ ماضی مؤنث مجہول ہے (س و ء) سے "سُوْءٌ" کے معنیٰ غمگین کرنا، مراد یہ ہے کہ رنج اور پریشانی کے مارے چہروں کا رنگ اڑ جائیگا۔ تَدَّعُوْنَ: طلب کرنا۔ مضارع ہے "اِدِّعَاءٌ" سے "اِفْتِعَالٌ" ہے زور سے طلب کرنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلایا اور پھر تم اکٹھے ہو کر اسی کے پاس پہنچ کر رہو گے، کافر لوگ قیامت کے آنے میں شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم غلط کہتے ہو کہ قیامت آئیگی، اگر سچے ہو تو بتاؤ! کب آئیگی۔

اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ قیامت کب آئیگی میں تو فقط صاف الفاظ میں ڈرانے والا ہوں، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جب یہ لوگ قیامت کی نشانیاں دیکھ کر یقین کرلیں گے کہ ہاں اب قیامت آگئی تو ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے، ان پر اداسی چھا جائیگی اور خوف کے مارے ان کا حلیہ بگڑ جائیگا، اس وقت ان سے کہہ دیا جائیگا کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں جلدی تھی اور جسکی بابت تم تقاضہ کر رہے تھے کہ آنی ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔

کڑے سوالات

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ
آپ کہہ دیں بھلا بتاؤتم اگر ہلاک کردے مجھ کو اللہ اور انہیں جو ساتھ ہیں میرے یا رحم کرے ہم پر پس کون

يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۸ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا
پناہ دیگا کافروں کو سے عذاب دردناک(۲۸) آپ کہہ دیں وہی ہے بے حد مہربان ایمان لائے ہم

بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۹ قُلْ
پراس اور پراسی بھروسہ کیا ہم نے پس عنقریب جان لوگے تم کون ہے میں گمراہی کھلی (۲۹) آپ کہہ دیں

ع۲ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝۳۰
بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے پانی تمہارا نیچے غائب پس کون لائیگا پاس تمہارے لے کر پانی صاف (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں! بھلا دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ ہلاک کرے مجھے اور میرے ساتھ والوں کو (جیسا کہ تمہارا خیال ہے) یا ہم پر رحم کرے (جیسا کہ ہمارا اعتقاد ہے) پھر وہ کون ہے؟ جو کافروں کو دردناک عذاب سے بچائے۔(۲۸) آپ کہہ دیں! وہ بے حد مہربان ہے ہم نے اسے مانا اور اسی پر بھروسہ کیا، سو عنقریب تم جان لوگے کہ کون پڑا ہے کھلی گمراہی میں۔(۲۹) آپ کہہ دیں! بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے تمہارا پانی خشک، پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس صاف پانی؟(۳۰)

تفسیر

آپ ان کافروں سے کہہ دیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے تو تمہارا کیا فائدہ ہوگا، ہمارا حال جو کچھ بھی ہو تم کسی طرح بھی قیامت کے دن کے عذاب سے نہیں بچ سکتے، تمہیں تو بہر حال تمہارے برے عملوں کی وجہ سے بہت سخت عذاب مل کر رہے گا، اس سے تمہیں بچانے والا کون ہے؟ اوّل تو دنیا ہی میں تمہیں

سزا مل جائے گی ورنہ آخرت میں تو تمہارا حال برا ہو کر رہے گا۔

ہم تو اللہ تعالیٰ پر جو بے حد مہربان ہے ایمان لا چکے ہیں اور اسی پر ہمیں پورا بھروسہ ہے، تمہیں بھی معلوم ہو جائیگا کھلم کھلا گمراہ کون ہے، پھر یہ بتاؤ کہ پانی جو تم استعمال کرتے ہو اگر کسی صبح زمین کا پانی اتنا نیچے چلا جائے کہ غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں چشمے دار ابلتا ہوا پانی لا کر دے، جب خدا کے مقابلے میں کسی کو بھی اتنی قدرت نہیں کہ زمین کا نیچے گیا ہوا پانی اوپر لے آئے تو آخرت کے عذاب سے بچانے کی کیا قدرت ہوگی۔

سورۃ القلم کا خلاصہ

یہ سورۃ مکہ میں اتری اسکی باون آیتیں اور دو رکوع ہیں، جس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لوگوں سے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، مجھے حکم ہے کہ میں تمہیں بتادوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہوسکتا اور یہ بت جنہیں تم پوج رہے ہو یہ پتھر کی بیجان مورتیاں ہیں، سب دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے اور اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔

مکہ والے اپنی پرانی رسموں پر جمے ہوئے تھے، انکے خیال میں بھی نہ تھا کہ انکے طریقہ سے بہتر کوئی اور طریقہ بھی ہوسکتا ہے، آپ سے یہ بات سُن کر یہ کہنے لگے کہ تم تو (نعوذ باللہ) دیوانے ہو جو ایسی باتیں کرتے ہو، جو ہم میں سے کسی نے نہ کہیں اور نہ سنیں، یہ اس بات کی نشانی ہے کہ تمہاری عقل میں خرابی ہے، ایسی حالت میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ: اے پیغمبر! آپ کی باتوں کو سُن رہے ہیں اور عقل منداس کو لکھ کر قیامت تک کیلئے چھوڑ جائیں گے کہ یہ سب انتہائی دانائی کی باتیں ہیں، یہ آیتیں جو آپ ان کو زبانی سنا رہے ہیں یہ قلم سے بھی لکھی جائیں گی اور قیامت تک محفوظ رہیں گی اور آپ کی دانائی اور ہوشیاری کی گواہی یہ آیتیں دیتی رہیں گی، آپ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دیوانے اور مجنون نہیں بلکہ عقل مندوں کے سردار اور راہنما ہیں اور آپ کا سبق سب سے اچھا ہے، ان لوگوں کو آگے چل کر معلوم ہوگا اور آپ خود بھی دیکھ لیں گے کہ پاگل اور دیوانے خود یہی لوگ

تھے اور آپ عقل منداور ہوشیار تھے۔

سیدھا راستہ تو اللہ تعالیٰ ہی دکھاتا ہے اور وہی فیصلہ کرے گا کہ کون صحیح کہتا تھا اور کون غلط، اب آپ ان کی بات ہی نہ سنیں جو آپ کو جھوٹا اور غلط سمجھتے ہیں، ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں کہ غلط چلنے والے کون ہیں، ان کا مالدار ہونا اور اولا دوالا ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ اچھا ہے اور اسی کی بات ماننے کے قابل ہے، مال آنی جانی چیز ہے، کبھی کسی کے پاس تو کبھی کسی کے پاس، ایک مالدار گھرانے کا حال بتائے دیتے ہیں کہ غلط فہمی وغلط کاری سے اس کا کیا حشر ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے ان کا سب مال تباہ و برباد ہو گیا اور وہ ہاتھ ملتے رہ گئے، سنو! اصلی چیز اللہ تعالیٰ سے ڈر کر برے خیالات سے دور رہنا اور برے کاموں سے بچنا ہے، ایسے لوگوں کو مرنے کے بعد بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی اور وہ ہمیشہ چین و آرام کیساتھ عیش کرتے رہیں گے، یہ مت سمجھنا کہ پرہیزگار اور گناہگار برابر ہوتے ہیں، اچھائی کا بدلہ اچھا اور برائی کا بدلہ برا مل کر رہے گا، یہ لوگ غلط خیالات پر قائم ہیں اور انکے کام برے ہیں، ان کے پاس اسکی کوئی سند نہیں کہ یہ ٹھیک راستہ پر ہیں، قیامت کی جب حقیقت کھلے گی تو ان کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی، آپ ان کی بدسلوکی پر صبر کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم دل وجان سے پورے کرتے رہیں نیکی کا انجام اچھا ہوگا۔

آیاتھا — ۵۲　　سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ　　رکوعاتھا — ۲

سورۃ القلم مکی ہے اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

قلم کی قسم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲

نٓ　قسم قلم کی　اور اسکی جو　وہ لکھتے ہیں　(۱) نہیں　آپ　ساتھ نعمت　رب اپنے کے　کوئی دیوانہ　(۲)

وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴
اور بیشک لئے آپکے بڑا اجر ہے نہ ختم ہونیوالا (۳) اور تحقیق آپ البتہ اخلاق پر ہیں بڑے (۴)

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّىكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
پس عنقریب دیکھ لینگے آپ اور دیکھ لینگے وہ (۵) کون تم میں سے دیوانہ ہے (۶) بیشک رب آپکا وہی

اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۪ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷
خوب جانتا ہے اسکو جو بہکا سے راستے اسکے اور وہی خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو (۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ نٓ ۔قسم ہے قلم کی اور اسکی جو (فرشتے) لکھتے ہیں۔(۱) اپنے رب کے فضل سے آپ دیوانے نہیں۔(۲) اور آپ کے واسطے ثواب ہے بے انتہا۔(۳) اور بیشک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہیں۔(۴) سو! یہ آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔(۵) کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔(۶) بیشک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے اس کو جو اسکی راہ سے بہکا ہوا ہے اور وہی خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔(۷)

لفظی تحقیق: نٓ:حروف مقطعات میں ہے جنکے معنٰی اللہ تعالٰی ہی بہتر جانتے ہیں۔مَمْنُوْنٌ: منقطع۔اسم مفعول ہے (م ن ن) سے "مَنٌّ" کے معنٰی ہیں کاٹ ڈالنا "مَمْنُوْنٌ" جسکا سلسلہ کٹ گیا ہو "غَيْرُ مَمْنُوْنٍ" جسکا سلسلہ منقطع نہ ہو۔مَفْتُوْنٌ: دیوانہ۔اسم مفعول ہے (ف ت ن) سے "فَتَنٌ" کے معنٰی دیوانہ کردینا "مَفْتُوْنٌ" جسکی مت ماری گئی ہو۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قسم ہے قلم کی اور اسکی جو وہ فرشتے لکھتے ہیں کہ اے پیغمبر! آپ پر اللہ تعالٰی کا خاص فضل ہے، اللہ تعالٰی نے آپ کو اپنی طرف سے وہ علم عطاء کیا ہے جو کسی کو نہیں دیا گیا، آپ کی عادتیں اور اخلاق بہت ہی بلند اور عالیشان ہیں، آپکی بات عقل کی تہہ تک پہنچتی ہے بھلا ایسا شخص کہیں پاگل مجنون ہوسکتا ہے، آپ کیلئے اللہ تعالٰی کے ہاں اتنا اجر اور ثواب تیار ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

یہ جو (نعوذ باللہ) آپ کو پاگل کہتے ہیں حقیقت میں یہ خود ہی پاگل ہیں اور تھوڑے ہی دن میں آپ کو بھی اور ان کو بھی دونوں کو صاف معلوم ہو جائیگا کہ تم دونوں میں دیوانہ اور مجنون کون تھا، اللہ تعالیٰ کو تو اس کا علم پہلے ہی سے ہے کہ اسکے راستے سے ہٹا ہوا کون ہے اور سیدھے راستے پر کون چل رہا ہے، لیکن آگے چل کر دنیا بھی اس کو دیکھ لے گی کہ گمراہ کون ہے اور کون سیدھے راستے پر ہے۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ : بیشک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہیں، آپ کا اخلاق بہت ہی عظیم ہے، یہ کافر و مشرک حماقت، جہالت اور تعصب کی بناء پر آپ کی ذات پر اعتراض کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ سب سے بڑے اخلاق والے ہیں، کائنات میں آپ سے بڑا اخلاق والا کوئی ہے ہی نہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: خدا نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی کوئی مثال نہیں، تمام پیغمبروں اور انسانوں میں آپ کا اخلاق سب سے بلند ہے اور اسی اخلاق کو معیار مقرر کیا گیا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تم میں سے مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس کا اخلاق اچھا ہوگا اور فرمایا: جنت میں بھی وہ لوگ بڑی تعداد میں جائیں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے دس سال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی، اس پوری مدت میں جو کام میں نے کیا آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ دس سال کی مدت میں خدمت کرنے والے کے بہت سے کام طبیعت کے خلاف ہوئے ہوں گے۔

تم اپنا کام کرو

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَ لَا تُطِعْ

پس نہ اطاعت کریں جھٹلانے والوں کی (۸) پسند کرتے ہیں کسی طرح آپ نرم پڑیں پس وہ بھی نرم پڑیں (۹) اور مت اطاعت کریں

كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

کسی قسمیں کھانے والے ذلیل کی (۱۰) طعنہ دینے والا چلنے والا ساتھ چغلی کے (۱۱) روکنے والا بھلائی سے حد سے بڑھنے والا

اَثِیْمٍۙ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍۙ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیْنَؕ﴿۱۴﴾
گناہگار (۱۲) متکبر بعد اس بدنام ہے(۱۳) کیونکہ ہےوہ والا مال اور بیٹوں والا (۱۴)

اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ
جب پڑھی جائیں پراس آیتیں ہماری کہے افسانے ہیں پہلوں کے (۱۵) عنقریب داغ دینگے

عَلَى الْخُرْطُوْمِ﴿۱۶﴾
پر ناک اسکی (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔سو! آپ جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانیں۔(۸) وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح آپ نرم پڑیں تو وہ بھی نرم ہوں۔(۹) اور (بات بات پر) جھوٹی قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کا کہنا نہ مانیں۔(۱۰) طعنہ دینے والا، چغلیاں کرنے والا۔(۱۱) نیکی کے کاموں سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گناہگار۔(۱۲) متکبر، اسکےعلاوہ (نسب میں) بدنام بھی ہے۔(۱۳) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال اور بیٹے دے رکھے ہیں؟۔(۱۴) جب اس پر ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہیں۔(۱۵) عنقریب ہم اسکی ناک پر داغ لگائیں گے۔(۱۶)

لفظی تحقیق: تُدْهِنُ: خاطرداری کرے تو۔ مضارع کا صیغہ ہے "اِدْهَانٌ" سے جسکا مادہ (دھ ن) ہے "دُهْنٌ" تیل "اِدْهَانٌ" کسی کو خوش کرنے کیلئے اصل بات چھپا کر غلط بات کہہ دینا۔ یُدْهِنُوْنَ: بھی اسی سے ہے، یعنی: وہ بھی ایسے ہی خوش کرنے والی باتیں کہیں۔ خُرْطُوْمِ: (ناک) یہ لفظ اکثر ہاتھی کی ناک، یعنی: سونڈ کیلئے بولا جاتا ہے۔

تفسیر

بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کا کہنا نہ مانیں، زیادہ قسمیں اٹھانا ویسے بھی مکروہ ہے،

یہ اچھی بات نہیں ہے، اگر قسم کھانا ضروری ہی ہو تو اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانی چاہئے۔

چغل خوری، یعنی: ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا تاکہ آپس میں جھگڑا ہو، اس کو حدیث میں "قتات" بھی فرمایا ہے، یعنی: چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا، یہ فساد برپا کرنے کیلئے بات ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے۔

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ : یعنی: نیکی کے کاموں سے روکتا ہے، حد سے بڑھنے والا ہے، لوگوں کے حق کو ضائع کرتا ہے، گناہگار ہے، یعنی: شرب بھی پی لی، بدکاری بھی کر لی اور جو کچھ دل میں آیا کرتا چلا گیا، یہ شخص اکڑ والا بھی ہے اور مغرور بھی، نسل کے اعتبار سے بھی بدنام (حرامی) ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: یہ شخص اس لئے اکڑ دکھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال اور بیٹے دے رکھے ہیں، اسکے دس بیٹے تھے، ان میں سے تین نے اسلام قبول کیا، خالد رضی اللہ عنہ، عمارہ رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ، جب یہ مجلس میں آتے تھے تو بڑی رونق ہو جاتی تھی، دس جوان بیٹے تھے اور مالدار تھا، مال تجارت میں لگا ہوا تھا اور جانوروں میں اونٹ اور بکریاں بھی بہت تھیں، جب اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے انعامات فرمائے تو اسکا شکر ادا کرنا چاہئے تھا مگر یہ شخص اُلٹا اکڑ دکھاتا تھا، جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہیں، کبھی کہتا ہے کہ محمد ہمیں پرانے زمانے کے عاد اور ثمود کی کہانیاں سناتے ہیں آؤ میں تمہیں بہمن واسفندیار کے قصے سناؤں، جیسے بہمن اور اسفندیار کے قصے مشہور ہیں، یعنی: ایرانیوں کے قصے، اس دین کے دشمن کی تمام ترائیاں بیان کرنے کے بعد سزا کے طور پر فرمایا! ہم اسکی سونڈ پر داغ لگائیں گے، یہ اونچی ناک یعنی سونڈ والا بڑا عزت والا بنا پھرتا ہے ہم اس کو ذلیل وخوار کریں گے، یعنی: قیامت دن اسکے چہرے اور ناک پر اسکے کفر کی وجہ سے کوئی ایسی علامت ذلت کی لگا دیں گے جس سے وہ خوب رُسوا ہوگا۔

مغروروں کا حال

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا

بیشک آزمایا ہم نے انہیں　جیسے　آزمایا ہم نے　والوں　جنت کو　جب　قسم کھائی انہوں نے　البتہ میوہ توڑینگے اسکا

مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ
صبح ہوتے (۱۷) اور نہ انشاء اللہ کہا (۱۸) پس گھوم گیا پر اس ایک گھومنے والا سے رب آپکے

وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾
اور وہ سوتے رہے (۱۹) پس صبح ہوگیا وہ باغ جیسے کٹی کھیتی (۲۰) پھر بولے آپس میں صبح ہوتے ہی (۲۱)

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَ هُمْ
کہ سویرے چلو پر کھیتی اپنی اگر ہو تم کاٹنے والے (۲۲) پس چل پڑے اور وہ

يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّ
آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے (۲۳) کہ نہ داخل ہونے پائے اسمیں آج تمہارے پاس کوئی محتاج (۲۴) اور

غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾
چل پڑے صبح پر ارادے قادر ہونے کے (۲۵) پس جب دیکھا اسے بولے ضرور ہم البتہ راہ بھول گئے (۲۶)

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا
بلکہ نہیں ہم محروم رہ گئے (۲۷) کہا درمیانے نے انکے کیا نہیں کہا تھا میں نے سے تم کیوں نہیں

تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ
تسبیح کرتے (اللہ کی) (۲۸) بولے پاک ہے رب ہمارا بیشک ہم تھے ظلم کرنیوالے (۲۹) پس متوجہ ہوا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
ایک ان کا پر دوسرے کی الزام دھرتا (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے انہیں آزمایا جیسے باغ والوں کو آزمایا تھا، جب ان سب نے قسم کھائی کہ اسکا میوہ صبح ہوتے ہی توڑیں گے۔ (۱۷) اور انشاء اللہ نہ کہا۔ (۱۸) پھر گھوم گیا آپ کے رب کی طرف سے باغ پر کوئی گھومنے والا اور وہ سوتے ہی رہے۔ (۱۹) پھر صبح تک وہ باغ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ویران ہو گیا۔ (۲۰) پھر

صبح ہوتے ہی وہ آپس میں بولے۔(۲۱) کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو کاٹنا ہے۔(۲۲) پھر چلے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے تھے۔(۲۳) کہ اس باغ میں تمہارے پاس کوئی محتاج داخل نہ ہونے پائے۔(۲۴) اور چل پڑے سویرے اپنے بخل میں قدرت رکھتے ہوئے۔(۲۵) پھر جب اسے دیکھا بولے کہ ہم تو راہ بھول گئے۔(۲۶) نہیں بلکہ ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی۔(۲۷) ان کا منجھلا بھائی بولا کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔(۲۸) بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی ظالم تھے۔(۲۹) پھر ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے۔(۳۰)

لفظی تحقیق: لَا یَسْتَثْنُوْنَ: انشاء نہ کہتے تھے۔مضارع ہے "اِسْتِسْنَاءٌ" سے جس کا مادہ (ث ن ی) ہے "ثَنْیٌ" کے معنٰی موڑ دینا "اِسْتِسْنَاءٌ" کے معنٰی عام ہے کسی چیز کو خارج کر دینا، مراد یہ ہے کہ اپنے ارادے کیساتھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی شرط لگا دینا۔ صَرِیْمٌ: کاٹنا۔"صَرِیْمِ اور صَارِمٌ" اسی سے بنے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان مغرور مکہ والوں کو کہہ دو کہ مال و دولت پر نہ اترائیں، یہ تو آدمی کی آزمائش کا ایک ذریعہ ہے کہ دیکھیں پیسہ والا ہو کر اسکا دماغ ٹھیک رہتا ہے یا نہیں، اسکی مثال سُن لو یمن میں چند دیہاتی تھے جن کو ایک باغ اور کھیت باپ سے وراثت میں ملا تھا، باپ تو صدقہ کرتا رہتا تھا لیکن یہ بیٹے ایسے کنجوس نکلے کہ کسی محتاج کو کچھ نہ دیتے تھے، ایک دفعہ باغ اور کھیتی تیار تھی، یہ سب رات کو پختہ ارادہ کر کے سوئے کہ صبح کھیتی اور پھل کاٹ ڈالیں گے اور انشاء اللہ نہ کہا، رات کو یہ سوتے رہے اور اُدھر آندھی کا ایک جھکڑ آیا اور باغ میں آگ لگ گئی، سب کچھ جل کر خاک ہو گیا، یہ لوگ جب صبح سو کر اٹھے تو آپس میں کہا ہمیں سویرے چلنا چاہئے تاکہ جلدی جلدی پھل توڑ لیں اور کھیت کاٹ لیں کہ کہیں کوئی غریب مسکین خیرات لینے نہ پہنچ جائے، غرض صبح سویرے چل پڑے اور چلتے چلتے آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جا رہے تھے۔

باغ کا مالک مسلمان مؤمن اور سخی آدمی تھا، بیٹے باپ کی طرح سخی نہ تھے، جب باپ فوت ہو گیا اور باغ اور کھیت بیٹوں کی ملکیت میں آ گیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارا باپ تو ہر موقع پر غریبوں اور مسکینوں کو دیدیتا تھا جسکی وجہ سے ہماری بہت سے آمدنی چلی جاتی تھی، ہمارا باپ کوئی عقل مند آدمی نہ تھا جو اپنی آمدنی کو اس طرح ضائع کرتا تھا، ہم بال بچے دار ہیں اور ہمیں اپنی ضرورتوں کیلئے سب کچھ رکھ لینا چاہئے، کسی غریب مسکین کو دینے کی ضرورت نہیں، مگر وہاں کا رواج اور دستور یہ تھا کہ پھل توڑنے کے وقت یا فصل کی کٹائی کے وقت جب کوئی غریب مسکین وہاں پہنچ جاتا تو کھیت کا مالک کسی کو مایوس نہ کرتا تھا۔

اپنی فصل میں سے کچھ حصہ غریبوں مسکینوں کو دینے سے بچنے کیلئے بیٹوں نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ پھل ایسے وقت میں اتارا جائے جس وقت کسی کو پتہ نہ چلے، چنانچہ طے پایا کہ صبح سویرے جا کر پھل اتارنا چاہئے کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے، نہ کسی کو معلوم ہوگا اور نہ کوئی موقع پر پہنچ سکے گا اور نہ ہمیں کسی کو کچھ دینا پڑے گا۔

بھائیوں میں سے ایک بھائی کی رائے مختلف تھی، وہ کہتا تھا کہ مسکینوں کا حق نہ مارو اور ان کا حق انہیں ملنا چاہئے مگر دوسرے بھائی اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیتے تھے اور وہ بیچارہ بھی مجبوراً ان کیساتھ شریک ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے یہی مثال مکہ والوں کی بیان کی ہے کہ جس طرح باغ والے کے بیٹے تھے اسی طرح مکہ والے بھی نافرمان ہو گئے، الغرض! انہوں نے قسم اٹھالی کہ باغ کے پھل کو صبح سویرے کاٹیں گے تاکہ اس وقت کوئی غریب مسکین وہاں موجود نہ ہو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: "يَسْتَثْنُوْنَ" کا معنیٰ ان شاء اللہ نہیں بلکہ اس سے مراد استثنٰی کرنا ہے کہ مثلاً: غریبوں کا حق مستثنٰی کر دیا جائے، یعنی: الگ کر کے ان کو دیا جائے، مگر انہوں نے تو ارادہ کیا "لَا يَسْتَثْنُوْنَ" کہ غریبوں کو ہرگز نہ دیں گے، اگر باپ دیتا تھا تو ہم کسی کو نہیں دینگے اور پھل کا ایک ایک دانہ خود توڑیں گے۔

ارشاد ہے کہ: تینوں بھائی آپس میں چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چل پڑے کہ ہمیں جلدی کام کر لینا چاہئے کہ کوئی محتاج سائل نہ پہنچنے پائے، اسی لئے ذرا سویرے روانہ ہوئے اور دل میں لگن تھی کہ جاتے ہی سارا میوہ توڑ کر گھر لیجائیں گے، لیکن جب باغ کی جگہ پہنچے تو وہاں کچھ نہ تھا، آنکھیں مَل مَل کر دیکھنے لگے کہ کہیں ہم

راستہ تو نہیں بھول گئے، پھر جو خیال کیا تو چلائے کہ ہائے ہائے ہم تو خالی ہاتھ رہ گئے، باغ تو سارا اجڑا پڑا ہے، افسوس صد افسوس، منجھلا بھائی کچھ خدا ترس تھا وہ بولا میں تو تمہیں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح سے مت ہٹو اور اسکی رضامندی ڈھونڈو، ورنہ کہیں کچھ نہیں رکھا، کہنے لگے اللہ تعالیٰ سب عیبوں سے پاک ہے، ہمارا ہی قصور ہے کہ ہم نے وہ نہیں کیا جو کرنا چاہئے تھا، ہم نے غریبوں اور مسکینوں کو محروم کرنے کا غلط ارادہ کیا، اسکے بعد ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے آپس میں ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے۔

واویلا اور شرمندگی

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا

کہنے لگے اے ہلاکت ہماری بیشک ہم تھے سرکش (۳۱) امید ہے رب اپنے سے کہ بدلہ میں دے ہمیں بہتر

مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ

سے ان بیشک ہم طرف رب اپنے کی رجوع کرتے ہیں (۳۲) ایسا ہوتا ہے عذاب اور البتہ عذاب

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ

آخرت کا بڑا ہے اگر ہوتے یہ جانتے (۳۳) بیشک واسطے پرہیزگاروں کے پاس رب انکے کے

ع ۲ وقف لازم

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ؕ

باغ ہیں نعمت بھرے (۳۴) کیا پس کر دینگے ہم مسلمانوں کو مانند مجرموں کے (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے اے خرابی ہماری! ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے۔ (۳۱) شاید ہمارا رب بدلہ میں دے ہمیں اس سے بہتر، ہم اپنے رب سے امید رکھتے ہیں۔ (۳۲) عذاب ایسا ہی ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب تو سب سے بڑا ہے اگر انہیں سمجھ ہوتی۔ (۳۳) البتہ پرہیزگاروں کیلئے ان کے رب کے پاس نعمت کے باغ ہیں۔ (۳۴) کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ (۳۵)

تفسیر

جب آپس میں خوب باتیں بنا چکے اور کچھ کام نہ بنا تو سب ملکر بولے کہ ہائے افسوس! زیادتی ہماری ہی تھی، ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکموں سے سرکشی کی، محتاجوں کا حق نہ نکالا، لالچ میں پھنس کر کنجوسی کی اور سمجھے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے، ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بھول کر آنے جانے والی چیزوں سے دل لگایا، آخرت سزا ملی اور وہ بھی سخت، اب ہم خالی ہاتھ ہیں اور ہمارے پلے کچھ نہیں، ہاں اپنے رب سے امید نہیں ٹوٹی، اب اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں، امید ہے کہ وہ ہم پر رحم وکرم فرما کر اس باغ سے بہتر کوئی باغ دیدے۔

آگے ارشاد ہے کہ: اس سے انسان کو سبق حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے نڈر ہو کر اپنی ہی دُھن میں لگے رہنا بری بات ہے، ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لولگائے رکھنی چاہئے، اس سے غافل ہو جانا اور ظاہری اسباب ہی میں لگے رہنا تباہی کا سبب ہیں، اللہ تعالیٰ کا عذاب اسی طرح آتا ہے، دنیا میں یہ اسکا تھوڑا سا نمونہ ہے اور آخرت کا عذاب تو سب عذابوں سے بڑا ہے، جب دنیا ہی کا تھوڑا سا عذاب نہیں ٹل سکتا تو آخرت کا عذاب تو ٹل ہی نہیں سکے گا، اگر انسان اس بات کو سمجھ لے تو بیڑا پار ہے، سنو! جو پرہیزگار ہیں ان کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں راحت کے باغ اور آرام کے باغ ہیں، ذرا سوچو تو سہی کیا اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردے گا؟

آخر یہ ڈھیٹ پن کیوں ہے؟

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾

کیا ہو گیا ہے تمہیں کیسے فیصلہ کرتے ہو (۳۶) کیا لئے تمہارے کوئی کتاب ہے میں جس تم پڑھ لیتے ہو (۳۷)

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ

بیشک لئے تمہارے میں اس البتہ وہی ہے جو تم پسند کرتے ہو (۳۸) کیا تم نے قسمیں لے رکھی ہیں ہم سے پہنچنے والی

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ

تک دن قیامت کے کہ بیشک لئے تمہارے وہی ہے کہ جسکا تم فیصلہ کرلو (۳۹) پوچھو ان سے کون ان میں سے

بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ

اس بات کا ذمہ دار ہے (۴۰) کیا پاس انکے کچھ شریک ہیں پس چاہئے کہ لے آئیں شریکوں اپنے کو اگر

كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

ہیں وہ سچے (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ: تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ (۳۶) کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جو تم پڑھتے ہو۔ (۳۷) بیشک تمہارے لئے اس کتاب میں وہی کچھ ہے جو تم چاہتے ہو۔ (۳۸) یا (پھر کیا ایسا ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیامت تک قسمیں اٹھا رکھی ہیں کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے۔ (۳۹) آپ ان سے پوچھیں کہ اس کیلئے ان کا کون ذمہ دار ہے۔ (۴۰) کیا ان کیلئے کوئی شریک ہیں؟ تو پھر چاہئے کہ لائیں اپنے شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں۔ (۴۱)

تفسیر

مکہ کے کافر اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو دعویٰ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے بڑے درجے ملیں گے تو ہم کو بھی ان سے بڑھ کر درجے ملیں گے، کیونکہ دنیا میں ہمیں ان سے بڑھ کر درجہ حاصل ہے پھر وہاں کیوں نہ حاصل ہوگا۔

ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ آخرت کے درجے اور مرتبے تو ان کو ملیں گے جنہوں نے یہاں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہوگی، یہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو نہ مانا اور اس نے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان انہیں پہنچایا اسے ٹھکرا دیا تو کیسے کہتے ہیں کہ آخرت میں بھی انہی کو درجے ملیں گے، کیا اللہ تعالیٰ کو ایسا بے انصاف سمجھ لیا ہے کہ اپنے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کو برابر کر دے گا، بلکہ جیسا کہ یہ خیال کرتے ہیں ان کو اس سے بھی بڑھا

دے گا، ان کو کیا ہو گیا کہ یہ ایسے کرتے ہیں، کیا ان کے پاس کوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں انہوں نے یہ پڑھا ہے کہ جو تم چاہو گے وہی ملے گا، ان سے پوچھو تو سہی کہ تم میں اس بات کے ثابت کرنے کا ذمہ کون لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب برابر ہیں، کیا ان سے اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر کہہ دیا ہے کہ تمہیں اچھے ہی حال میں رکھا جائیگا، کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور حمایتی بنا رکھے ہیں، اگر یہ سچے ہیں تو اپنے ان حمایتیوں کو ذرا سامنے لائیں تا کہ دیکھا جائے کہ ان میں کتنا زور ہے۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ: آپ ان سے پوچھیں کہ اس کیلئے ان کا کوئی ذمہ دار ہے، کیا کوئی دلیل ہے جسکی رو سے کافروں کی حالت ہمیشہ اچھی رہے گی، یہاں بھی اچھی ہوگی اور قیامت میں بھی، گویا جیسا یہ چاہیں ویسا ہی ہوگا، لاؤ اور دکھاؤ کس کتاب میں لکھا ہے۔

جب حقیقت کھل جائے گی

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا
جس دن کھول دی جائے سے پنڈلی اور بلائے جائیں وہ طرف سجدہ کے پس نہ

يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا
کر سکیں وہ (سجدہ) (۴۲) جھکی ہوئی آنکھیں انکی ڈھانکے ہوئے انکو ذلت اور تحقیق تھے وہ

يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِيْ وَ مَنْ يُّكَذِّبُ
بلائے جاتے طرف سجدہ کے اور وہ ہٹے کٹے تھے (۴۳) پس چھوڑ دے مجھے اور اسے جو جھٹلائے

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَ
اس بات کو ہم رفتہ رفتہ لئے جاتے ہیں انہیں سے اس طرح کہ نہیں جانتے وہ (۴۴) اور

اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿٤٥﴾
مہلت دے رہا ہوں انہیں بیشک داؤ میرا پکا ہے (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ: جس دن کھول دی جائے گی پنڈلی اور یہ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے پس یہ سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔(۴۲) انکی آنکھیں نیچی ہوں گی، انکے اوپر ذلت چڑھی ہوئی ہوگی اور بیشک ان کو دنیا میں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ بالکل صحیح سلامت (ہٹے کٹے) تھے۔(۴۳) پس! چھوڑ دیں مجھے اور اس کو جو اس بات کو جھٹلاتا ہے، ہم ان کو آہستہ آہستہ عذاب کے قریب کریں گے جس کا ان کو پتہ بھی نہ چلے گا۔(۴۴) اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔(۴۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسی تجلی ڈالیں گے جس سے اسے سب پہچان لیں گے اور جو دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تھے اور نماز پڑھتے تھے وہ اس وقت سب کے سب سجدہ میں گر پڑیں گے، اور وہ جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہ مانا تھا وہ اس وقت اسے مان جائیں گے، لیکن باوجود اسکے کہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر نہ کرسکیں گے، ان کی آنکھیں دہشت اور شرمندگی سے نیچی ہوجائیں گی اور ہر طرف سے انہیں ذلت گھیر لے گی، یہ اس لئے ہوگا کہ دنیا میں وہ سب خوب ہٹے کٹے تھے، انہیں ایمان لاکر سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا لیکن انہوں نے اس حکم کو نہ مانا، اب اس نہ ماننے کی شامت سے اس وقت باوجود اللہ تعالیٰ کو پہچان لینے کے سجدہ میں نہ جھک سکیں گے اور بکے بکے رہ جائیں گے۔

آگے ارشاد ہے کہ: ہم نے یہ سب کچھ انہیں بتلا دیا ہے، اب اگر ہماری بتلائی ہوئی بات نہ مانیں تو ان کا معاملہ ہمارے اوپر چھوڑ دو، ہم انہیں آہستہ آہستہ نیچے عذاب کی طرف اتار رہے ہیں، سنو! میں انہیں مہلت دے رہا ہوں، مگر میری تدبیر بہت پختہ ہوتی ہے اس کو یہ سمجھ نہیں سکتے۔

"بخاری شریف" کی روایت میں یہ الفاظ اس طرح آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے، پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں، اسے سزا کے شکنجے میں جکڑ دیتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہے کہ گناہ اور نافرمانی کے باوجود نعمتیں مل رہی ہیں، لہٰذا ایسے شخص کو دیکھ کر شبہ میں نہیں پڑنا چاہیے کہ شاید یہ آدمی اچھا ہے، اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں: میں ان کو مہلت دیتا ہوں میری تدبیر مضبوط ہے اور یہ لوگ میری تدبیر سے باہر نہیں جاسکتے۔

"بخاری و مسلم" میں ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق ظاہر فرمادے گا، ساق کہتے ہیں پنڈلی کو اور یہ اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص صفت ہے جس کو کسی مناسبت سے ساق فرمایا، یہ آیت متشابہات میں سے ہے اور اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام ایمان والے سجدے میں گر پڑیں گے مگر جو شخص کفر کرتا تھا اسکی کمر تختہ کی طرح ہو کر رہ جائیگی اور سجدہ نہ کر سکے گا۔

سجدے کی طرف بلانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آخرت عملوں کی جگہ ہے بلکہ آخرت تو عملوں کے بدلے کی جگہ ہے، کیونکہ بلائے جانے سے مراد عبادت والے سجدہ کا حکم نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب سجدہ کرنا چاہیں گے، مؤمن اس بات پر قادر ہو جائیں گے اور کافروں کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ سمجھ میں آتا ہے جس کا آگے ذکر ہے، یعنی: کافر بھی سجدہ کرنا چاہیں گے سو یہ کافر لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے اور انکی آنکھیں مارے شرمندگی کے جھکی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ان لوگوں کو دنیا میں سجدہ کی طرف بلایا جاتا تھا کہ ایمان لاکر عبادت کریں اور وہ صحیح سالم تھے، یعنی: سجدہ پر قادر تھے مگر کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کرتے تھے۔

صبر کرو

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ

کیا مانگتے ہیں آپ ان سے کچھ اجرت پس وہ میں تاوان دبے جارہے ہیں (۴۶) کیا پاس انکے

الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ

غیب کا علم ہے پس وہ لکھ لیتے ہیں (۴۷) پس صبر کریں حکم پر رب اپنے کے اور مت ہوں

كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ؕ لَوْ لَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ

مانند مچھلی والے کے جب پکارا اس نے اور وہ غم میں گھٹ رہا تھا (۴۸) اگر نہ ہوتا کہ سنبھالتی اسے

وقف لازم

نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ
نعمت رب اسکے کی البتہ ڈالا جاتا چٹیل میدان میں اور وہ بدحال ہوتا (۴۹) پس نوازا اسے رب اسکے نے

فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾
پس کر دیا اسے میں نیکوں (۵۰)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ یہ اس تاوان کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں؟۔(۴۶) کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے پس وہ اس کو لکھتے ہیں۔(۴۷) پس اپنے رب کے حکم کیلئے صبر کریں اور مچھلی والے کی طرح نہ بن جائیں جب اس نے دعا کی تو وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔(۴۸) اگر اس کے رب کی نعمت اسکو نہ سنبھالتی تو البتہ پھینک دیا جاتا اس کو چٹیل میدان میں اس حالت میں کہ وہ خستہ حال ہوتا۔(۴۹) پھر اس کے رب نے اسکو نوازا اور اسے اچھے لوگوں میں بنا دیا۔(۵۰)

لفظی تحقیق: صَاحِبِ الْحُوْتِ: مچھلی والے سے حضرت یونس علیہ السلام مراد ہیں۔ مَكْظُوْمٌ: جذبات کو دباتے ہوئے۔ اَلْعَرَآءِ: بیابان، جہاں درخت نہ ہوں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے ہمارے پیغمبر! آپ انہیں ایسی باتیں بتا رہے ہیں جن میں ان کا سراسر بھلا ہے اور پھر آپ ان سے اسکی کچھ اجرت بھی طلب نہیں کرتے کہ جس کے بوجھ تلے یہ دبے جارہے ہوں اور دبتے ہوئے دَم نکلتا ہو، کیا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں جنہیں وہ لکھ کر رکھ لیتے ہیں، جب ان میں سے کوئی بھی بات نہیں تو پھر ان کی یہ بڑی ہٹ دھرمی اور ضد ہے جو یہ آپ کی نہیں سنتے، اس کا تو بس یہی علاج ہے کہ آپ صبر سے اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور ذرا نہ گھبرائیں۔

ایسا مت کریں جیسا حضرت یونس علیہ السلام نے کیا کہ قوم کی ضد اور ہٹ دھرمی سے تنگ آکر کہا کہ تم پر فلاں دن اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائیگا اور وہاں سے چل دیئے، کشتی میں سے دریا میں پھینکے گئے اور ایک مچھلی نے انہیں

نگل لیا، اس وقت غم میں اللہ تعالیٰ کو پکارا، اس وقت ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اپنی قوم اور جگہ کو چھوڑنے کا غم تھا، دوسرے مچھلی کے پیٹ میں قید ہونے کا غم تھا، تنگ آکر دعا کی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد چٹیل میدان میں خستہ حالت میں پڑے رہتے، آخر اللہ تعالیٰ نے اپنا رحم فرمایا اور سب تکلیفوں سے نجات دے کر اپنا پسندیدہ بندہ بنایا اور نیک لوگوں میں داخل کر لیا۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ: اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو پسندیدہ بنایا اور صالحین میں سے بنایا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں یونس (بن متّٰی) علیہ السلام سے بہتر ہوں، ان سے لغزش ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے پکڑ کی، وہ خدا کے پیغمبر تھے اور پیغمبروں سے معمولی لغزش ہی ہو سکتی ہے صغیرہ یا کبیرہ گناہ نہیں، لہٰذا اپنے آپ کو ان سے بہتر نہ کہو یا کسی طریقے سے ان کی توہین نہ کر بیٹھو کہ ایسا کرنے سے کفر کا خطرہ ہے۔

ایک اور حرکت

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا

اور تحقیق قریب ہیں وہ جو کافر ہوئے کہ پھسلا دیں آپکو اپنی نظروں سے گھور گھور کر جب سنتے ہیں

الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۱۹

یہ قرآن اور کہتے ہیں بیشک وہ البتہ دیوانہ ہے (۵۱) اور نہیں وہ قرآن مگر یاددہانی واسطے جہان والوں کے (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ: قریب ہے کہ کافر لوگ آپ کو پھسلا دیں اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر، جب وہ قرآن سنتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ بیشک یہ تو پاگل ہے۔ (۵۱) اور یہ قرآن تو تمام جہان والوں کیلئے نصیحت ہے۔ (۵۲)

لفظی تحقیق: **لَيُزْلِقُوْنَكَ:** پھسلا دیں، ڈگمگا دیں۔ مضارع ہے "اِزْلَاقٌ" سے جو (زل ق) سے بنا ہے، مجرد "زَلَقٌ" اور مزید "اِزْلَاقٌ" دونوں کے معنٰی پھسلا دینا، جگہ سے ہٹا دینا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں اور یہ منکرلوگ اسے سنتے ہیں تو آپکو تیز تیز غصہ کی نگاہوں سے بری طرح گھورتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈراونی آنکھیں دکھا کر آپکو قرآن سنانے سے روکنا چاہتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہوگیا ہے، مگر یہ تو جہالت اور غصہ میں خود ہی پاگل بن رہے ہیں اور کچھ نہیں، یہ قرآن مجید تو سارے جہان والوں کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے، اس میں انہیں وہ ساری اچھی باتیں یاد دلائی گئی ہیں جنہیں یہ بھولے بیٹھے ہیں، ان کی اس قسم کی حرکتوں سے آپ بالکل نہ گھبرائیں اور اپنے کام میں برابر لگے رہیں، آگے چل کر یہی قرآن مجید انسان کو تباہی سے بچانے کا ذریعہ بنے گا اور یہ جو اس وقت اسکے انکار پر تلے ہوئے ہیں عنقریب منہ کی کھائیں گے۔

سورۃ الحاقّہ کا خلاصہ

یہ سورت مکہ میں اتری ہوئی اسکی باون آیتیں اور دو رکوع ہیں، اس میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور دنیا والوں کو صاف طور پر بتادیا گیا ہے کہ یہ دنیا ایک نہ ایک دن ختم ہوجائے گی اور قیامت آنے کے وقت بڑے ہولناک حادثے ہوں گے، دنیا کے اندر زندگی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر بسر کرنی چاہیئے، جن لوگوں نے اسے نہ مانا اور بے فکری سے جو دل میں آیا کرنا شروع کردیا، ان کو انکے عملوں کی سزا اوّل تو دنیا میں ملے گی ورنہ مرنے کے بعد جب وہ دوسرے جہان میں جائیں گے تو وہاں ان کی بہت ہی بری حالت بنے گی، اچھی طرح سُن لو کہ وہ آخری گھڑی آنے والی ہے جب صور پھونکا جائے گا اور ایک ہولناک آواز پیدا ہوگی جو مسلسل بڑھتی ہی جائے گی، آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے اور زمین کا کونہ کونہ زلزلے سے ہل جائیگا اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، چاروں طرف فرشتے قطار باندھے کھڑے ہوں گے۔

قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اور وہ خفیہ راز جو دنیا میں عام طور پر معلوم نہ تھے

کھل کوسب سامنے آجائیں گے اور کسی کی کوئی بات چھپی نہ رہے گی، ہرایک کے اعمال نامے اسکے ہاتھ میں دیئے جائیں گے جسکے دائیں ہاتھ میں اسکا اعمال نامہ دیا جائیگا وہ اسے خوشی خوشی ہر ایک کو دکھاتا پھرے گا کہ مجھے تو معلوم تھا کہ مجھے اپنے حساب کتاب سے واسطہ پڑنے والا ہے اور میں برے کاموں سے دنیا میں بچتا تھا جن سے پکڑ کا اندیشہ تھا، یہ شخص جنت میں داخل ہوگا جہاں پھلوں سے لدے ہوئے باغ ہوں گے اور وہ ان کے اندر ہمیشہ ناز و نعمت میں رہے گا۔

جس کا اعمال نامہ اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا وہ کہے گا کہ کاش مجھے یہ نہ ملتا تو اچھا ہوتا، کاش میں ہمیشہ مرا ہی پڑا رہتا، آج نہ میری دولت کام آئے گی اور نہ میری حکومت مجھے بچا سکے گی، حکم ہوگا کہ اس مردود کو پکڑ و اور گلے میں طوق (زنجیر) ڈال کر کھینچتے ہوئے لے جاؤ اور دوزخ میں ڈال دو اور زنجیروں میں جکڑ دو کہ ہل جُل بھی نہ سکے، یہ وہی تو ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا تھا، محتاجوں کی خبر گیری نہ کرتا تھا، آج اس کیلئے یہاں کچھ نہیں۔

آگے ارشاد ہے کہ: اے انسانو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن مجید میری ہی بھیجی ہوئی سچی کتاب ہے اسے پیغمبر نے خود نہیں گھڑا، اگر پیغمبر اسے خود گھڑتا تو ہم اسے سخت سزا دیتے، یہ پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے اور کافروں کیلئے حسرت کا سبب ہوگی۔

آیاتها — ۵۲ سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها — ۲

سورۃ الحاقۃ مکی ہے اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

منکروں کا انجام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَآقَّةُ ۝١ مَا الْحَآقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝٣ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

سچ مچ ہونیوالی (۱) کیا ہے سچ مچ ہونیوالی (۲) اور کس نے بتایا آپکو کیا ہے وہ سچ مچ ہونیوالی (۳) جھٹلایا ثمود نے

وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَ اَمَّا عَادٌ

اور عاد نے اس کھٹکھٹانے والی کو (۴) پس وہ جو ثمود تھے سو وہ ہلاک کر دیئے گئے گرجدار زلزلہ سے (۵) اور وہ جو عاد تھے

فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

ہلاک کئے گئے ایک آندھی سے ٹھنڈی بے قابو (۶) چلائے رکھا اسے پران سات رات

وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ

اور آٹھ دن متواتر پس دیکھتے آپ اس قوم کو میں اس چت گرا پڑا ہوا گویا کہ وہ

اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَ جَآءَ

تنے ہیں کھجور کے کھوکھلے (۷) پس کیا دیکھتے ہیں آپ ان میں کوئی بچا ہوا (۸) اور آئے

فِرْعَوْنُ وَ مَنْ قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ

فرعون اور جو تھے پہلے اس اور الٹی ہوئی بستیوں والے گناہ کے سبب (۹) پس نافرمانی کی انہوں نے پیغمبر کی

رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ

رب اپنے کے پس پکڑا اس نے انہیں پکڑنا سخت (۱۰) تحقیق ہم جب جوش مارا پانی نے اٹھایا ہم نے تمہیں

فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲

میں کشتی (۱۱) تا کہ کر دیں ہم اسے لئے تمہارے نصیحت اور محفوظ رکھے اسے کان حفاظت سے رکھنے والے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔سچ مچ ہونے والی۔ (۱) کیا ہے وہ سچ مچ ہونے والی۔ (۲) کس نے بتایا آپ کو کیا ہے وہ سچ مچ ہونے والی۔ (۳) ثمود اور عاد نے اس کھٹکھٹانے والی کو جھٹلایا۔ (۴) ثمود کی قوم کو ایک خوفناک چیخ کیساتھ ہلاک کیا گیا۔ (۵) اور عاد کو تند و تیز ہوا کیساتھ ہلاک کیا گیا جو حد سے بڑھنے والے تھے۔ (۶) چلائے رکھا اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن تک لگاتار، پھر آپ ان لوگوں کو اس میں چت گرا ہوا دیکھیں، گویا وہ تنے ہیں کھجور کے جو اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہیں۔ (۷) پس کیا آپ دیکھتے ہیں ان میں سے کسی ایک فرد کو بھی بچا

ہوا۔(۸)اور فرعون اور اس سے پہلے لوگوں اور الٹی ہوئی بستیوں والوں نے گناہ کئے تھے۔(۹)انہوں نے اپنے رب کے پیغمبروں کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے پکڑا ان کو بڑی چڑھی ہوئی گرفت کیساتھ۔(۱۰)جب پانی میں طغیانی آ گئی تو (اے موجودہ زمانے کے لوگو) ہم نے تمہیں (تمہارے باپ دادا کو) کشتی میں سوار کیا۔(۱۱) تا کہ تمہارے لئے یادگار بنادیں اس واقعہ کو اور یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں۔(۱۲)

لفظی تحقیق: بَاقِيَةٌ: نفس کی صفت ہے جو یہاں مذکور نہیں۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتُ: الٹی ہوئی بستیاں۔اس سے لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں مراد ہے۔ خَاطِئَةٌ: اسم ہے "خَطَاءٌ" سے (گناہ)، اس کیلئے دوسرا لفظ "خَطِيْئَةٌ" ہے۔ رَابِيَةٌ: اسم فاعل ہے (ر ب و) سے اونچا اٹھنا "رَابِيَةٌ" سے یہاں مراد نمایاں اور سخت سزا ہے۔ تَعِيَ: محفوظ رکھے۔مضارع مؤنث ہے (و ع ی) سے،اسی سے "وَاعِيَةٌ" اسم فاعل مؤنث ہے "وَعْیٌ" حفاظت کیساتھ بچا کر رکھنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: عاد کی قوم اس طرح تباہ ہوئی کہ ایک شخص بھی ان میں سے نہ بچا، اسی طرح مصر کے فرعون نے اور اس سے پہلے اور لوگوں نے اور لوط علیہ السلام کی قوم نے برے کام اختیار کئے اور قیامت کو بھول گئے، ہم نے انہیں بھی سخت سزا دی، اسی طرح جب نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی کا سخت طوفان آیا اور پانی نے جوش مارا تو اس سے کوئی نہ بچا اور سب کے سب ڈوب کر ہلاک ہو گئے، لیکن ہم نے کچھ آدمیوں اور جانوروں کو کشتی کے ذریعہ بچا لیا ورنہ آج تم بھی نہ ہوتے، تم انہی کی اولاد ہو جنہیں ہم نے کشتی میں بٹھا کر بچا لیا تھا، ہر شخص کو چاہئے کہ ہماری اس عنایت اور مہربانی کو یاد رکھے اور خاص کر جو لوگ باتیں سُن کر انہیں یاد رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ اس واقعہ کو خوب دھیان میں رکھیں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کو بچا لیتا ہے اور نافرمانوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ: پھر فرعون کی باری آئی اور اس سے پہلے الٹی ہوئی بستیوں والے جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا ان پر پتھر برسائے گئے اور آگے برسائی گئی، انہوں نے اپنے رب کے پیغمبروں کی

نافرمانی کی، پیغمبروں نے کہا اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو، وہ جواب دیتے تھے کہ کیا تیرے جیسے بیوقوف آدمی کی وجہ سے ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں، پیغمبر کہتا تھا ظلم نہ کرو قیامت آنے والی ہے، وہ کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں ہے اور پیغمبر کے فرمان کو رد کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے پکڑا ان کو بڑھی چڑھی ہوئی گرفت کیسا تھ اور وہ تباہ و برباد ہو گئے اور اکڑ اور تکبر سارا ختم ہو گیا۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ: جب پانی میں طغیانی آ گئی، پانی چڑھ آیا تو اے موجودہ زمانے کے لوگو! ہم نے تمہیں، یعنی: تمہارے باپ دادا کو چلنے والی کشتی میں سوار کیا، یہ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تھا، آج اس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے آباء واجداد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار نہ ہوئے ہوں، تو گویا ہمارے باپ دادا کا حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہونا ہمارا ہی سوار ہونا ہے اور پھر انہی میں سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی نسل کو آگے بڑھایا۔

قیامت کا حال

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ
پس جب پھونکا جائے میں صور پھونکنا ایک (۱۳) اور جگہ سے اٹھالئے جائیں زمین اور

الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَ
پہاڑ پھر کوٹ دیا جائے کوٹنا ایک دم (۱۴) پس اس دن آپڑے گی آپڑنے والی (۱۵) اور

انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآئِهَا ؕ
پھٹ جائینگے آسمان پس وہ اس دن نہایت کمزور ہونگے (۱۶) اور فرشتے پر ہونگے کناروں اسکے

وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ
اور اٹھائیں گے عرش رب آپکے کا اوپر اپنے اس دن آٹھ (فرشتے) (۱۷) اس دن

تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ۝۱۸

تم سامنے کئے جاؤگے نہ چھپی رہے گی سے تم کوئی چیز (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب صور میں پھونکا جائے ایک بار پھونکنا۔(۱۳) اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں، پھر انہیں ایک ہی دفعہ میں کوٹ دیا جائے۔(۱۴) پھر اس دن ہو پڑے گی ہو پڑنے والی۔(۱۵) اور آسمان پھٹ جائے پھر وہ اس دن نہایت کمزور ہوگا۔(۱۶) اور فرشتے ہوں گے اسکے کناروں پر اور آپکے رب کا عرش اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔(۱۷) اس دن تم حاضر کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔(۱۸)

لفظی تحقیق: دُكَّتَا: کوٹ کر ریزہ ریزہ کردیئے جائیں۔مصدر ہے (دک ک) سے اور اس سے "دُكَّتَا" ماضی مجہول تثنیہ مؤنث کا صیغہ ہے،کوٹ کر پاش پاش کردیئے گئے۔وَاهِيَةٌ: کمزور بے دم۔اسم فاعل مؤنث ہے(وہ ی) سے"وَهْيٌ" کے معنٰی کمزور ہونا،اسی کی جمع "وَاهِيَات" ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ان کا انجام دنیا میں تو تم نے سُن لیا،اب سنو آخرت کا حال، ایک وقت ایسا آئے گا کہ صور میں ایک پھونک ماری جائے گی،یکا یک زلزلہ آئے گا،زمین و آسمان اِدھر اُدھر اٹھا کر پٹک دیئے جائیں گے اور ایک دم ریزہ ریزہ ہوجائیں گے،یہی قیامت ہوگی،اس وقت آسمان پھٹ جائیگا اور ٹوٹ کر بکھر جائیگا،فرشتے اسکے کناروں پر کھڑے نظر آئیں گے اور عرش کو جسے اِس وقت چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اُس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اور پھر تم سب اللہ تعالٰی کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے،تمہاری ساری چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہوجائیں گی،نیکی اور بدی سب آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور ہر ایک اپنے اپنے کاموں کو اور ان کے نتیجوں کو دیکھ لے گا۔

خوش قسمت

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۟ۚ ﴿۱۹﴾

پس رہا وہ جسے دیا گیا اعمالنامہ اسکا داکیں ہاتھ میں اسکے پس کہے گا میں لو بھی پڑھو اعمالنامہ میرا (۱۹)

اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۟ۚ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۟ۙ ﴿۲۱﴾ فِيْ

بیشک مجھے یقین تھا اسکا کہ میں ملنے والا ہوں اپنے حساب سے (۲۰) پس وہ ہے میں زندگی پسندیدہ (۲۱) میں

جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۟ۙ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۟ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَآ

باغ اونچے (۲۲) میوے اسکے قریب ہیں (۲۳) کھاؤ اور پیو جی بھر کے بدلے اسکے جو

اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

بھیجا تم نے میں دنوں گزرے ہوئے (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! جسے اس کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں ملا وہ کہے گا لو میرا اعمالنامہ پڑھو۔(۱۹) مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب پیش آنے والا ہے۔(۲۰) سو! وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔(۲۱) اونچے باغوں میں۔ (۲۲) جس کے میوے جھکے پڑے ہیں۔(۲۳) (ان سے کہا جائیگا) کھاؤ اور پیو جی بھر کے اُن عملوں کے بدلے جو تم نے بھیجے دنیا میں۔(۲۴)

لفظی تحقیق: هَآؤُمُ: اسم فاعل ہے معنیٰ "خُذْ" دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے بات سے پہلے کہتے ہیں۔ قُطُوْفٌ: توڑنے کے قابل پھل۔ "قِطْفٌ" کی جمع ہے، پکا پھل جو توڑا جائے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن سب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہوں گے، اس وقت چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائیں گی اور ہر ایک کو اسکا اعمالنامہ پکڑا دیا جائے گا جو کسی کے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور کسی کے بائیں ہاتھ

میں، جس شخص کا اعمالنامہ اسکے دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اسکے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جائے گی، اسکی ساری تکلیفیں جاتی رہیں گی، وہ خوشی خوشی سب کو اپنا اعمالنامہ دکھاتا پھرے گا، کہے گا لو یہ میرا اعمالنامہ ہے ذرا پڑھو تو سہی کہ اسمیں کیا لکھا ہے، میں نے تو پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ ایک دن میرے سارے کاموں کا جو میں دنیا میں کر رہا ہوں حساب ہوگا، اس لئے بس وہی کرتا تھا جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اور جن کاموں سے منع کیا گیا تھا اس سے رُک جاتا تھا، اس شخص کو آرام وراحت کی زندگی اسکی مرضی کے موافق ملے گی، اسے ایک عالیشان باغ رہنے کو ملے گا جس کے درختوں کے پھل جھکے پڑے ہوں گے اور بڑی آسانی سے انہیں توڑے گا اور کہا جائیگا کہ یہ تیرے ان اچھے اعمال کا پھل ہے جو تو نے دنیا میں کئے تھے، وہ ہمارے پاس پہنچے اور آج یہ ان کا بدلہ ہے، آج خوب کھاؤ اور خوب پیو اور تمہیں یہاں اب کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ: ان کے پھل قریب ہوں گے، درختوں کے اوپر چڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی، نہ سیڑھیاں لگانی پڑیں گی، نہ کسی کمند کی ضرورت ہوگی جیسے کھجوریں اتارنے کیلئے باندھنا پڑتا ہے بلکہ جب خواہش ہوگی وہ پھل خود بخود جھک کر منہ کے قریب آجائیگا تاکہ وہ اس کو آسانی سے لے لے، اسکے بعد درخت اپنی جگہ پر واپس چلا جائے گا۔

جنتیوں سے کہا جائیگا، خوشگواری سے کھاؤ پیو جتنا جی چاہے، یہاں نہ بدہضمی ہوگی، نہ مروڑ لگیں گے اور نہ کوئی پیٹ میں فضلہ پیدا ہوگا، جو چیزیں بھی کھائیں گے ایک خوشبودار ڈکار کیساتھ سب کچھ ہضم ہوجائیگا، انہیں پاخانہ اور پیشاب کی ضرورت نہیں ہوگی، وہ پاک جگہ ہوگی، وہاں کوئی گندگی نہیں ہوگی، نہ بلغم والی تھوک ہوگی اور نہ کوئی پیٹ میں تکلیف ہوگی۔

بدقسمت

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ

اور	رہا وہ	جسے	دیا گیا	اعمالنامہ اسکا	بائیں ہاتھ اسکے	پس کہے گا	اے کاش مجھے	نہ	دیا جاتا	

كِتٰبِيَهْ ۝٢٥ وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝٢٦ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝٢٧
اعمالنامہ میرا (۲۵) اور نہ جانتا کیا ہے حساب میرا (۲۶) کاش وہی (پہلی موت) ہوجاتی فیصلہ کرنیوالی (۲۷)

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝٢٨ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝٢٩ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝٣٠
نہ فائدہ دیا مجھے مال نے میرے (۲۸) نکل گئی ہاتھ سے میرے حکومت میری (۲۹) (کہا جائیگا) پکڑلواسے پھر طوق ڈالواسکے (۳۰)

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝٣١ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ
پھر دوزخ میں ڈالدواسے (۳۱) پھر میں زنجیر جسکی لمبائی ستر

ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝٣٢
ہاتھ ہے پس جکڑ دواسے (۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جسے اسکا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں ملا وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا جو مجھے میرا اعمالنامہ نہ ملتا۔(۲۵) اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔(۲۶) کاش کہ! پہلی موت مجھے ختم کردیتی۔(۲۷) کچھ کام نہ آیا میرا مال۔(۲۸) جاتی رہی مجھ سے میری حکومت۔(۲۹) اسکو پکڑو اور پھر طوق ڈالواسکے گلے میں۔(۳۰) پھر اس کو دوزخ میں ڈالدو۔(۳۱) پھر اسکو ایک زنجیر میں جکڑ دو جسکی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔(۳۲)

لفظی تحقیق: ذَرْعٌ: لمبائی۔"ذِرَاعٌ" اسکی جمع ہے"ذَرْعٌ" کے اصل معنٰی ہیں ایک ہاتھ کی لمبائی، اس آیت میں"ذَرْعٌ" جس مقدار کیلئے آیا ہے اللہ تعالٰی ہی کو معلوم ہے، ان آیتوں کے آخر میں (ہ) وقف کیلئے زیادہ کی گئی ہے"قَاضِيَةَ" میں (ہ) نہیں تائے تانیث ہے۔اُسْلُكُوْهُ: داخل کردواسے۔(س ک ل) سے امر ہے "مَسْلَكٌ" کے معنٰی کسی چیز کے اندر داخل کردینا، یہاں زنجیر سے ہر طرف سے جکڑ لینا مراد ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس کا اعمالنامہ اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا تو وہ کہے گا کہ کاش! یہ مجھے نہ ملتا، کاش! مجھے اپنے حساب کتاب کی خبر ہی نہ ہوتی، کاش! وہی موت جو مجھے آئی تھی میرا قصہ ہمیشہ کیلئے ختم کرچکی ہوتی اور مرنے

کے بعد میں زندہ ہی نہ ہوا ہوتا، ہائے دنیا میں میرے پاس کس قدر مال تھا لیکن آج وہ یہاں کچھ کام نہ آیا، دنیا میں میری حکومت چلتی تھی، ہر ایک میرے اشارے پر کھڑا تھا لیکن یہاں تو وہ ساری حکومت ختم ہوگئی، کوئی میری طرف رُخ ہی نہیں کرتا، یہ شخص اسی طرح چیخ و پکار کررہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں اسکو اچھی طرح جکڑ و اور پھر دوزخ میں پھینک دو، یا اللہ! ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھ۔ آمین

دنیا میں وہ کیسا تھا؟

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ
بیشک وہ تھا نہ ایمان لاتا پر اللہ عظیم کے (۳۳) اور نہ رغبت دلاتا تھا پر کھلانے

الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا
محتاج کے (۳۴) پس نہیں لئے اسکے آج یہاں کوئی حمایتی (۳۵) اور نہ کھانا مگر

مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا ع ۲۷ ۵
دھوون زخموں کا (۳۶) نہ کھائے اسے کوئی مگر خطا کار (۳۷) پس میں قسم کھاتا ہوں انکی جو

تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾
تم دیکھتے ہو (۳۸) اور نہ اسکی جو نہیں دیکھتے تم (۳۹) بیشک یہ قول ہے پیغمبر معزز کا (۴۰)

وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَا بِقَوْلِ
اور نہیں یہ قول شاعر کا بہت کم ہے جو یقین کرتے ہو تم (۴۱) اور نہ یہ قول ہے

كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَوْ
کاہن کا بہت کم ہیں جو نصیحت کرتے ہو تم (۴۲) یہ اتارا گیا ہے سے رب جہان والے کے (۴۳) اور اگر یہ

تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ
جھوٹ بنا لاتا پر ہم کچھ باتیں (۴۴) البتہ پکڑ لیتے ہم اسکا دایاں ہاتھ (۴۵) پھر

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾

البتہ کاٹ ڈالتے ہم اسکی گردن (۴۶) پس نہیں میں سے تم کوئی ایک سے اس روکنے والا (۴۷)

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور بیشک یہ البتہ نصیحت ہے لئے پرہیزگاروں کے (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک وہ عظمتوں والے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا۔(۳۳) اور نہ تاکید کرتا تھا محتاجوں کو کھانا کھلانے کی۔(۳۴) سو! آج اس کا یہاں کوئی جگری دوست نہیں۔(۳۵) اور نہ اسے کھانا ملے گا مگر زخموں کا دھوون۔(۳۶) کہ جسے کوئی نہ کھائے مگر گناہگار کافر۔(۳۷) سو! میں قسم کھاتا ہوں اسکی جو تم دیکھتے ہو۔(۳۸) اور اسکی جو تم نہیں دیکھتے۔(۳۹) یہ ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے۔(۴۰) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم یقین کرتے ہو۔(۴۱) اور نہ یہ کلام کاہن کا ہے، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔(۴۲) یہ اتارا ہوا ہے جہان والے رب کا۔(۴۳) اور اگر یہ (پیغمبر) ہم پر کوئی جھوٹی بات بنالاتا۔(۴۴) تو ہم اسکا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔(۴۵) پھر اسکی گردن کاٹ ڈالتے۔(۴۶) پھر تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اسے بچالیتا۔(۴۷) اور یہ نصیحت ہے ڈرنے والوں کیلئے۔(۴۸)

لفظی تحقیق: يَحُضُّ: آمادہ کرتا ہے۔ مضارع کا صیغہ ہے(ح ض ض) سے "حَضٌّ" اکسانا، ابھارنا، ترغیب دینا۔ غِسْلِيْنٍ: جو زخم سے بہے، یعنی: دھوون۔ غَسل سے بنا ہے جسکے معنیٰ دھونے کے ہیں، یہاں وہ پیپ اور لہو مراد ہے جو دوزخیوں کے بدن سے بہے گا۔ وَتِيْنَ: شہ رگ۔، یعنی: وہ رگ جسکے کاٹنے سے موت آجاتی ہے۔ لَاَخَذْنَا الْاٰيَةَ: اگلے وقتوں میں رواج تھا کہ جس کو قتل کرنا ہوتا تو جلاد اسکا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑ کر تلوار سے اسکی گردن اڑا دیتا تھا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: آج یہ دوزخی اپنی بدقسمتی پر روتا ہے، دنیا میں اسے کچھ ہوش نہ آیا جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر

نے اسے اچھی طرح سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کو مانو اور محتاج کی مدد کرو، لیکن اس نے نہ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کو مانا اور نہ محتاج کو کھانا کھلایا کہ اسکی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی کھلاتے، جب دنیا میں نہ اس نے اللہ تعالیٰ کو مانا اور نہ کسی کو پوچھا تو آج اسے بھی یہاں نہ کوئی پوچھنے والا ہوگا اور نہ اسکا کوئی یار و مددگار ہوگا، دنیا میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کو مانتا تو آج وہ اس پر رحم کرتا اور اگر اس نے کسی محتاج کو کھلایا پلایا ہوتا تو آج اسے نعمتیں کھانے کو ملتیں، اب اسکے کھانے کو کچھ نہیں مگر یہی جو دوزخیوں کے زخموں سے بہہ بہہ کر نکل رہا ہے جسے کوئی نہیں کھاتا مگر وہی جس نے دنیا میں ہمیشہ وہ کام کئے ہوں گے جن سے اسے منع کیا گیا تھا، سنو جو کچھ تمہیں دکھائی دیتا ہے اور جو کچھ دکھائی نہیں دیتا میں اُن سب کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ قرآن مجید ایک عزت والا فرشتہ تمہیں سنا رہا ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔

ارشاد ہے کہ: تم میں ایمان کی کمی ہے اس لئے اس قرآن مجید کو شاعر کا کلام کہتے ہو اور تم سوچتے بھی کم ہو اسی لئے اسے کاہن کا قول کہتے ہو وہ ایسا پُر عمدہ کلام بنا ہی نہیں سکتا، تمہیں اتنا نہیں سوجھتا کہ اگر کوئی ہمارا نام لگا کر اپنا یا کسی اور کا گھڑا ہوا کلام سناتا اور کہتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو ہم اسکا دایاں ہاتھ پکڑ کر اسکی شہ رگ کاٹ دیتے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نہیں کر سکتے اور بالفرض کرتے تو تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو ہمارے ہاتھ سے انہیں بچا لیتا اور سزا سے روک دیتا، بات یہ ہے کہ تمہاری سمجھ ٹیڑھی ہوگئی ہے، سیدھی بات تم کو سمجھ ہی نہیں سکتے، ورنہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ قرآن مجید احتیاط سے چلنے والے پرہیزگاروں کو اچھی باتیں بتاتا ہے۔

جب انسان جسمانی طور پر کمزور ہو جاتا ہے یا غم میں مبتلا ہوتا ہے تو اسکا غم دور کرنے کی دو ہی چیزیں ہوتی ہیں، ایک مخلص دوست جو دکھ درد میں اسکی غم خواری کرے، اس سے باتیں کرے اور دوسرا کھانا جو اسکی جسمانی قوت کو بحال رکھے، تو اس بارے میں فرمایا کہ دوزخیوں کا نہ کوئی دوست ہوگا جو ان سے ہمدردی کرے، انکے دکھ درد میں شریک ہو، پیار و محبت کی بات کرے اور نہ انہیں کھانا میسر ہوگا جو جسمانی کمزوری کا مقابلہ کر سکے۔

کچھ لوگ نہ مانیں گے

وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى
اور تحقیق ہم البتہ جانتے ہیں کہ میں سے تم بعض جھٹلانے والے ہیں (۴۹) اور بیشک وہ البتہ پچھتاوا ہے پر
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾
کافروں (۵۰) اور بیشک وہ البتہ حقیقت ہے یقینی (۵۱) پس پاکی بیان کریں نام رب اپنے کی بڑے (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ بعض تم میں سے جھٹلاتے ہیں۔(۵۹) اور یہ پچھتاوا ہے کافروں کیلئے۔(۵۰) اور وہ (قرآن مجید) یقینی حقیقت ہے۔(۵۱) پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا ہے۔(۵۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس قرآن مجید میں ساری باتیں ایسی ہیں جو انسان کیلئے ہر وقت فائدہ مند ہیں، ایمان والے اور سمجھ والے اسے پڑھ کر اسمیں ذرا شک نہیں کر سکتے بیشک یہ اس رب کا کلام ہے جو سارے جہان کی ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے، اس لئے وہ انسان کو اسکی فائدے کی باتیں بتائے بغیر کیسے چھوڑ دیتا، چنانچہ یہ قرآن مجید انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کیلئے اتارا گیا ہے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بہت سے انسان اسکی قدر نہ کریں گے اور اسکو (معاذ اللہ) من گھڑت باتوں کا مجموعہ بتا کر انکار کر دیں گے، لیکن وہ جاتے کہاں ہے عنقریب دنیا کا رنگ بدلنے والا ہے اور یہ جو اس وقت انکار کر رہے ہیں آخر کار پچھتائیں گے کہ افسوس ہم نے پہلے ہی قرآن مجید کو کیوں نہ مان لیا کہ آج بُرا دن نہ دیکھتے، پھر اسکے بعد آخرت کی زندگی آنے والی ہے، وہاں تو یہ قرآن مجید کو نہ ماننے والے اپنے کفر پر اتنا پچھتائیں گے کہ یاد ہی کریں گے، بہر حال سمجھداروں کیلئے یہ قرآن مجید بالکل یقینی حقیقت ہے اور ایسی حقیقت سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں بتا سکتا، اس لئے اے پیغمبر! آپ

اپنے رب کی حمد وثناء بیان کریں جو بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور اسی کا نام سب سے زیادہ مقدس ہے، اسکی عظمت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

سورۃ المعارج کا خلاصہ

یہ سورت پیغمبری کے ابتدائی زمانہ میں اتری، اسکی چوالیس (44) آیتیں اور دو رکوع ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ کے کافروں کو قرآن مجید کی وہ آیتیں پڑھ کر سنائیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو عذاب کا ڈراوا سنایا گیا تھا تو کافر ہنسی اڑانے لگے، ان میں سے ایک کافر نضر بن حارث یا ابوجہل کسی نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اے اللہ! اگر یہ سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے، اس سورت میں ان کافروں کو جواب دیا گیا ہے کہ یہ عذاب مانگنے والا نہیں سمجھتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیسی مصیبت طلب کر رہا ہے، عذاب تو ان پر جو ہمارے پیغمبر کے کہنے کو سچا نہیں سمجھتے آ کر ہی رہے گا اور جب آیگا تو اسے کوئی ٹال نہ سکے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اسکی بات کو ٹالنے والا کون ہوسکتا ہے، اچھا اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو تم صبر کرو، انکی نگاہ اتنی دور تک نہیں جاتی کہ قیامت کو دیکھ لیں، لیکن وہ ہمارے نزدیک بالکل قریب ہے، جب قیامت آئیگی تو آسمان پھٹ جائیں گے، پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح اڑنے لگیں گے، لوگ اپنے قریب کے رشتہ داروں تک کو نہ پوچھیں گے، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی، ہر ایک چاہے گا کہ میری اولاد، بیوی، بھائی، کنبہ، قبیلہ بلکہ ساری دنیا سب مجھ سے لے لیں مگر کسی طرح میری جان چھوڑ دیں، لیکن یہ نہ ہوگا، وہاں تو برے لوگوں کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائیگا جو ان کی ہڈی پسلی توڑ کر جلا دے گی، وہ ان لوگوں کو پکار پکار کر بلائے گی جو پیغمبر اور قرآن مجید کی بات نہ سنتے اور نہ مانتے تھے اور اگر کوئی سمجھاتا تو پیٹھ موڑ کر چل دیتے تھے اور دنیا کے ساز وسامان جمع کرنے میں لگے رہتے تھے، روپیہ پیسہ احتیاط سے گن گن کر رکھتے تھے مگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہ مانتے تھے، دنیا ہی میں پھنسے ہوئے تھے، ذرا سی تکلیف ہوئی تو چلا اٹھے اور جب مال ہاتھ لگا تو اسے سب سے چھپا کر الگ رکھ دیتے۔

یاد رکھو! آخرت میں نجات انہی کو نصیب ہوگی جو ہمیشہ نماز پابندی کیساتھ ادا کرتے رہیں گے، مسکین،

محتاج اور بے بس کی مالی مدد کرتے رہے ہوں گے، قیامت پر ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہیں گے اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے رہے ہوں گے، سوا اپنی بیویوں اور باندیوں کے کسی کی طرف ارادۃً نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا ہوگا، امانت دار رہے ہوں گے، عہد و پیمان کا خیال رکھا ہوگا، ایسے لوگ جنت میں عزت کیساتھ داخل ہوں گے، جنت ہر شخص کو ملنے والی نہیں صرف انہی کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ کو مان کر اسکے حکموں کو پورا کریں گے، ان لوگوں کا بُرا حال ہوگا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمان رہے ہوں گے۔

آیاتھا — ۴۴ | سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا — ۲

سورۃ المعارج مکی ہے اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

قیامت میں شک مت کرو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ
مانگا ایک مانگنے والے نے اس عذاب کو جو آپڑنے والا ہے (۱) پر منکروں نہیں کوئی اس کا ہٹانے والا (۲) سے

اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ
اللہ کے والا درجوں (۳) چڑھیں گے فرشتے اور روحیں طرف اسکی میں دن

كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾
کہ لمبائی اسکی پچاس ہزار سال (۴) پس صبر کریں صبر کرنا اچھا (۵)

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ
بیشک وہ دیکھتے ہیں اسے دور (۶) اور ہم دیکھتے ہیں اسے قریب (۷) جس دن ہو جائیں گے

السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝٨

آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ مانگا ایک مانگنے والے نے آچڑھنے والے عذاب کو جو کافروں پر آپڑنے والا ہے۔(۱) کوئی اسے ہٹانے والا نہیں۔(۲) کوئی نہیں اسے ہٹانے والا آسمانوں والے اللہ سے۔(۳) چڑھیں گے فرشتے اور روح اسکی طرف اس دن جسکی لمبائی پچاس ہزار سال ہے۔(۴) سو! صبر کریں بھلی طرح کا صبر کرنا۔(۵) وہ اسے دور دیکھتے ہیں۔(۶) اور ہم اسے نزدیک دیکھتے ہیں۔(۷) جس دن آسمان ایسا ہوگا جیسے پگھلا ہوا تانبا۔(۸)

لفظی تحقیق: ذِی الْمَعَارِجِ: زینوں والا۔ معارج معراج کی جمع ہے جو (ع ر ج) سے اسم آلہ ہے، عروج پر چڑھنا، معراج چڑھنے کا ذریعہ، سیڑھی، زینہ اور "ذِی الْمَعَارِجِ" وہ جس تک درجہ بدرجہ چڑھ کر پہنچا جاتا ہو، معارج آسمان کو بھی کہا جاتا ہے۔ اَلْمُهْلِ: تیل کی تلچھٹ، پگھلی ہوئی دھات، روغن قیر ایک قسم کا سیاہ تیل۔

تفسیر

کافروں سے جب کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو تو یہ ہنسی اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ عذاب آتا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟، ان سے کہا جارہا ہے کہ ایک مانگنے والا اللہ تعالیٰ کا عذاب ابھی مانگتا ہے، اس کو یہ خبر نہیں کہ یہ عذاب کیا چیز ہے، یہ وہ چیز ہے کہ جب آئیگا تو ہٹائے نہ ہٹے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اس دن ہوگا جسکی لمبائی دنیا کے حساب سے پچاس ہزار سال ہوگی، حدیث میں ہے کہ مؤمن کو وہ دن اتنا ہلکا معلوم ہوگا جیسے ایک فرض نماز پڑھنے کا وقت، اس دن فرشتے اور تمام مخلوق کی روحیں سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں گی اور ہر انسان سے اسکے عملوں کا حساب لیا جائیگا، اگر یہ اس دن کو نہیں مانتے اور ہنس ہنس ابھی عذاب مانگتے ہیں تو آپ صبر سے کام لو اور جلدی نہ کرو، دیکھو کیا ہوتا ہے، یہ قیامت کو کہتے ہیں کہ عقل اسے تسلیم نہیں کرتی، بھلا قیامت کہاں رکھی ہے، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ جلدی آنے والی ہے، جب قیامت آئیگی تو یہ ساری کایہ پلٹ جائیگی، آسمان

پگھل کر ایسے بہنے لگیں گے جیسے پگھلی ہوئی دھات یا تارکول۔

قیامت میں کیا ہوگا؟

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾
اور ہوں گے پہاڑ جیسے رنگ برنگی اُون (۹) اور نہ پوچھے گا کوئی دوست کسی دوست کو (۱۰)

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ
دکھا دیے جائیں انہیں وہ چاہیگا مجرم کاش بدلے میں دیتا سے عذاب اس دن کے

بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ﴿١٢﴾ وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿١٣﴾ وَ مَنْ
بیٹوں اپنے کو (۱۱) اور بیوی اپنی کو اور بھائی اپنے کو (۱۲) اور قبیلے کو جواسکو پناہ دیتا تھا (۱۳) اور جو

فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً
میں ہے زمین سب کو تا کہ بچالے اپنے آپ کو (۱۴) ہرگز نہیں بیشک وہ بھڑکتی آگ ہے (۱۵) کھینچ لینے والی

لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾
کلیجا (۱۶) بلائیگی اسے جو پیٹھ پھیرتا تھا اور منہ موڑتا تھا (۱۷) اور جوڑتا تھا اور سنبھال رکھتا تھا (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور پہاڑ دھنی ہوئی اُون کی طرح ہوجائیں گے۔(۹) اور نہ پوچھے گا کوئی دوست کسی دوست کو۔(۱۰) سب سب ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے، مجرم چاہے گا کسی طرح اپنی جان چھڑانے کیلئے اس دن کے عذاب سے اپنے بیٹوں کو دیدے۔(۱۱) اور اپنی بیوی کو اور بھائی کو۔(۱۲) اور اپنے قبیلے کو جو اس کو پناہ دیا کرتا تھا۔(۱۳) اور جتنے زمین پر ہیں سب کو تا کہ اپنے آپ کو بچالے۔(۱۴) ہرگز نہیں وہ تو بھڑکتی آگ ہے۔(۱۵) کلیجہ کھینچ لینے والی۔(۱۶) پکارتی ہے اسے جس نے پیٹھ پھیری اور پھر کر چلا گیا۔(۱۷) اور جوڑا اور حفاظت سے رکھا۔(۱۸)

لفظی تحقیق: اَلْعِهْنِ: اُون۔ خاص کر رنگی ہوئی اُون۔ حَمِيْمٌ: قریبی دوست، رشتہ دار۔ اسم ہے

(ح م م) سے، اسکے معنٰی بہت سے ہیں، ان میں سے ایک نزدیک اور قریب کے ہیں، یہاں یہی مراد ہے۔ تُئْوِیْ: ٹھہراتا ہے۔ مضارع ہے "اِیْوَاءٌ" جسکا مادہ (اوی) ہے "آوٰی" ٹھہرا، یعنی: کنبہ جو اسے اپنے اندر جگہ دیتا تھا۔ لَظٰی: جہنم کا نام ہے۔ شَوٰی: اعضاء۔ "شَوَاۃٌ" کی جمع ہے، کھال کا ٹکڑا یا کوئی سا عضو۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت آئیگی تو پہاڑ رنگ برنگ اون کی طرح اڑتے پھریں گے، دوست دوست کو نہ پوچھے گا، دیکھیں گے مگر کسی کو کسی سے کام نہ ہوگا، اپنی اپنی پڑی ہوگی، یہ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں آخرت میں ان میں سے ہر شخص کہے گا کاش! کسی طرح میری اولاد، بیوی، بھائی اور سارے گھر والے بلکہ دنیا میں جو کوئی ہے سب کو اپنے بدلے میں دیدیتا اور اپنے آپ کو عذاب سے بچا لیتا، مگر ایسا ہرگز نہیں ہوگا، ہر ایک آدمی کو اپنے کئے کا نتیجہ خود بھگتنا ہوگا، وہاں اسے دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائیگا وہ اسکی کھال کھینچ کر اعضاء کو الگ الگ کر کے رکھ دے گی، وہ ان لوگوں کو پکار کر اپنی طرف بلائیگی جو نصیحت نہ سنتے تھے، اچھے کاموں سے بھاگتے تھے اور دولت سمیٹنے اور جمع کرنے میں لگے رہتے تھے۔

انسان کی کمزوریاں اور ان کا علاج (الف)

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾ وَّ اِذَا
بیشک انسان پیدا کیا گیا ہے بزدل (۱۹) جب پہنچے اسے برائی گھبرا جانیوالا (۲۰) اور جب

مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿٢١﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ
پہنچے اسے بھلائی ہاتھ روک لینے والا (۲۱) مگر نماز پڑھنے والے (۲۲) وہ جو اپنی پر نماز

دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ
جمے رہتے ہیں (۲۳) اور وہ لوگ میں مالوں اپنے حق مقرر ہے (۲۴) مانگنے والے کا اور

الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَ الَّذِيْنَ
نہ مانگنے والے کا (۲۵) اور وہ جو سچا مانتے ہیں دن جزاء کو (۲۶) اور وہ جو ہیں

هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾
وہی سے عذاب رب اپنے کے ڈرنے والے ہیں (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک انسان کو کم ہمت پیدا کیا گیا ہے۔(۱۹) جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بے صبرا ہو جاتا ہے۔(۲۰) اور جب اسے بھلائی پہنچے تو (صدقہ خیرات) سے منع کرنے لگتا ہے۔(۲۱) مگر وہ نمازی جو۔(۲۲) اپنی نماز پر قائم ہیں۔(۲۳) اور جن کے مالوں میں حصہ مقرر ہے۔(۲۴) مانگنے والوں کا اور نہ مانگنے والوں کا۔(۲۵) اور وہ لوگ جو قیامت کے دن کو سچا مانتے ہیں۔(۲۶) اور جو لوگ کہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔(۲۷)

لفظی تحقیق: هَلُوْعٌ: کم ہمت۔صفت کا صیغہ ہے (ھ ل ع) سے "هَلَعٌ" کے معنٰی بزدل کرنا "هَلُوْعٌ" بزدل، بے حوصلہ، ڈرپوک۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان پیدائشی طور پر کم ہمت ہے، ذرا سی بات پر گھبرا جانے والا اور جب کچھ مال ہاتھ آجائے تو دینے سے ہاتھ روک لینے والا ہے، بے صبری، گھبراہٹ، کنجوسی اسکی گھٹی میں پڑی ہے، اب اگر اسکی ٹھیک تربیت کا انتظام نہ ہو اور بڑا ہو کر بھی وہ انہی باتوں میں پھنسا رہے تو اس کا دنیا میں گزارا مشکل سے ہوگا اور برے حال میں زندگی گزرے گی اور اور مر کر تو اسے سوا بے چینی اور بے آرامی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، اب اگر انسان اپنی بھلائی چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسی سوسائٹی بنائے جس میں ہر کام اللہ تعالیٰ کیلئے کیا جاتا ہو، ہر شخص دوسروں کیساتھ ملکر پابندی کیساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے مقرر وقت پر حاضر ہو اور نماز نہ چھوڑے اور اپنے مال میں سے کچھ حصہ فقیروں محتاجوں کیلئے نکالے اور ہر کام میں اسکا خیال رکھے کہ مرنے کے بعد قیامت میں اسکا بدلہ ملے گا،

اگر اچھا کام ہوا تو بدلہ اچھا ملے گا اور برا کام ہوا تو بدلہ برا ملے گا، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہو اور برے کاموں سے بچتے رہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: انسان میں دو عادتیں بہت بری ہیں، ایک انتہائی درجے کی بزدلی اور دوسرے انتہائی درجے کی کنجوسی، کنجوسی یہ ہے کہ مال موجود ہونے کے باوجود جائز مقام پر خرچ نہ کرے۔

انسان کی کمزوریاں اوران کا علاج (ب)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

بیشک　عذاب　رب انکے کا　بےخوف ہونے کی چیز نہیں (۲۸)　اور　وہ لوگ　جو　شرمگاہوں اپنی کی

حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

حفاظت کرتے ہیں (۲۹)　مگر　پر　بیویوں اپنی　یا　جن کے　مالک ہوئے　دائیں ہاتھ انکے (باندیاں)　پس تحقیق وہ

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾

نہیں　قابل مذمت (۳۰)　پس جو　ڈھونڈے　سوا　اسکے　پس وہ لوگ　وہی ہیں　حد سے باہر جانیوالے (۳۱)

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ

اور　وہ لوگ　جو　امانتوں اپنی کو　اور　عہد و پیمان اپنے کی نگہبانی کرنیوالے ہیں (۳۲)　اور　وہ لوگ　جو

بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

گواہیوں اپنی کو　سیدھی طرح ادا کرتے ہیں (۳۳)　اور　وہ لوگ　جو　پر　نماز اپنی کی

يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۳۵

حفاظت کرتے ہیں (۳۴)　یہی لوگ　میں ہونگے　باغوں　عزت کیساتھ (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک انکے رب کا عذاب بےفکر ہونے کی چیز نہیں ہے۔ (۲۸) اور وہ لوگ اپنی

شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(۲۹) سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک ہیں انکے داہنے ہاتھ (لونڈیاں) توان پر کوئی ملامت نہیں۔(۳۰) پس! جو شخص ان کے علاوہ کوئی راستہ تلاش کرے تو یہ لوگ حد سے آگے بڑھنے والے ہیں۔(۳۱) اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(۳۲) اور وہ لوگ جو اپنی شہادتوں پر قائم رہنے والے ہیں۔(۳۳) اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(۳۴) ان لوگوں کا جنت میں عزت واکرام کیا جائیگا۔(۳۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالٰی کا عذاب چیز ہی ایسی ہے کہ جس سے بے خوف ہوکر بیٹھا نہیں جاسکتا، اس لئے انسان کا اس سے ہر وقت ڈرتے رہنے ہی میں بھلا ہے، غافل ہوا اور مارا گیا، آگے ارشاد ہے کہ: جو مصیبت سے بچنا چاہے اسے چاہئے کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتا رہے، اسے اسکی تو اجازت ہے کہ اپنی خواہش اپنی بیوی یا باندی کیساتھ پوری کرلے، اسکے سوا اگر کوئی اور ذریعہ خواہش پوری کرنے کا اختیار کرے گا تو وہ حد سے آگے بڑھنے والا ہوگا اور اسے بھی یہ چاہئے کہ جو چیزیں اسکے پاس امانت کے طور پر ہیں ان کا خیال رکھے اور جو عہد و پیمان اس نے کیا ہے اسے نبھاہے اور گواہی دینی پڑے تو سچی گواہی دے اور کسی کا حق نہ مارے، نیز چاہئے کہ اپنی نماز کا پورا دھیان رکھے، یعنی: وقت پر ادا کرے، ایسے ہی لوگوں کا بھلا ہوگا اور یہی لوگ آخرکار جنت میں عزت واحترام کیساتھ رہیں گے۔

اِن کافروں کو کیا ہو گیا ہے؟

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ

پس ہوا کیا | انکو جو | کافر ہوئے | کہ طرف آپکی دوڑتے آتے ہیں (۳۶) | سے | دائیں | اور | سے

الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ
بائیں ٹولیاں بنا کر (٣٧) کیا آرزو رکھتا ہے ہر شخص میں سے ان کہ داخل کیا جائیگا میں باغ

نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ
نعمت بھرے (٣٨) ہرگز نہیں ہم نے بنایا انہیں اس سے جنہیں ہم جانتے ہیں (٣٩) میں قسم کھاتا ہوں رب

الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا
مشرقوں اور مغربوں کے کی کہ بیشک ہم البتہ قادر ہیں (٤٠) پر اس کہ بدل کر لے آئیں بہتر

مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٤١﴾
سے ان اور نہیں ہم پیچھے ہٹا دیے جانیوالے (٤١)

بامحاورہ ترجمہ: پھر کافروں کو کیا ہوا ہے کہ دوڑتے آتے ہیں آپ کی طرف۔ (٣٦) دائیں سے اور بائیں سے ٹولیاں بنا کر۔ (٣٧) کیا ان میں سے ہر شخص طمع رکھتا ہے کہ نعمت کے باغ میں داخل کیا جائے۔ (٣٨) ہرگز نہیں، ہم نے انہیں بنایا ہے جس سے کہ وہ بھی جانتے ہیں۔ (٣٩) پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی بیشک ہم کر سکتے ہیں۔ (٤٠) کہ بدل کر لے آئیں ان سے بہتر اور ہم اس سے عاجز نہیں۔ (٤١)

لفظی تحقیق: مُهْطِعِيْنَ: لپکے آتے ہیں۔ "مُهْطِعٌ" کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے "اِهْطَاعٌ" سے جس کا مادہ (ھ ط ع) "هَطَعَ" اور "اَهْطَعَ" دونوں کے معنٰی دوڑ کر آنے اور لپکنے کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان کی نجات کی صورت تو ہم بتا چکے ہیں، اب ان کافروں کا یہ حال کیوں ہے کہ آپ کی طرف ہر طرف سے جتھے کے جتھے دوڑے چلے آتے ہیں تاکہ آپ کی مخالفت کریں اور ہنسی اڑائیں، کیا انہیں یہ امید ہے کہ بغیر ایمان اور نیک عمل کے انہیں جنت میں آرام و راحت والے باغ مل جائیں گے؟، ایسا کبھی نہیں

ہو سکتا، ہم نے تو انسان کو جیسا اور جس سے بنایا ہے یہ بھی جانتے ہیں، پھر بے قاعدہ کام کیوں کرنے لگے۔ اسکی بناوٹ میں کم ہمتی اور بزدلی داخل ہے، اس میں اصل ہمت انہی باتوں سے پیدا ہوگی جن کا اوپر بیان ہوا اسکے سوا کوئی چارہ نہیں، میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم ایسا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں کہ ان کو یہاں سے چلتا کر دیں اور انکے بدلے ان سے بہتر لوگ لا بسائیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ یہ ہمارے قابو سے نکل جائیں اور ہم عاجز ہو کر رہ جائیں۔

كَلَّآ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ: فرمایا کہ: ہم نے ان کو اُس چیز سے پیدا کیا جسے یہ جانتے ہیں، دراصل یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کی توجہ انکی پیدائش کی طرف دلائی ہے کہ یہ سمجھتے بھی ہیں کہ ہم نے انہیں منی کے حقیر سے قطرے سے پیدا کیا ہے، جیسا کہ فرمایا! کیا ہم نے تم کو منی کے ایک قطرے سے پیدا نہیں کیا، اپنی اس حیثیت کے باوجود تم یہ توقع رکھتے ہو کہ نعمتوں کے باغوں میں جاؤ گے، فرمایا! نعمت کے باغوں میں وہ داخل ہو سکتا ہے جو ایمان لے آئے، نیک عمل کرے، اپنی عادتیں اور خصلتیں پاک کرے، ورنہ اسکی اصلیت تو ناپاکی ہی ہے۔

یہ جانیں اور ان کا کام

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ

پس چھوڑیں انکو | کہ باتیں بنائیں | اور | کھیلتے رہیں | یہاں تک کہ | جاملیں | اس دن اپنے | جس کا

يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى

وعدہ کیا گیا (۴۲) جس دن | نکل پڑیں گے | سے | قبروں | جلدی جلدی | گویا کہ وہ | طرف

نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ

مقرر نشان کے | دوڑ رہے ہیں (۴۳) | جھکی ہوئی | آنکھیں انکی | ڈھانکے ہوئے انکو | ذلت | یہ ہے

ع ۲ ۹ ۸

اَلْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

وہ دن | جسکا | تھے تم | وعدہ کئے گئے (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس! ان کو چھوڑ دیں یہ بیکار باتوں میں گھستے رہیں اور کھیل تماشے میں لگے رہیں، یہاں تک کہ اس دن سے جاملیں جسکا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔(۴۲) جس دن قبروں سے نکلیں گے تو دوڑتے ہوئے جائیں گے گویا کہ وہ اپنے نشانوں (ہدف) کی طرف دوڑتے چلے جارہے ہیں۔(۴۳) انکی نگاہیں پست ہوں گی، ان پر ذلت چھائی ہوگی، یہی ہے وہ دن جسکا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔(۴۴)

لفظی تحقیق: **نُصُبٌ**: کھڑی کی ہوئی چیز، نشانی۔(ن ص ب) سے "نُصُبٌ" کے معنٰی جاکر کھڑا کردینا۔

يُوْفِضُوْنَ: دوڑتے ہیں۔ مضارع کا صیغہ ہے "اِنْفَاضٌ" سے جو (وف ض) سے بنا ہے "وَفْضٌ" اور "اَرْفَضَ" دونوں کے معنٰی ہیں تیزی سے دوڑنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب ہم انہیں سب کچھ بتا چکے اور انہوں نے نہ مانا تو اب ان سے کچھ نہ کہو، انہیں اپنی ہنسی، دل لگی، کھیل کود میں مصروف رہنے دو عنقریب وہ دن آنے والا ہے جسکا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، جب وہ دن آجائیگا سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور جلدی جلدی بھاگیں گے، گویا ایک نشان (ہدف) مقرر کردیا گیا ہے اور سب اسکی طرف دیکھ رہے ہیں، ڈر کے مارے آنکھیں جھکی ہوں گی، ذلت نے ہر طرف سے ڈھانک رکھا ہوگا، ان سے کہا جائیگا لو یہ ہے وہ دن جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

سورۃ المعارج تمام ہوئی اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کو کھیل نہ سمجھو وہ ایک دن آکر رہے گی، انسان اگر پیدائشی کمزوریوں پر قابو پانا اور کامیاب زندگی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اپنے مال سے محتاجوں کا حصہ نکالے، آخرت کا یقین کرے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا رہے، جنسی خواہش صرف اپنی منکوحہ بیوی اور باندی سے پوری کرے اور باقی سب طریقے منع ہیں، اپنی ذمہ داری اور عہد و پیمان پورے کرے،

گواہی ٹھیک دے، وقت پر نماز پڑھے تاکہ جنت نصیب ہو۔

سورۃ نوح کا خلاصہ

یہ سورۃ مکہ میں اتری اسکی اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں، اس سورت میں شروع سے لے کر آخر تک نوح علیہ السلام کا ذکر ہے، انکی قوم بہت سی بدعملیوں میں پڑی ہوئی تھی، جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول بیٹھے تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے، انکے پانچ بت مشہور تھے، جنکے نام اس سورت میں بتائے گئے ہیں، اصل میں بتوں کی پوجا انہی سے شروع ہوئی، کہتے ہیں کہ اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ یہ اپنے بعض لوگوں کو سب سے بڑا مانتے تھے اور انکی حد سے زیادہ عزت کرتے تھے، جب یہ مر گئے تو انہوں نے انکی یادگاریں قائم کر کے انکی پوجا شروع کر دی، آہستہ آہستہ شیطان نے انہیں سمجھایا کہ جو تمہارا کوئی بڑا مر جائے تو اس کا بت بنالو اور اسکی ویسی ہی عزت کرو جیسی تم خود انکی زندگی میں عزت کرتے تھے، رفتہ رفتہ یہی بت انکے معبود بن گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھلا بیٹھے۔

انہی لوگوں سے ذات پات کی بنیاد پڑی اور یہ بتوں کی پوجا پاٹ کا لازمی نتیجہ تھا، انسانوں کے اونچے نیچے درجے مقرر ہوئے اور مرتبہ کی اونچ نیچ کی وباء پھیل گئی، بتوں کی پوجا اور ذات پات کی تفریق ان لوگوں سے شروع ہو کر دنیا میں دور دور تک پھیلی، مصر، عراق، ہندستان وغیرہ، سب جگہ اسکا رواج ہو گیا اور آج بھی یہ دونوں چیزیں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں اور باجود اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اسکی کتابوں کے آنے کے دنیا ان دو چیزوں سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہوئی۔

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ہر طریقہ سے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ہر آدمی کی عزت اسکے مرتبے کے مطابق برقرار رکھو مگر حد سے آگے مت بڑھو، جب انکی قوم نے انکی بات نہ سنی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں نے ہر طرح سے انہیں سمجھایا لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور اپنے ہی بتوں پر اڑے رہے۔

آخر میں حضرت نوح علیہ السلام نے انکے حق میں بددعا کی اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ یہ لوگ دنیا میں اسی طرح

رہتے رہے تو دنیا میں سوا شر و فساد کے اور کچھ نہ دکھائی دے گا، آخر اللہ تعالیٰ نے پانی کا طوفان بھیج کر سب کو غرق کر دیا، باقی وہی لوگ اور جانور بچے جن کو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھ کشتی میں بٹھایا، یہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے اور تھوڑے سے انکے ماننے والے اور لوگ تھے اور طوفان کے بعد آدمی اور جانوروں کی نسل انہی سے آگے چلی جو کشتی میں سوار ہونے کی وجہ سے بچ گئے تھے۔

ایاتھا — ۲۸ | سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ | رکوعاتھا — ۲

سورۃ نوح مکی ہے اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ
تحقیق ہم بھیجا ہم نے نوح کو طرف اپنی قوم کے کہ ڈرا دے قوم اپنی کو اس سے پہلے کہ

يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ②
پہنچے ان تک عذاب دردناک (۱) کہا (نوح نے) اے قوم میری تحقیق میں لئے تمہارے ڈرانے والا ہوں کھلم کھلا (۲)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ
کہ عبادت کرو اللہ کی اور ڈرو اس سے اور اطاعت کرو میری (۳) بخش دیگا لئے تمہارے کچھ

ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ
گناہ تمہارے اور مہلت دیگا تمہیں تک مدت مقرر بیشک مقرر کیا ہوا وقت اللہ کا جب آجائیگا

لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

نہ ٹلایا جائیگا اگر ہو تم سمجھتے (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈر سنا دے اس سے پہلے کہ پہنچے ان پر دردناک عذاب۔(۱) (نوح نے کہا) اے میری قوم! میں تم کو ڈر سنانے والا ہوں کھول کر۔(۲) کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔(۳) تا کہ وہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تمہیں ایک مقرر وقت تک، جب آپہنچے گا وہ وقت جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تو وہ پیچھے نہ ہٹایا جائے گا، کاش! تم سمجھتے۔(۴)

تفسیر

حضرت آدم علیہ السلام جو سب سے پہلے انسان ہیں وہ خود پیغمبر بھی تھے اور انکی اولاد نے انکی ہدایت کے مطابق دنیا میں رہنا سہنا اختیار کیا، آبادی بڑھی تو ان کے بیٹوں میں سے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا اور یہ دنیا میں پہلا انسانی قتل تھا جو قابیل کے ہاتھوں ہوا، اسکے بعد آبادی بڑھتی رہی اور گناہ بھی ساتھ ساتھ بڑھتے رہے، لوگوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آتے رہے، ایک زمانہ ایسا بھی آیا جس میں لوگ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھلا بیٹھے اور اپنے مالدار بزرگوں کو ہی سب کچھ سمجھنے لگے، جب وہ بزرگ نہ رہے تو ان کے ہم شکل بت بنائے تا کہ ان کی یاد تازہ رہے، کچھ دن بعد بزرگوں کو بھول بھال گئے اور بتوں ہی کو اپنا رب اور معبود بنا بیٹھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ اپنی قوم کو سمجھاؤ اور کہو کہ اس سے پہلے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اترے سنبھل جاؤ، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں پیغمبری عطاء ہوئی اسکے بعد آپ نوسو پچاس (950) سال تک اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے رہے، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسکے عذاب سے ڈرو، میں جو کہوں وہ کرو، اس سے امید ہے کہ تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں، دنیا میں عذاب سے بچ جاؤ گے اور تمہیں اور تمہارے بعد انسانوں کو ان کے

مقرر موت کے وقت تک جینے دیا جائے گا، ورنہ اگر وعدوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا اور تم غفلت میں ہی پڑے رہے تو پھر ذرا مہلت نہ ملے گی اور نافرمانی کی حالت میں ہی مارے جاؤ گے، کاش تم اتنی بات کو سمجھ لو۔

عرضِ حال

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ
بولے اے میرے رب بیشک بلایا میں نے قوم اپنی کو رات اور دن (۵) پس نہ بڑھایا انہیں پکارنے میرے نے

اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ
مگر بھاگنا (۶) اور بیشک جب بھی بلایا میں نے انہیں تاکہ بخش دیں آپ ان کو رکھ لیں انگلیاں اپنی

فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا
میں کانوں اپنے اور لپیٹ لئے کپڑے اپنے اور جم گئے اور تکبر کیا

اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ
بڑا تکبر (۷) پھر میں نے بلایا انہیں پکار پکار کر (۸) پھر بیشک علانیہ کہا میں نے سے ان

وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾
اور چپکے سے کہا میں نے سے ان اچھی طرح چھپا کر (۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (نوح نے) کہا اے رب! میں نے دن رات اپنی قوم کو دین کی طرف بلایا۔ (۵) پھر وہ میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے۔ (۶) اور میں نے جب بھی انہیں بلایا تاکہ آپ انہیں بخش دیں، ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور۔ (۷) پھر میں نے انہیں اعلانیہ بلایا۔ (۸) پھر میں نے انہیں کھول کر کہا اور چپکے سے چھپ کر بھی کہا۔ (۹)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام ایک مدت تک اپنی قوم کو سمجھاتے رہے لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور ان کی ایک بات بھی نہ مانی، آخرت جب حضرت نوح علیہ السلام سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے اور سمجھانے کا کچھ اثر نہ دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں نے ان کو دن رات بلایا کہ آؤ میری بات سنو مگر یہ میرے بلانے سے اور بھی زیادہ مجھ سے دور بھاگے اور میری بات تک سننا گوارا نہیں کرتے اور اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالدیتے اور اپنے اِردگرد کپڑے لپیٹ کر ان میں گھس گئے تاکہ کسی طرح میری آواز انکے کانوں تک نہ پہنچے اور اپنے برے کاموں پر اور بھی زیادہ اَڑ گئے اور دل میں ٹھان لی کہ ہم تو یہی کریں گے جو کر رہے ہیں، اور اکڑ گئے کہ ہم سے بڑا کون ہے جو ہمیں سمجھائے؟۔

حضرت نوح علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ پھر بھی میں نے اپنا کام نہ چھوڑا اور انہیں بلا بلا کر سمجھایا، مجمع میں بھی ان کو پکار پکار کر کہا اور علیحدہ علیحدہ بھی صاف صاف الفاظ میں سمجھایا اور اشارے کنایوں سے بھی سمجھایا، غرض سمجھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

کیا کیا سمجھایا؟

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۟ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ

پس کہا میں نے بخشش طلب کرو رب اپنے سے بیشک وہ ہے خوب بخشنے والا (۱۰) بھیجے گا آسمان سے

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۟ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ

اوپر تمہارے پانی لگاتار برستا ہوا (۱۱) اور بڑھائیگا تمہیں ساتھ مالوں اور بیٹوں کے اور کردیگا لئے تمہارے

جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۟ؕ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۟ۚ

باغات اور کردیگا لئے تمہارے نہریں (۱۲) کیا ہوا تمہیں نہیں امید رکھتے لئے اللہ کے بڑائی کی (۱۳)

وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿١٤﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ
اور تحقیق پیدا کیا اس نے تمہیں طرح طرح (۱۴) کیا نہ دیکھا تم نے کیسے بنائے اللہ نے سات

سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ
آسمان درجہ بدرجہ (۱۵) اور کیا چاند کو میں ان روشن اور کیا سورج کو

سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ
جلتا چراغ (۱۶) اور اللہ نے اگایا تم کو سے زمین اگانا (۱۷) پھر لوٹائیگا وہ تمہیں

فِيْهَا وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
میں اس اور نکالے گا تمہیں نکالنا (۱۸) اور اللہ نے بنایا لئے تمہارے زمین کو

بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ
بچھونا (۱۹) تا کہ تم چلو پھرو اسکے راستوں کشادہ پر (۲۰) کہا نوح نے اے رب میرے تحقیق انہوں نے

ع ۲۰ / ۹

عَصَوْنِيْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾
نافرمانی کی میری اور پیروی کی اسکی کہ نہیں بڑھایا اسکو مال اسکے نے اور اولاد اسکی نے مگر نقصان میں (۲۱)

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾
اور داؤ کیا انہوں نے داؤ بہت بڑا (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔پس! میں نے کہا اپنے رب سے گناہ بخشوالو بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے۔(۱۰) چھوڑ دے گا تم پر آسمان کی موسلا دھار بارش۔(۱۱) اور بڑھا دے گا تمہارے مال اور بیٹوں کو اور بنا دے گا تمہارے لئے باغ اور نہریں۔(۱۲) کیا ہوا تمہیں کیوں نہیں امید رکھتے اللہ تعالیٰ کی بڑائی سے۔(۱۳) اور اسی نے بنایا تمہیں طرح طرح سے۔(۱۴) کیا تم نے دیکھا نہیں کیسے بنائے اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر نیچے۔(۱۵) اور بنایا ان میں چاند کو روشن اور سورج کو جلتا ہوا چراغ۔(۱۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقے سے پیدا کیا۔(۱۷) پھر دوبارہ ڈالے گا تمہیں اس زمین میں اور نکالے گا تمہیں باہر۔(۱۸) اور اللہ تعالیٰ نے

تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔ (۱۹) تا کہ چلو اسکے کشادہ راستوں پر۔ (۲۰) نوح نے کہا اے میرے رب! انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو اسکے مال سے اور اولاد سے سوائے خسارے کے کچھ نہ ملا۔ (۲۱) اور انہوں داؤ کیا بڑا داؤ۔ (۲۲)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے ہیں کہ میں نے انہیں ہر طرح سے سمجھایا کہ تمہارے عمل برے ہیں اور انکا برا نتیجہ تمہیں بھگتنا پڑے گا اور اس سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے، ہاں اگر تم میری سنو تو اپنے آپ کو اس سے بچا سکتے ہو، چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ اپنے مالک اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اسی سے کہو کہ اے ہمارے رب! ہماری خطاؤں سے درگزر فرما، ہمارے گناہ معاف فرما، وہ رحیم و کریم ہے اپنے بندوں پر جو اسکی طرف جھکے اسکے گناہ معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ گناہ بخشنے والا مہربان ہے، تمہارے پچھلے سب گناہ معاف کر دے گا اور اپنی رحمت سے آسمان سے تمہارے اوپر زور کی بارش برسا دے گا جس سے زمین سیراب ہو جائیگی اور قحط سے نجات ملے گی، پیداوار خوب ہوگی، مالدار ہو جاؤ گے، تندرستی ملے گی، بیٹے بہت سے پیدا ہونے لگیں گے، آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کو نہیں مانتے اور اسکے آگے جھک دنیا و آخرت کی نعمتیں نہیں سمیٹتے، تمہیں اسی نے تو پیدا کیا ہے اور مختلف حالات میں پالا ہے، کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے اوپر نیچے آسمان بنا دیئے اور چاند کو روشنی کا ذریعہ بنایا۔

سورج کو ایک جلتا ہوا چراغ کر کے رکھ دیا جو روشنی پہنچاتا ہے اور گرمی بھی پھیلاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنی پیدائش پر غور کر کے سمجھو، پہلے اس نے تمہارے بدن کے اجزاء زمین میں پیدا کئے، پھر ان سے تمہیں جیتا جاگتا انسان بنا کر کھڑا کر دیا، یہ بھی ایسے ہی ہوا جیسے درخت زمین سے اُگے ہیں، فرق یہ ہے کہ تم چل پھر سکتے ہو اور وہ ایک جگہ کھڑے رہتے ہیں، پھر تم مر جاؤ گے اور دوبارہ مٹی میں مل جاؤ گے، اسکے بعد قیامت کو وہ پھر تمہیں اٹھا کر کھڑا کر دے گا اور تم زمین (قبر) سے نکل کر باہر آ جاؤ گے، پھر اسکی قدرت کی ایک اور شان دیکھو

کہ تمہارے چلنے پھرنے کیلئے زمین کا لمبا چوڑا فرش دور دور تک بچھا دیا اور اس میں کشادہ راستے بنا دیئے کہ جہاں سے چاہو دل کھول کر آؤ جاؤ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ سب کچھ سمجھایا مگر انکی سمجھ میں کچھ نہ آیا، جیسا کہ آجکل بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض آدمی سمجھتے ہی نہیں اور اپنی ہی رٹے جاتے ہیں، آخر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! یہ لوگ تو میری بات نہیں مانتے بلکہ اپنے مالداروں کی باتیں سنتے اور مانتے ہیں، یعنی: میرا کہنا ماننے کے بجائے دولت مندوں، رئیسوں اور مال واولاد والوں کا اتباع کیا، جس طرح انہوں نے کہا اسی طرح میری قوم نے کیا اور اس طرح وہ غلط راستے پر چل نکلے، اگرچہ مال واولاد کی کثرت ایک نعمت ہے مگر اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ان کے پاس مختلف قسم کے لوگ آئے، کسی نے کہا حضرت! قحط سالی ہورہی ہے، آپ نے فرمایا: استغفار کرو، دوسرے شخص نے کہا میری بیوی بانجھ ہوگئی ہے بچہ نہیں جنتی، فرمایا: استغفار کرو، ایک اور شخص کہنے لگا ہماری کھیتی باڑی خراب ہوگئی فصل نہیں دیتی، آپ نے اس کو بھی فرمایا: استغفار کرو، الغرض! مختلف قِسم کی پریشانی والے لوگوں کو آپ نے ایک ہی جواب دیا کہ استغفار کرو تو ایک شاگرد نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ نے سب کو ایک ہی جواب دیا، تو فرمانے لگے یہ قرآن مجید کا مفہوم ہے۔

کیا حضرت نوح علیہ السلام نے نہیں فرمایا تھا کہ اپنے رب سے استغفار کرو اسکے بدلے میں بارش برسے گی، مال اور اولاد میں برکت ہوگی اور پانی کی سیرابی نصیب ہوگی، ان لوگوں نے یہی چیزیں تو طلب کی تھیں لہٰذا میں نے ان کو ایک ہی جواب دیا کہ اپنے رب سے استغفار کرو۔

اسی لئے کثرت سے استغفار کرنے کا حکم ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیان فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات ایک ایک مجلس میں سو سو بار استغفار کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ تَوَّابٌ غَفُوْرٌ، تَوَّابٌ رَحِیْمٌ.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ.

فرمایا: جو سچے دل سے یہ سید الاستغفار پڑھے گا تو اسکے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، اس میں اسم اعظم بھی ہے، اسکے علاوہ جتنے بھی استغفار کے الفاظ ہیں انکے پڑھنے سے بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں، شرط یہ ہے کہ محض زبانی رٹ نہ لگائے بلکہ دل کی گہرائیوں سے استغفار کے الفاظ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسکی کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں گے۔

"بیہقی شریف" کی روایت ہے کہ: مرنے والے لوگ انتظار میں رہتے ہیں کہ ان کیلئے کوئی دعا کرے یا صدقہ خیرات کرے، جب ان چیزوں کا ثواب انہیں پہنچتا ہے تو انہیں بڑی راحت ہوتی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ: ایک شخص کو اپنے عملوں کی نسبت سے زیادہ بلند درجہ حاصل ہوگا، اس کو تعجب ہوگا اور وہ عرض کرے گا اے اللہ! میرے عمل تو اس قابل نہیں تھے جس قدر درجہ آپ نے مجھے عطاء کیا، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ درجہ تجھے تیرے بیٹے کے استغفار کرنے کے صلے میں عطاء ہوا ہے، وہ تیرے لئے بخشش مانگتا ہے، اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ اپنے ماں باپ کیلئے استغفار کیا کرو، تاکہ انکے گناہ معاف ہوں اور درجات بلند ہوں۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ: پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کا اتباع کیا جن کے مال اور اولاد نے سوائے خسارے کے کچھ فائدہ نہ دیا، مال و دولت والے لوگوں نے اپنے مال کی بدولت غلط نمونے قائم کئے، دوسروں کو بھی اسی راستے پر چلاتے رہے، انہوں نے پیغمبر کی بات ماننے کے بجائے مال و دولت والوں کی بات مانی، کہتے تھے پیغمبر کے پاس کیا ہے جو ہم اسکی پیروی کریں؟ یہ انسان ہو کر پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے، نہ اسکے پاس مال و دولت ہے، نہ کوئی محل ہے، نہ فوج ہے، نہ باغات ہیں، ہم اسکی بات کیوں مانیں؟ اتباع تو ان لوگوں کا ہونا چاہئے جن کے پاس یہ ساری چیزیں موجود ہوں، گویا حضرت نوح علیہ السلام کا کہنا نہ ماننے کی وجہ یہ تھی اور اس قوم کے ہاں پیروی کرنے کا معیار پیغمبری کے بجائے مال و دولت تھا۔

نتیجہ کیا ہوا؟

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ
اور کہا (انکی قوم نے) کبھی نہ چھوڑنا تم معبودوں اپنے کو اور کبھی نہ چھوڑنا تم ود اور نہ سواع کو اور

لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۟ۚ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ۬ وَ لَا تَزِدِ
نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو (۲۳) اور بہکا دیا انہوں نے بہت سوں کو اور نہ بڑھا

الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۟ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬
ظالموں کو مگر گمراہی میں (۲۴) بسبب گناہوں اپنے کے غرق کر دیا گیا انہیں پس داخل کئے گئے آگ میں

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۟ وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ
پس نہ پائے انہوں نے لئے اپنے سوا اللہ کے کوئی مددگار (۲۵) اور کہا نوح نے اے رب

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۟
مت چھوڑ پر زمین میں سے کافروں کوئی بسنے والا (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (نوح کی قوم نے کہا) ہرگز مت چھوڑنا اپنے معبودوں کو اور ہرگز مت چھوڑنا ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو۔ (۲۳) اور انہوں نے بہت سوں کو بہکایا اور نہ بڑھا ظالموں کو سوا گمراہی کے۔ (۲۴) اپنے گناہوں کے سبب غرق کئے گئے اور آگ میں داخل کئے گئے پھر انہوں نے اپنے واسطے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہ پایا۔ (۲۵) اور کہا نوح نے اے رب! اور نہ چھوڑ زمین پر کسی بھی ایک بسنے والے کافر کو۔ (۲۶)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہے ہیں کہ یہ لوگ ہر وقت بڑی بڑی سازشیں کرتے

رہتے تھے اور کہتے تھے کہ نوح کی باتوں میں آکر، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو کبھی نہ چھوڑنا، یہ ان کے بت تھے جنکی وہ پوجا کرتے تھے، بتوں کے پوجنے والے بتوں کے خاص خاص نام رکھ لیتے تھے، اس طرح سے ان لوگوں نے بہت سوں کو سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا ہے، اے اللہ! انکی گمراہی اور بھی بڑھا دے تاکہ یہ جلدی عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جائیں، یہ اس لئے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام انکی طرف سے بالکل ناامید ہو گئے تھے اور انکے ایمان لانے کی بالکل توقع ہی نہ رہی تھی، آخر وہ وقت آیا کہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے پانی کے زبردست طوفان میں غرق کر دیئے گئے اور پھر مرتے ہی دوزخ میں داخل کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بے یار و مددگار ہو گئے، کوئی انکے کام نہ آیا، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کیلئے بددعا کی تھی کہ اے اللہ! ان کافروں میں سے ایک کو بھی چلتا پھرتا یا گھر میں بستا مت چھوڑ، دیار کے دونوں معنیٰ ہیں کیونکہ وہ دور سے بنا ہے یا دار سے۔

یہ پانچ قسم کے معبود حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بنا رکھے تھے، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: یہ پانچوں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، وَد ان میں بڑا تھا، یہ سارے نیک اور صالح لوگ تھے، جب یہ مر گئے اور کچھ زمانہ گزر گیا تو شیطان نے لوگوں کو اس طرف راغب کیا اور انہوں نے انکے بت بنا لئے۔

"بخاری شریف" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پانچ بزرگوں کے نام ہیں، یہ حضرات، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، یا حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک آدمی تھے، جب یہ مر گئے تو لوگوں کو بڑا افسوس ہوا، کیونکہ انکی نیکی کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی تھی، شیطان نے ان کے دلوں میں رغبت ڈالی کہ ان کے مجسمے اور تصویریں بنا لو اور جہاں تم عبادت کرتے ہو انہیں بھی وہاں رکھ لو تاکہ انہیں دیکھ کر تم عبادت کی طرف زیادہ راغب ہو سکو کہ یہ بزرگ ایسی عبادت کرتے تھے، نوافل ادا کرتے تھے، ورد کرتے تھے۔

کچھ وقت اور گزرا تو یہ بزرگوں کے بت خود معبود بن گئے، شیطان نے سبق پڑھایا کہ انکی عبادت ہونی چاہئے، چنانچہ ایسا ہی ہونے لگا، اسکے بعد طوفان میں یہ بت اور انکے پوجنے والے سارے ڈوب گئے۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا: یعنی: ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے، حضرت نوح علیہ السلام نے انکی

گمراہی کی بددعا اس لئے کی کہ اللہ تعالیٰ نے انکو اسکی خبر دیدی تھی کہ اب ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہوگا، اس لئے گمراہی اور کفر پر مرنا یقینی تھا، حضرت نوح علیہ السلام نے انکی گمراہی بڑھا دینے کی دعا اس لئے فرمائی کہ یہ زیادہ گمراہی میں پڑ کر مریں تاکہ ان کو زیادہ عذاب ہو۔

قبر کا ثواب اور عذاب قرآن مجید سے ثابت ہے: صحیح حدیثوں میں قبر کے اندر ثواب وعذاب ہونے کا بیان اس کثرت اور وضاحت سے آیا ہے کہ انکار نہیں کیا جاسکتا؛ اس لئے اس امت کا اجماع اور اسکا اقرار اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔

ان سے بُرائی پھیلے گی

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا
بیشک آپ اگر چھوڑ دیا آپ نے انہیں بہکائیں گے بندوں آپکے کو اور نہ جنیں گے مگر بدکاروں کو

كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا
کافر (۲۷) اے رب میرے بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو داخل ہو گھر میرے میں ایمان لاکر

ع ٨ ۲ ۱۰ النصف وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾
اور ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو اور نہ بڑھا ظالموں کو مگر تباہی (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ: اگر ان کو چھوڑ دیں گے تو یہ آپ کے بندوں کو بہکائیں گے اور نہیں جنیں گے یہ مگر ڈھیٹ کافر کو۔ (۲۷) اے میرے رب! بخش دے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایماندار آئے اور (بخش دے) ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو اور ظالموں کیلئے تباہی کے سوا کچھ زیادہ نہ کر۔ (۲۸)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام عرض کررہے ہیں کہ ان لوگوں میں اس قدر گمراہی پھیل گئی ہے کہ اگر ان میں سے ایک

بھی زندہ بچا تو سوا اسکے کہ اپنی طرح دوسروں کو بھی سیدھے راستے سے ہٹا کر گمراہی کے راستے پر ڈالیں گے، ان میں اسکی صلاحیت ہی نہیں رہی کہ سچی اور سیدھی بات کو سمجھیں، یہ ہمیشہ غلط باتوں میں پھنسے رہیں گے اور ٹیڑھی چال چلیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا، یا اللہ! اگر آپ نے انہیں زمین میں اسی طرح چلتا پھرتا رہنے دیا تو آپکے بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور انکی جو اولاد ہوگی وہ بھی انہی کے قدم بقدم چلے گی، وہ ہمیشہ برے کام کریں گے اور سچی باتوں کا انکار کئے جائیں گے، اے اللہ! آپ ان سب کو ختم کر دیں اور اگر مجھ سے اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی اور قصور ہوا ہو تو اسے معاف فرما دیں، اور میرے ماں باپ کی بخشش فرمائیں، اور جو کوئی ایمان لا کر میرا ساتھی ہوا ہے اور میرے گھر میں یا میری کشتی میں یا عبادت گاہ میں داخل ہو گیا ہے اس کو بھی بخش دیں، اور قیامت تک جتنے مرد اور جتنی عورتیں آپ پر ایمان لائیں اور آپکی باتوں کو مانیں، انکی مغفرت فرما دیجئے، اور جو لوگ حق سے پھریں اور سچی باتوں کا انکار کریں ان کیلئے تباہی کے سوا کچھ نہ بڑھا۔

آیاتها — ۲۸ | سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها — ۲

سورۃ الجن مکی ہے اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

جنوں کا ایمان لانا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا

آپ کہہ دیں وحی کی گئی ہے طرف میری واقعہ یہ ہے کہ غور سے سنا چند شخصوں نے سے جنوں پھر کہا انہوں نے کہ تحقیق ہم سنا ہم نے

قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ
ایک قرآن بڑا اَلا (۱) کہ ہدایت کرتا ہے طرف سیدھی راہ پس ایمان لائے ہم اس پر اور ہرگز نہ شریک کرینگے ہم

بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا
رب اپنے کیساتھ کسی کو(۲) اور تحقیق حال یہ ہے کہ بلند ہے شان رب ہمارے کی نہیں رکھی اس نے بیوی اور نہ

وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾
اولاد (۳) اور یہ کہ واقعہ یہ ہے کہ بناتا تھا بیوقوف ہم میں سے پر اللہ کے بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا(۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف سے اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے قرآن مجید سنا تو کہنے لگے، ہم نے تو بڑا عجیب قرآن مجید سنا ہے۔(۱) نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کیساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں بنائیں گے۔(۲) اور بیشک ہمارے رب کی شان بلند ہے، نہیں بنائی اس نے اپنے لئے کوئی بیوی اور نہ اولاد۔(۳) بیشک ہم میں سے بے وقوف شخص اللہ تعالیٰ پر بڑی زیادتی کی بات کہا کرتا تھا۔(۴)

تفسیر

یہ سورۃ مکہ میں اتری، اسکی اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ: اے پیغمبر! ان لوگوں کو سنا دیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ جنوں کے گروہ نے مجھے قرآن مجید پڑھتا دیکھ کر کان لگا کر سنا، اسکے بعد اپنی قوم میں جا کر کہنے لگے یہ تو ایک عجیب کلام ہے جو ہم نے سنا، یہ سیدھا راستہ سمجھاتا ہے، ہم نے تو اسے دل سے مان لیا اور اس پر ایمان لے آئے، ہم تو اپنے رب کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، ہم سمجھ گئے کہ ہمارے رب کی شان سب سے اونچی ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، نہ اسکی کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد، شرک کی سب باتیں ہمارے بے وقوفوں نے گھڑی ہیں، سب سے بڑا بے وقوف ابلیس ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی بابت بڑی

بڑی غلط باتیں منہ سے نکالیں اور ان کو ہمارے اندر پھیلایا، یہاں سے معلوم ہوا کہ جیسے آدمیوں میں بعض لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور حد سے زیادہ غلط خیالات رکھتے ہیں، ایسے ہی جنوں میں بھی غلط خیالات رکھنے والے اور الٹی سیدھی باتیں کرنے والے ہوتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری چونکہ عام ہے اس لئے انسانوں کی طرح جن بھی آپ کی امت میں داخل ہیں، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی اور مدنی زندگی میں چھ مرتبہ آپ جنوں کو تبلیغ کرنے کیلئے تشریف لے گئے، ان میں ایک واقعہ سفر کا ہے، ایک جنت البقیع کے قریب کا، بعض واقعات مکی زندگی کے ہیں، بعض اوقات قرآن مجید اور دین کی تعلیم کیلئے ساری ساری رات آپ نے جنوں کی تبلیغ میں گزاری۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک رات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ساتھ لے گئے، آپ نے ایک جگہ لکیر کھینچ کر مجھے اسکے اندر بٹھادیا اور حکم دیا کہ اس لکیر سے باہر نہیں نکلنا، فرمایا! اس لکیر کے اندر تمہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچائے گا، جو بھی آئیگا اس لکیر تک ہی آئیگا اسکے اندر داخل نہیں ہوسکے گا، اسکے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور ساری رات جنوں کو تعلیم و تبلیغ کرتے رہے، رات کے بالکل آخری حصے میں آپ واپس تشریف لائے اور پھر تھوڑی دیر کیلئے وہیں لیٹ گئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مختلف قسم کی شکلیں آتی تھیں، کوئی ایسے آدمی آتے تھے جیسے ہندستان کے جاٹ ہوتے ہیں، بالکل ویسی وضع قطع کے، کوئی کسی اور شکل میں، اس لکیر کے گرد گھوم گھام کر چلے جاتے تھے اور میں اس لکیر کے اندر ہی رہا، اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں، یہاں صرف اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کیا گیا، مجموعی طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ مرتبہ جنوں کو تعلیم دی۔

جنوں کے قرآن مجید سننے کا واقعہ کہاں پیش آیا اسکے متعلق مختلف قول ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ: یہ واقعہ جسکا ذکر "سورۃ احقاف" میں ہے طائف کے سفر میں پیش آیا، بعض فرماتے ہیں کہ: یہ واقعہ اس موقعہ پر پیش آیا جب آپ دین کی تبلیغ کیلئے عکاظ کی منڈی میں تشریف لے گئے، یہ جگہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، جہاں ہر سال پورے بیس دن تک منڈی لگتی تھی اور اس میں سارے عرب کے لوگ آتے تھے، روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کیساتھ اس منڈی میں تشریف لارہے تھے تو راستے میں وادی نخلہ کے مقام پر

آپ فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت فرمارہے تھے اسی دوران جنوں کی ایک جماعت وہاں سے گزر رہی تھی تو انہوں نے قرآن مجید سنا، یہ جن نصیبین کے مقام کے تھے جو عراق اور شام کے درمیان ایک جگہ ہے۔

"مسلم شریف" کی روایت میں ہے کہ: قرآن مجید سُن کر جنوں کا سارا گروہ ایمان لے آیا اور واپس چلا گیا مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا علم نہ ہوا، جنوں کے چلے جانے کے بعد معجزے کے طور پر وہاں کے ایک درخت نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ جن آئے تھے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ پر جب وحی اتاری تو اس میں جنوں کا ذکر کیا گیا۔

غلطی کا اعتراف

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًاۙ۝۵

اور یہ کہ ہم نے گمان کیا کہ ہرگز نہ کہیں گے آدمی اور جن پر اللہ جھوٹ (۵)

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ

اور یہ کہ تھے کتنے ہی مرد سے آدمیوں کہ پناہ لیتے تھے کتنے ہی مردوں کی سے جنوں

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًاۙ۝۶ وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ

پس بڑھایا انہوں نے سرکشی کو (۶) اور یہ کہ خیال کیا آدمیوں نے جیسا خیال کیا تم نے کہ ہرگز نہ اٹھائیگا

اللّٰهُ اَحَدًاۙ۝۷ وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا

اللہ کسی کو (۷) اور بیشک ٹٹولا ہم نے آسمان کو پس پایا ہم نے اسکو بھرا ہوا چوکیداروں

شَدِيْدًا وَّ شُهُبًاۙ۝۸

سخت سے اور انگاروں سے (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم گمان کرتے تھے کہ انسان اور جن سارے کے سارے خدا کے بارے میں

ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے۔(۵) اور یہ بات بھی ہے کہ کچھ مرد انسانوں میں سے پناہ پکڑتے تھے جنوں میں سے کچھ مردوں کیساتھ، پس بڑھا دیا انہوں (انسانوں) نے اُن کیلیے سرکشی کو۔(۶) اور اسی طرح جنوں نے بھی خیال جس طرح تم نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد ہرگز کسی کو نہیں اٹھائیگا۔(۷) اور بیشک ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے ہم نے سخت پہریداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔(۸)

لفظی تحقیق: رَهَقٌ: سرکشی، بدماغی۔ اصل میں اسکا معنیٰ ڈھانک لینے کے ہیں، ہر چیز جو باہر سے ڈھانکے یا اندر سے "رَهَقَ" ہے، اندر سے بعض خیالات ڈھانک لیتے ہیں جیسے اپنے بڑا ہونے کا خبط جسکا نتیجہ سرکشی اور بدماغی ہوتا ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان کو جنوں کا حال سنادو، وہ قرآن مجید سُن کر گئے تو اپنی قوم سے کہنے لگے کہ پہلے ہمارا یہ خیال تھا کہ آدمی اور جن اللہ تعالیٰ کی بابت جھوٹی باتیں نہ کہیں گے لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا، بہت سے آدمی اور جن اللہ تعالیٰ کی بابت جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے آدمی جنوں کو اپنا محافظ اور مددگار مان لیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان جنوں کا دماغ اور بھی بگڑ جاتا ہے کہ ہم اتنے بڑے ہیں کہ لوگ ہماری پناہ میں آنا چاہتے ہیں، پھر انہوں نے کہا کہ بہت سے آدمیوں کا بھی یہ خیال ہے جیسے تم میں سے بہت سوں کا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ نہ اٹھائیگا، اس لئے جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے جو مزے اڑانے ہیں یہیں اڑالو اسکے بعد کچھ نہیں ہے، پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو وہاں کی تو کایہ ہی پلٹی ہوئی پائی، سخت پہرے لگے ہوئے ہیں اور ہرناکے پر فرشتے سامان سے لیس کھڑے ہیں اور ہر جگہ آگ کے دہکتے ہوئے گولے تیار ہیں اور ہم میں سے کسی کو بھی اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتے، یہ سامان بلا وجہ نہیں اب قرآن مجید سُن کر ہم سمجھے کہ یہ سب انتظام قرآن مجید کے اترنے کی وجہ سے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چل کر کسی جگہ ٹھہرتا ہے اگر وہ ان الفاظ کیساتھ پناہ مانگے گا تو اسے کوئی

نقصان نہیں ہوگا "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ" یعنی: میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں ہر اُس چیز کے شر سے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، یہ چیز جن ہو یا کچھ اور ہو، ان کے شر سے حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں، یہ پناہ مانگنے کا صحیح طریقہ ہے جس کی تعلیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

وحی کا انتظام

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ

اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے آسمان کے ٹھکانوں پر سننے کیلئے پس جو سنا چاہتا ہے اب

يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي

پائیگا لئے اپنے دہکتا انگارا گھات میں(۹) اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ آیا برائی کا ارادہ کیا گیا ساتھ انکے میں

الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ

جو زمین یا ارادہ کیا ہے لئے انکے رب انکے نے ہدایت کا(۱۰) اور یہ کہ میں سے ہم نیک لوگ بھی ہیں اور

مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ

میں سے ہم انکے خلاف بھی ہیں تھے ہم کئی راستوں پر بٹے ہوئے(۱۱) اور یہ کہ سمجھ لیا ہم نے کہ ہرگز نہ

نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾

عاجز کر سکیں گے اللہ کو میں زمین اور ہرگز نہ عاجز کر سکیں گے اسکو بھاگ کر(۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہ کہ ہم آسمان کے ٹھکانوں میں بیٹھا کرتے تھے سننے کے واسطے پھر جو کوئی اب سنا چاہتا ہے وہ اپنے واسطے ایک انگارہ گھات میں پاتا ہے۔(۹) اور یہ کہ اب ہم نہیں جانتے کہ برا ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا انکے رب نے انکو سیدھے راستے پر لانا چاہا ہے۔(۱۰) اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک ہیں اور کوئی اسکے سوا (بُرے ہیں)، ہم کئی راہوں پر بٹے ہوئے تھے۔(۱۱) اور بیشک ہم نے سمجھ لیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو

زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے، نہ ہم کہیں بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہیں۔(۱۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان جنوں نے جو قرآن مجید کی آیتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر واپس گئے تو اپنی قوم سے کہا کہ پہلے ہم کوئی موقعہ کی جگہ ڈھونڈ کر آسمان کے کسی کونے میں بیٹھ جاتے تھے تا کہ فرشتوں کی گفتگو سنیں اور آئندہ ہونے والی باتوں کی سُن کر اور کچھ اپنی طرف سے ملا کر زمین میں پھیلائیں، لیکن اب تو یہ حال ہے کہ ہم میں سے جو کوئی آسمان والوں کی باتیں سننے جاتا ہے وہ آگ کا گولہ اپنے لئے تیار پاتا ہے جو اس کو پیچھے کی طرف بھگا دیتا ہے یا جلا دیتا ہے، یہ نیا انتظام اس نئے کلام یعنی قرآن مجید کی حفاظت کیلیے ہے تا کہ شریر جن اسکے اندر کچھ اور نہ ملانے پائیں، اب یہ معلوم نہیں کہ اس قرآن مجید کو سارے لوگ مان کر ثواب کے حقدار ہوں گے یا اسکا انکار کر کے عذاب سمیٹیں گے، ہمارے اندر پہلے ہی نیک اور بد دونوں قسم کے لوگ ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید کے اترنے کے بعد یہ اختلاف مٹتا ہے یا اور بڑھتا ہے، ہمیں تو یقین ہو گیا کہ اطاعت کے بغیر چارہ نہیں، نافرمانی کر کے نہ ہم کہیں زمین میں اللہ تعالیٰ سے چھپ سکتے ہیں اور نہ کہیں بھاگ کر اپنی جان بچا سکتے ہیں۔

وَ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ: یعنی: جنوں اور شیطانوں کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا، بطور سزا کے بھی ہوسکتا ہے کہ زمین والوں کو آسمان کی خبریں نہ کریں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلیے یہ ہدایت کا سامان کیا ہو کہ جن اور شیطان وحی میں کوئی خلل نہ ڈال سکیں۔

وَ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ: اور آخر کار جنوں کو اقرار کرنا پڑا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہیں، مطلب یہ کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم کہیں بھاگ کر اللہ تعالیٰ سے بچ جائیں، ہم تو ہر وقت خدا کے قبضے میں ہیں وہ جب چاہے ہمیں پکڑ لے، سزا دے، ہلاک کر دے، یہ سب اسکے قبضہ قدرت میں ہے۔

ہم تو ایمان لائے

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا

اور یہ کہ ہم جب سنا ہم نے ہدایت کو ایمان لائے ہم پر اس پس جو ایمان لایا ساتھ رب اپنے کے پس نہیں

يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ۟ۙ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا

ڈرے گا وہ نقصان سے اور نہ دباؤ سے(۱۳) اور یہ کہ کچھ میں سے ہم فرمانبردار ہیں اور میں سے ہم

الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۟ وَ اَمَّا

ظالم ہیں پس جو فرمانبردار ہو گئے پس انہوں نے بھانپ لیا سیدھا راستہ(۱۴) اور وہ جو

الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۟ۙ

ظالم ہیں پس ہو گئے دوزخ کا ایندھن(۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جونہی ہم نے ہدایت کی بات سنی فوراً اس پر ایمان لے آئے، پس جو اپنے رب پر ایمان لے آئیگا وہ کسی نقصان کا خوف نہیں کھائیگا اور نہ اس کو کسی زبردستی کا کھٹکا ہوگا۔(۱۳) اور بیشک ہم میں سے فرمانبردار بھی ہیں اور بے انصاف بھی، پس جس نے فرمانبرداری کی تو انہوں نے نیکی کی راہ تلاش کر لی۔(۱۴) اور جو بے انصاف ہیں وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔(۱۵)

لفظی تحقیق: رَھَقٌ: بیجا دباؤ۔ یہاں اس سے مراد بدسلوکی اور ذلت ہے۔ اَلْقٰسِطُوْنَ: ظالم۔ "قَاسِطٌ" کی جمع ہے۔ تَحَرَّوْا: پسند کر لیا، اختیار کر لیا۔ ماضی ہے "تَحَرِّیْ" سے جو (ح ر ی) سے بنا ہے "حَرٰی" بہتر اور مناسب بات "تَحَرِّیْ" بہتر اور مناسب بات اختیار کرنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اسلام قبول کرنے والے جنوں نے کہا جب بات یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے چھپ کر نہیں

رہ سکتے، نہ زمین میں نہ آسمان میں تو ہم نے تو اس قرآن مجید کو سنتے ہی مان لیا اور اس پر ایمان لے آئے، اب ہمیں اسکا خوف نہیں کہ ہمارا حق مارا جائیگا یا ہم پر زیادتی ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد کسی کو یہ خوف ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں سے بعض لوگ فرمانبردار ہیں اور بعض لوگ سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں، لیکن فرمانبرداری کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ٹھیک فیصلہ کر لیا اور سیدھی راہ اختیار کی اور جنہوں نے سرکشی کی اور اپنی ہی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے وہ لوگ مرنے کے بعد دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے اور دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

جنوں کے اس واقعہ سے مکہ والوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ جن تو قرآن مجید سُن کر ایمان لے آئے مگر ایک تم ہو کہ قرآن مجید سنتے ہو مگر اس پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ وہ تم سے زیادہ طاقتور ہیں، اس بات میں ان کیلئے تنبیہ کا پہلو ہے کہ ان کا بھی فرض ہے کہ وہ فوراً ایمان لے آئیں۔

اب اور سُنو!

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾

اور یہ کہ اگر قائم ہو جاتے پر راستے سیدھے البتہ پلاتے ہم انہیں پانی ڈھیر سارا (۱۶)

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا

تا کہ آزمائیں ہم انہیں میں اس اور جو منہ پھیرے گا سے یاد رب اپنے کی داخل کر دیگا وہ اسے عذاب

صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّ

چڑھتے میں (۱۷) اور یہ کہ مسجدیں لئے اللہ کے ہیں پس مت پکارو ساتھ اللہ کے کسی کو (۱۸) اور

ع ۱۹ ۱۱ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ ؕ

یہ کہ جب کھڑا ہو بندہ اللہ کا کہ پکارے اسے قریب ہوتا ہے کہ ہو جائیں لوگ پر اس اکٹھے (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ راستے پر سیدھے رہتے تو ہم ان کو پلاتے پانی جی بھر کر۔(۱۶)
تا کہ ہم ان کی آزمائش کریں اور جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے گا اسے وہ چڑھتے عذاب میں ڈال دے گا۔(۱۷)
اور مسجدیں اللہ تعالیٰ کی یاد کے واسطے ہیں سو اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو مت پکارو۔(۱۸) اور یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ
کھڑا ہوا کہ اس کو پکارے قریب تھا کہ یہ لوگ اس پر اکٹھے ہو جائیں۔(۱۹)

لفظی تحقیق: صَعَدٌ: چڑھتا ہوا۔ یعنی: سخت عذاب جو ہر دم بڑھتا ہی جائے۔ لِبَدًا: جمگھٹے۔
"لِبَدَةٌ" کی جمع ہے، جس کے معنیٰ ہیں شیر کی گردن کے ڈھیر سارے بال، یہاں مراد بھیڑ ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: مجھ پر یہ بھی وحی ہوتی ہے کہ اگر تم سب آدمی اور جن سیدھے راستے پر چلتے اور نیکی کی راہ اختیار کرتے تو ہم تمہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیتے، قحط اور خشک سالی سے نجات دیتے، پورے طور پر تمہیں اور تمہاری زمینوں کو پانی سے خوب سیراب کرتے اور ظاہر و باطن میں ہر طرح کے فائدے تمہیں پہنچاتے اور تمہیں آزماتے کہ تم ہماری نعمتوں کا شکر کرتے ہو یا نہیں، بندوں کی آزمائش دو طرح ہوتی ہے، تنگی یا کشادگی سے، تنگی کی آزمائش سخت ہے اس میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے جس میں بہت کم لوگ پورے اترتے ہیں، اس سے ہم تمہیں بچا لیتے اور کشادگی دے کر آزماتے جو کہ نسبتاً آسان ہے، اس میں فقط شکر درکار ہے، یہی آسان طریقہ آزمائش کا ہم تمہارے لئے مقرر کر دیتے، یاد رکھو! جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کو سخت عذاب ملے گا اور اسکی پریشانیاں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔

اور مجھ پر یہ بھی وحی ہوئی ہے کہ مسجدیں یا سجدے فقط اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں، اس لئے تمہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کرو اور نہ مسجدوں میں کسی اور کو پکارو اور مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو انکے گرد لوگ ہجوم باندھ کر جمع ہو جاتے ہیں۔

وَ اَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا عَلَى الطَّرِيۡقَةِ: "اِسۡتَقَامُوۡا" کا تعلق انسان کیساتھ بھی ہے اور جنوں کے ساتھ بھی، یعنی: اگر انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ راستے پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں کشادگی فرمائے گا اور ان سے تکلیفوں کو دور کردے گا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: جس وقت یہ آیتیں اتریں مکہ میں قحط پڑا ہوا تھا، یہاں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ قحط مکہ والوں کے ظلم (کفروشرک) کی وجہ سے ہے، جب لوگ نافرمانی کرتے ہیں تو اس کے اثرات مختلف قسم کی پریشانیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، جن میں قحط سالی اور پانی کی قلت بھی ہے، جس کی وجہ سے انسان، حیوان، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے سب تکلیف میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

وَ اَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا: مساجد مسجد کی جمع ہے، یہاں اسکے مشہور معنیٰ بھی لئے جاسکتے ہیں یعنی وہ عبادت گاہیں جو نماز کیلئے وقف کی جاتی ہیں وہ مسجد کہلاتی ہیں، اس صورت میں آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ جب سب مسجدیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے بنائی گئی ہیں تو تم مسجدوں میں جاکر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مدد کیلئے نہ پکارو، جس طرح یہودی اور عیسائی اپنی عبادت گاہوں میں شرک کرتے ہیں، حاصل اسکا مسجدوں کو غلط عقیدوں اور برے عملوں سے پاک رکھنا ہے۔

وَ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ: اور جب کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ کا بندہ (اس سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) تو قریب تھا کہ یہ لوگ اسکے گرد ہجوم باندھ کر اکٹھے ہوجاتے، بعض فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا بندہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے تو لوگ گروہ بناکر جمع ہوجاتے تھے، مؤمن تو اس لئے جمع ہوتے تھے کہ آپ کیساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کافر تکلیف پہنچانے کیلئے جمع ہوتے تھے، بعض فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں جنوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب آپ وادیٔ نخلہ میں کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کو پکار رہے تھے تو جنوں کی جماعت بالکل ہی قریب ہورہی تھی کہ قرآن مجید اچھی طرح سُن سکیں۔

حق کا پیغام

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ لَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ
آپ کہہ دیں سوا اسکے نہیں پکارتا ہوں میں رب اپنے کو اور نہیں شریک کرتا میں اسکا کسی کو (٢٠) کہہ دیں تحقیق میں نہیں مالک ہوں میں

لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ
لئے تمہارے برائی کا اور نہ ہدایت کا (٢١) کہہ دیں تحقیق میں ہر گز نہ بچائیگا مجھے سے اللہ کوئی

وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ ۙ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ
اور ہر گز نہ پاؤنگا میں سوا اسکے کوئی پناہ کی جگہ (٢٢) مجھے تو فقط پہنچانا ہے سے طرف اللہ کی اور پیغاموں اسکے کو

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
اور جو نافرمانی کریگا اللہ کی اور پیغمبر اسکے کی پس بیشک لئے اسکے آگ دوزخ کی رہا کرینگے

فِيْهَآ اَبَدًا ﴿٢٣﴾ ؕ
میں اس ہمیشہ (٢٣)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں! میں تو بس اپنے رب کو پکارتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں کرتا۔ (٢٠) آپ کہہ دیجئے میں تمہارے لئے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ (٢١) آپ کہہ دیجئے کہ بیشک مجھے خدا کے سامنے ہر گز کوئی پناہ نہیں دے گا اور میں خدا کے سوا ہر گز کوئی پناہ کی جگہ نہیں پاتا۔ (٢٢) مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچانا ہے اور اسکے پیغام لانے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر کی نافرمانی کرے گا سو اس کیلئے دوزخ کی آگ ہے ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ (٢٣)

لفظی تحقیق: مُلْتَحَدًا: پناہ کی جگہ۔ اسم ظرف ہے "اِلْتِحَادٌ" سے جو (ل ح د) سے بنا ہے "لَحْدٌ" کے معنی ایک طرف ہٹ جانا "مُلْتَحَدٌ" وہ جو سب سے الگ ہٹی ہوتی ہو۔

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: جب پیغمبر ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو اتنے لوگ انکے گرد جمع ہو جاتے ہیں جس طرح شیر کی گردن کے بال ہوتے ہیں، مسلمان تو قرآن مجید سننے کے شوق میں اور کافر آپ کو ستانے کے خیال سے آپ کے گرد جمع ہونے لگتے ہیں، اے پیغمبر! آپ ان کافروں سے کہہ دو کہ تم مجھے کیوں ستاتے ہو، میں تو کوئی بری بات نہیں کہتا، میں تو بس یہی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہوں جو میرا رب ہے اور اس کیساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، تم بھی یہی کرو کیونکہ اس میں سراسر تمہارا نفع ہے، اگر نہ مانو تو میرے اختیار میں نہیں کہ میں تمہیں نافرمانی کی سزا دوں اور نہ تمہیں سیدھے راستے پر لانا میرے بس کی بات ہے، میں تمہیں تو نفع یا نقصان کیا پہنچاتا خود اپنے لئے بھی کچھ نہیں کرسکتا، اگر آج بالفرض میں اپنا فرض ادا کرنے میں کوئی کوتاہی کروں تو کوئی نہیں جو مجھے اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچالے اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں میں جا کر اس سے چھپ سکوں، میرا کام تو بس یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے بندوں کو اس کا پیغام پہنچادوں اور اسکے حکم انہیں سنادوں، لیکن یہ یاد رکھو کہ جو میری نہ مانے گا اس کو اگرچہ میں سزا نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ اسے ضرور سزا دے گا، اس نے اپنے نافرمانوں کیلئے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے اور وہ ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ آمین

عنقریب راز کھل جائے گا

حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ

یہاں تک کہ جب دیکھ لینگے وہ جسکا وعدہ کیا گیا ہے ان سے پس اسی وقت جان لینگے کون زیادہ کمزور ہے مددگاروں کے لحاظ سے اور

اَقَلُّ عَدَدًا ۝٢٤ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ

کم ہے گنتی (۲۴) کہہ دیں نہیں جانتا میں آیا قریب ہے وہ جسکا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا کردے

لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا
لئے اسکے رب میرا ایک مدت (۲۵) جاننے والا غیب کا پس نہیں ظاہر کرتا پر غیب اپنے کو کسی پر (۲۶) مگر

مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ
جسے وہ چاہے سے پیغمبروں پس تحقیق وہ دوڑاتا ہے آگے آگے اسکے اور پیچھے

خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ
اسکے نگہبان (۲۷) تا کہ جان لے کہ تحقیق پہنچادیئے انہوں نے پیغام رب اپنے کے اور گھیر رکھا ہے اس نے

بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۲ ۹ ۱۱
جو کچھ پاس ہے اسکے اور پوری کرلی ہے ہر چیز کی گنتی (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے پس یہ لوگ اس وقت جان لیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور تعداد میں کم۔(۲۴) اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب کردے گا اس کیلئے لمبی مدت۔(۲۵) وہ غیب کا جاننے والا ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔(۲۶) مگر اپنے پیغمبروں میں سے جسے پسند کرتا ہے تو اسکے آگے اور پیچھے اللہ تعالیٰ پہریدار بھیجتا ہے۔(۲۷) تا کہ ظاہر کردے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے ہیں اور اس نے احاطہ کیا ہوا ہے اس چیز کا جو انکے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے۔(۲۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ کافر آپ کے گرد ستانے کو جمع ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اور اسکے ساتھی مٹھی بھر کمزور آدمی ہیں اور ہم زیادہ تعداد والے طاقتور ہیں اور یہ ہمارے مقابلے میں کیا کر سکتے ہیں، اچھا اس وقت تو جو جی میں آتا ہے کردیتے ہیں لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جس کے آنے کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے، اس وقت انہیں صاف صاف معلوم ہو جائیگا کہ تھوڑے اور کمزور ساتھیوں والا کون ہے، اے پیغمبر! اس دن انہیں معلوم ہوگا

کہ ان کا کوئی پوچھنے والا نہیں، اب اگر یہ کہیں کہ اس وعدے کا وقت کب آئیگا تو کہہ دو کہ مجھے اسکا علم نہیں کہ وہ وقت قریب ہے یا اس کیلیے میرے رب نے کوئی مدت مقرر کر دی ہے، کیونکہ غیب کا جاننے والا وہی ہے اور وہ غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر اس پر جسے وہ اپنا پیغمبر منتخب کرے۔

یہاں سے معلوم ہوا اور ایسی اور آیتیں سورۃ آلِ عمران اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہیں کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کوئی غیب دان نہیں، ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو جتنی غیب کی باتیں جاننے کی ضرورت ہوتی ہے مصلحت کے مطابق بتا دیتا ہے اور جو وہ نہ بتائے وہ انہیں بھی معلوم نہیں۔

ارشاد ہو رہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنی غیب کی خبریں اپنے پیغمبروں کو انکی شان، مرتبے اور موقعہ کے مطابق وحی کے ذریعے بھیجتا ہے اور وحی کی خوب حفاظت کی جاتی ہے اور اسکے آگے پیچھے فرشتے پہریداری کرتے ہیں تاکہ شیطان اور اسکے چیلے اس میں کوئی بات اپنی طرف سے نہ ملا سکیں اور ان کا کوئی دخل اس میں نہ ہونے پائے، اس قدر احتیاط اس لئے کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ وحی کے فرشتے نے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اس پیغام کو جوں کا توں اللہ تعالیٰ کے بندوں تک پہنچا دیا ہے، یوں ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قابو اور حفاظت میں ہے، کوئی اسکی بھیجی ہوئی وحی میں خلط ملط نہیں کر سکتا، لیکن یہ پہرے چوکیاں مصلحت اور شان وشوکت کے اظہار کیلیے لگائی گئی ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے، کوئی چیز اسکے علم سے باہر نہیں۔

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا: پس یہ لوگ اس وقت جان لیں گے کہ کس کی مدد کمزور ہے، آج تو یہ پیغمبر اور اسکے ساتھیوں کو کمزور سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس دنیاوی مال واسباب کی کمی ہے، ان کے پاس فوج نہیں ہے مگر اس دن پتہ چلے گا کہ کمزور کون ہے اور تعداد میں کون کم ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا: یعنی: اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے پیغمبروں میں سے جسے پسند کرتا ہے، پیغمبر تو سارے ہی پسندیدہ ہیں۔

بعض لوگ غیب اور انباء الغیب میں فرق نہیں سمجھتے، اس لئے پیغمبروں اور خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلیے

علم غیب ثابت کرتے ہیں اور آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب کہنے لگتے ہیں جو کھلا شرک اور پیغمبر کو خدائی کا درجہ دینا ہے، اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی اپنے دوست کو بتلا دے جو اور کسی کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا، اسی طرح پیغمبروں کو ہزاروں غیب کی چیزوں کا وحی کے ذریعہ بتلا دینا ان کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا، اس بات کو خوب سمجھ لیا جائے۔

وَ اَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا: یعنی: اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خاص ہے جس کے علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں، اسکو پہاڑوں کے اندر جتنے ذرّے ہیں ان کا بھی عدد معلوم ہے، ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار اسکے علم میں ہے، ہر بارش کے قطروں اور تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا بھی اسی کو علم ہے۔

ایاتها — ۲۰ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّل مَكِّيَّةٌ رکوعاتها — ۲

سورۃ المزمل مکی ہے اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

انسان کی اصلاح کی تیاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ

اے کپڑوں میں لپٹے ہوئے (۱) کھڑا ہو رات کو مگر تھوڑی سی رات (۲) آدھی اسکی یا گھٹا دے سے اس

قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ

کچھ (۳) یا بڑھا دے پر اس اور صاف صاف پڑھ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (۴) تحقیق ہم عنقریب ڈالینگے پر آپ

قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ؕ﴿۶﴾

ایک کلام وزنی (۵) بیشک اٹھنا رات کا وہ ہے سخت روندنے والا اور سازگار ہے بات کہنے کیلئے (۶)

بامحاورہ ترجمہ: اے! کمبل اوڑھنے والے۔(۱) آپ رات کو کھڑے ہوں مگر تھوڑا حصہ۔(۲) آدھی رات یا آدھی سے کچھ کم کردیں۔(۳) یا آدھی سے کچھ زیادہ کرلیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔(۴) بیشک ہم آپ پر ایک وزنی کلام ڈال رہے ہیں۔(۵) بیشک رات کو اٹھنا نفس کو روندنے کے اعتبار سے زیادہ سخت ہے اور زیادہ درست ہے بات کرنے کے اعتبار سے۔(۶)

لفظی تحقیق: اَلْمُزَّمِّلُ: کپڑے گرد لپیٹے ہوئے۔ اسم فاعل ہے "اِزَّمُّلٌ" سے جو اصل میں "تَزَمُّلٌ" ہے اس لئے "مُزَّمِّلٌ" اصل میں "مُتَزَمِّلٌ" ہے، اسکا مادہ (ز م ل) ہے "زَمَلٌ" جسکے معنٰی بہت سے ہیں مگر یہاں ڈھانک دینا، چھپادینا مراد ہے۔ تَرْتِيْلَ: اس طرح پڑھنا کہ ایک ایک لفظ اور حرف اچھی طرح ادا ہو اور خوب سمجھ میں آئے "رَتِّلْ" اسی سے امر کا صیغہ ہے۔ نَاشِئَةَ: رات کو اٹھنا۔ یہ قیاس کے خلاف مصدر ہے، جیسے کَاذِبَةٌ، خَاطِئَةٌ۔ وِطَاءٌ: روندنا۔ اسکے معنٰی پاؤں سے روندنا ہیں، مراد یہ ہے کہ اس میں مشقت ہے "وَطَاءٌ" کے ایک معنٰی موافق کرنا اور ملادینا بھی ہیں، یعنی: وہ دل اور زبان کو خوب ملادیتا ہے اور موافق کردیتا ہے۔

تفسیر

یہ سورۃ مکہ میں اتری اسکی بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں، یہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں میں لپٹنے والا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، اس لئے کہ آپ کافروں کی بدزبانی سے اداس ہوکر اور کپڑا اوڑھ کر چپ چاپ لیٹ جاتے تھے، اور نیز یہ کہ پہلی وحی کے بعد اس قدر تھک گئے تھے کہ گھر میں آکر لیٹ گئے اور فرمایا کہ: مجھ پر کمبل وغیرہ ڈالدو اور نماز پڑھتے وقت بھی اپنا کپڑا اوڑھ لیتے تھے، اس طرح خطاب کرنے میں شفقت پائی جاتی ہے۔

شروع شروع میں جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری تو اسکی دہشت تھی، چونکہ یہ نئی چیز تھی اور طبیعت پر بوجھ تھا، جسم مبارک پر کپکپی طاری تھی، اسی حالت میں آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: مجھے سردی لگ رہی ہے مجھ پر کپڑا اڈالدو لہٰذا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کمبل اوڑھادیا۔

ارشاد ہے کہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے اٹھو اور آئندہ کے کام کرنے کی تیاری کرو، اپنی قوتوں کو بڑھانے کیلئے رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ، تھوڑا سا حصہ آرام کیلئے چھوڑ دو، آدھی رات یا اس سے کچھ کم عبادت میں لگا دو اور جو قرآن کا حصہ نازل ہو چکا ہے اسے کھڑے ہو کر خوب صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، آئندہ ہم آپکے اوپر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں، یعنی: اس کو آگے پہنچانے کی ذمہ داری ڈالنے والے ہیں، اسکا بھاری بوجھ اٹھانے کیلئے پہلے سے رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیں، کیونکہ اس سے رات کے آرام کو خوب روندا جاتا ہے اور نفس کی خواہش ختم ہو جاتی ہے اور اس وقت بات بھی دل سے نکلتی ہے اور جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر آتا ہے۔

یہ سورۃ قرآن مجید کی نازل ہونیوالی پہلی سورتوں میں سے ہے، "سورۃ مزمل" کا پہلا رکوع اترنے کے اعتبار سے تیسرے نمبر پر آتا ہے، پہلے اور دوسرے رکوع میں بارہ مہینے کا فرق ہے، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں اور دوسرے مفسرین بھی لکھتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی جو غارِ حراء میں اتری وہ "سورۂ اقراء" کی پہلی پانچ آیتیں ہیں، اسکے بعد دوسرے نمبر پر "سورۂ فاتحہ" بھی وہیں اتری اور آپ کو وضو کا طریقہ بھی وہیں بتلایا گیا۔

وحی اترنے کے دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ نماز ادا فرمائی اور اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نماز ادا کی۔

تیسرے نمبر وحی اترنے کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ: تیسرے نمبر پر سورۃ القلم اتری، مگر صحیح بات یہ ہے کہ تیسرا نمبر اس سورۃ کا ہے، یعنی: تیسرے نمبر پر "سورۃ مزمل" کا پہلا رکوع اترا، اسکے بعد "سورۂ مدثر"، پھر "سورۃ القلم" اور پھر دوسری سورتیں اتریں۔

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا: یعنی: آپ رات کو کھڑے ہوں مگر تھوڑا حصہ، کھڑا ہونے سے مراد نماز کیلئے کھڑا ہونا ہے تاکہ اس سے آپ کو روحانی ترقی حاصل ہو اور اس سے آئندہ پیش آنے والی مشکل کام میں آپ کو آسانی ہو۔

چنانچہ رات کے وقت ادا کی جانیوالی نماز کیلئے قیام الیل کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم بھی رات کے وقت کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ رہا ہے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، وہ گناہوں کو مٹانے والی اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے، لہٰذا تم بھی رات کی نماز، یعنی: تہجد پڑھا کرو۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا: یعنی: ہم آپ پر ایک وزنی بات ڈال رہے ہیں جو کہ کئی طرح سے ہے، مثلاً: قرآن مجید کی تعلیمات کو دنیا میں رائج کرنا ایک بڑا وزنی کام ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔

پہلا قدم

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝۷ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ
بیشک لئے آپکے میں دن کام ہے لمبا (۷) اور یاد کریں نام رب اپنے کا اور ل جائیں

اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۝۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ
سے اس کٹ کر (۸) رب ہے مشرق کا اور مغرب کا نہیں کوئی معبود سوا اسکے پس بنائیں اسکو

وَكِیْلًا ۝۹ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝۱۰
کارساز (۹) اور صبر کریں پر اس جو وہ کہتے ہیں اور چھوڑ دیں انکو چھوڑنا اچھی طرح (۱۰)

وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝۱۱
اور چھوڑ دیں مجھے اور جھٹلانے والوں کو جو والے نعمت ہیں اور مہلت دیں انہیں تھوڑی سی (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک آپ کیلئے دن کے وقت بہت کام رہتا ہے۔(۷) اور اپنے رب کے نام کو یاد کریں اور سب سے ہٹ کر صرف اسی کی طرف الگ ہوں۔(۸) مشرق اور مغرب کا رب وہی ہے، اسکے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اسی کو اپنا کام بنانے والا سمجھو۔(۹) اور اے پیغمبر! آپ صبر کریں اُن باتوں پر جو مخالفین کہتے ہیں اور آپ خوش اسلوبی کیساتھ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔(۱۰) اور آپ مجھے چھوڑ دیں اور ان جھٹلانے والے نعمت والوں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں۔(۱۱)

لفظی تحقیق: بَتِّلْ: قطع کر۔ اسکا مادہ (ب ت ل) ہے "بَتِّلْ" کے معنٰی کاٹنا "تَبَتَّلْ" بھی اسی سے ہے جس کے معنٰی میں مبالغہ پایا جاتا ہے، یعنی: بالکل کاٹ ڈالنا، مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ تعالٰی سے لَو لگا لو۔

تفسیر

ارشاد ہے: دن میں چونکہ آپکو اور بہت سے کام رہتے ہیں، جن میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا اور ذاتی کام کاج بھی ہوتے ہیں، اسلئے اللہ تعالٰی کیساتھ خاص تعلق پیدا کرنے کیلئے رات کا کچھ وقت عبادت کیلئے مخصوص کرلیں، دنیا کے کام کاج کے اندر بھی اللہ تعالٰی کو ہر وقت یاد رکھیں اور دل میں اسکا نام لیتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ دنیا کی مصروفیت آپکو اللہ تعالٰی کی یاد سے غافل کردے، اللہ تعالٰی ہی ہر جگہ موجود، ہر چیز کا، دن اور رات میں نگہبان اور پالنے والا ہے، اصلی دلی تعلق اسکے سوا کسی سے نہیں ہونا چاہئے، اپنے سارے کام اسکے سپرد کردیں اور اسکے سوا کسی کو اپنا کام بنانے والا اور مددگار مت سمجھیں اور یہ آرام سے کھاتے پیتے لوگ جو آپکو ساحر، مجنوں وغیرہ نام دیتے ہیں اور آپ کیساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اسے صبر کیساتھ برداشت کریں، ان سے لڑائی جھگڑا مت کریں، ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں اور کچھ دن ان کو مہلت دیں، ابھی ان سے لڑنے کا وقت نہیں آیا، ابھی صرف اللہ تعالٰی کی طرف متوجہ ہو کر اپنی قوتوں کو جمع کریں۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا: "هَجْرًا" بفتح الہاء کے لفظی معنٰی کسی چیز کو ناچاہتے ہوئے چھوڑنے کے آتے ہیں، معنٰی یہ ہوئے کہ جھٹلانے والے کافر جو کچھ آپ کو تکلیف کے کلمات کہتے ہیں آپ اسکا انتقام تو ان سے نہ لیں مگر ان سے تعلقات بھی نہ رکھیں، تعلق نہ رکھنے کے وقت انسان کی طبعی عادت یہ ہے کہ جس سے تعلق چھوڑا جائے اسکا شکوہ شکایت اور اس کو بُرا بھلا کہتا ہے؛ اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں سے تعلق توڑنے کا جو حکم دیا گیا تو ساتھ "هَجْرًا جَمِيْلًا" کی قید لگادی گئی کہ آپکی شان اور بلند اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ جن کافروں سے تعلق توڑیں تو اپنی زبان کو انہیں بُرا کہنے سے محفوظ رکھیں۔

مُنکروں کی سزا

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا

بیشک پاس ہمارے بیڑیاں ہیں اور دہکتی آگ (۱۲) اور کھانا والا اٹکنے گلے میں اور عذاب

اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا

دردناک (۱۳) جس دن کانپنے لگے گی زمین اور پہاڑ اور ہوجائینگے پہاڑ غبار

مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ

بہتا ہوا (۱۴) تحقیق ہم بھیجا ہم نے طرف تمہاری پیغمبر گواہی دینے والا پر تمہارے جیسا کہ

اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ

بھیجا ہم نے طرف فرعون کی ایک پیغمبر (۱۵) پس نافرمانی کی فرعون نے پیغمبر کی

فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾

پس پکڑا ہم نے اسے پکڑنا عبرتناک (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ: البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر۔(۱۲) اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک۔(۱۳) جس دن کہ کانپے گی زمین اور پہاڑ اور ہوجائیں گے پہاڑ بہتے ہوئے ریت کی طرح۔(۱۴) ہم نے تمہاری طرف پیغمبر بھیجا، تمہاری باتوں کا بتانے والا، جیسے ہم نے فرعون کے پاس پیغمبر بھیجا۔(۱۵) پھر فرعون نے پیغمبر کا کہنا نہ مانا، پھر پکڑا ہم نے اس کو، عبرتناک پکڑنا۔(۱۶)

لفظی تحقیق: غُصَّةٌ: گلے میں پھنس جانا۔ گلے میں کسی چیز کے پھنس جانے کو جو آسانی سے نیچے نہ اترے غصہ کہتے ہیں۔ كَثِيْبٌ: ریت کا ٹیلا، ڈھیر۔ مَهِيْلٌ: گرایا ہوا۔ اسم مفعول ہے (ہ ی ل) سے "هَيْلٌ" کے معنی خاک کا گرانا، پھیلانا "مَهِيْلٌ" گرایا ہوا، نیچے ڈھلکتا ہوا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان انکار کرنے والوں کیلئے ہمارے پاس بیڑیاں اور دہکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنس جانے والا کھانا اور دُکھ بھرا عذاب تیار ہے جو قیامت کے دن انہیں ملے گا، جب زمین لرزتی ہوگی اور پہاڑ ریت کا تودہ بن کر نیچے بیٹھے جارہے ہوں گے اور انکی خاک پھسل رہی ہوگی۔

ارشاد ہے کہ: اے لوگو! ہم نے تمہاری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جیسے فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، فرعون نے ہمارے پیغمبر کا کہنا نہ مانا اور انکو جھوٹا کہا، اس لئے فرعون پر اس نافرمانی کا دبال پڑا اور ہم نے اسے زور سے پکڑا اور وہ بری طرح ہلاک ہوگیا۔

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا: ہمارے پاس ایسے لوگوں کیلئے بیڑیاں ہیں اور دوزخ کی آگ ہے اور گلے میں اٹکنے والا کھانا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: جب دوزخی تھوہر یا زقوم کا لقمہ حلق میں ڈالے گا تو وہ سو سال تک وہیں اٹکا رہے گا، اس کو نیچے اتارنے کیلئے جب پانی کا گھونٹ پیئے گا تو وہ ایسا گرم ہوگا جو آنتوں کو کاٹ کر نیچے پھینک دے گا۔

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ: مکہ کے کافروں کو فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا کر اس سے ڈرایا گیا ہے کہ جس طرح فرعون اپنے پیغمبر کو جھٹلا کر عذاب میں گرفتار ہوا تم نے بھی وہی کیا تو سمجھ لو کہ تم پر بھی ایسا ہی کوئی عذاب دنیا میں آسکتا ہے، آخر میں فرمایا کہ: اگر دنیا میں کوئی عذاب نہ بھی آیا تو قیامت کے دن تو عذاب آ کر ہی رہے گا۔

عذاب سے نجات کا راستہ

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿١٧﴾ۖ

پس کس طرح | بچو گے تم | اگر | منکر ہوگئے تم | اس دن سے | جو کر ڈالیگا | بچوں کو | بوڑھا (۱۷)

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ
آسمان پھٹ جائیگا اسکے آتے ہی ہے وعدہ اسکا پورا کیا جانیوالا (۱۸) بیشک یہ نصیحت ہے

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ ع ۱۹ ۱۴
پس جو چاہے پکڑے طرف رب اپنے کے راستہ (۱۹) بیشک رب آپکا جانتا ہے کہ آپ کھڑے ہوتے ہیں

اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ
قریب سے دو تہائی رات کے اور آدھی رات اور تہائی رات اور کچھ لوگ میں سے ان لوگوں جو

مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ
ساتھ ہیں آپکے اور اللہ اندازہ سے مقرر کرتا ہے رات اور دن

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس تم کیسے بچو گے اگر تم نے انکار کیا اس دن سے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔(۱۷) اس دن آسمان پھٹ جائیگا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔(۱۸) بیشک یہ نصیحت کی باتیں ہیں لہٰذ جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنالے۔(۱۹) بیشک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ دو تہائی رات کے قریب اور کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات قیام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی رات دن کو مقرر کرتا ہے۔(۲۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اگر تم نے ہمارے پیغمبر کا کہنا نہ مانا اور اس قرآن مجید پر عمل نہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کیسے بچو گے، اگر دنیا میں بچ بھی گئے تو قیامت کے دن تو نہیں بچ سکتے، وہ ایسا ڈراونا اور ہولناک دن ہوگا کہ اسے دیکھ کر مارے ڈر کے بچے بوڑھے ہو جائیں گے، آسمان پھٹ پڑیں گے، یاد رکھو! اس دن کا وعدہ پکا ہے جو پورا ہو کر رہے گا، بہرحال ہم نے یہ قرآن مجید آپ کو سمجھانے اور یاد دلانے کیلئے بھیجا ہے اور اس میں تمہاری بھلائی کی ساری باتیں سمجھا دی گئی ہیں، یہ ایک نصیحت نامہ ہے، یہ ہر ایک کو اس کے رب کی طرف پہنچنے کا راستہ

بتاتا ہے، اب جو چاہے اس راستہ کو اختیار کرسکتا ہے اور اپنے رب کے پاس پہنچ کر اسکی رضامندی حاصل کرسکتا ہے۔

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! ہم نے دیکھ لیا کہ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے ہمارے حکم کو پورا کیا اور تہجد کیلئے راتوں میں کبھی دو تہائی کے قریب، کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات نماز میں کھڑے گزاری، رات اور دن کا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، تمہیں وقت کے اندازہ میں دشواری پیش آئی اور بہت سے ساری ساری رات کھڑے رہے اور عبادت کرتے رہے۔

سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے رات کو قیام کا حکم دیا، یہ حکم سال بھر تک نافذ رہا اور تہجد کی نماز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام پر فرض رہی، اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: سورۃ کے پہلے اور دوسرے رکوع کے درمیان بارہ مہینے کا وقفہ ہے اور اس دوران تہجد کی نماز فرض رہی، البتہ دوسرا رکوع اترنے پر اس آیت کے ذریعہ فرضیت ختم ہوگئی، یعنی: اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی مگر امت کے حق میں اس کا استحباب باقی ہے بلکہ تمام نفلی نمازوں میں تہجد کی نماز کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔

اسکی مثال دوسرے حکموں میں ایسی ہے جیسے ابتداء میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا، پھر بعد میں جب رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت اٹھ گئی، تاہم اسکا استحباب اب بھی باقی رہا، اسی طرح تہجد بھی ابتداء میں فرض تھی مگر ایک سال بعد اسکی فرضیت ختم کردی گئی۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ: بیشک آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ رات کو دو تہائی حصہ یا نصف حصہ یا ایک تہائی حصہ قیام کرتے تھے اور نہ صرف آپ خود قیام کرتے تھے بلکہ آپ کیساتھ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے وہ بھی ایسا ہی کرتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم شروع میں سب کیلئے تھا، یعنی: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی کبھی دو تہائی رات، کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات قیام کرتے تھے، حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی نماز میں اتنا لمبا قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں میں سوجن آجاتی تھی اور یہی حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

سہولت اور آسانی

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ فَتَابَ عَلَیْکُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ

جان لیا اس نے کہ ہرگز نہ پورا کرسکو گے تم اسے پس مہربانی کی پر تم پس پڑھو جتنا آسان ہو سے

الْقُرْاٰنِ ط عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی لا وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ

قرآن جان لیا کہ ہونگے میں سے تم بیمار اور کتنے اور پھریں گے

فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ لا وَ اٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ

میں زمین تلاش کرتے ہوئے سے فضل اللہ کے اور کتنے اور لڑتے ہونگے میں

سَبِیْلِ اللّٰہِ ز فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ لا وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا

راستے اللہ کے پس پڑھو جتنا آسان ہو میں سے اس اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو

الزَّکٰوۃَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ط وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ

زکوٰۃ اور قرض دو اللہ کو قرض اچھا اور جو آگے بھیجو گے واسطے اپنی جانوں کے

مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ط وَ

کوئی نیکی پاؤ گے تم اسے پاس اللہ کے اسے بہتر اور زیادہ بڑھی ہوئی ثواب میں اور

اسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱ ۱۴

معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس نے جانا کہ تم اس حکم کو پورا نہ کرسکو گے سو اس نے تم پر مہربانی کی، اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے، جانا کہ تم میں کتنے ہی بیمار ہوں گے، اور کتنے اور لوگ پھریں گے، ملک میں اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو ڈھونڈتے ہوئے اور کتنے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہوں گے سو پڑھ لیا کرو جتنا اس میں

سے آسان ہو، اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ تعالیٰ کو قرض دو اچھی طرح قرض دینا، اور جو کچھ کوئی نیکی اپنے واسطے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۲۰)

لفظی تحقیق: لَنْ تُحْصُوْهُ: ہرگز پورا نہ کرسکو گے۔ اصل میں "تُحْصُوْنَ" ہے "لَنْ" کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کو ہمیشہ پوری طرح نبھانا مشکل ہے اس لئے اس نے تم پر مہربانی کی، لوگوں کو وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا اس وجہ سے تہجد کی نماز میں بڑی مشکل ہوتی تھی، چنانچہ کوئی ایک سال تک فرض رہنے کے بعد اس سے معافی دی گئی، اب جس سے اٹھا جائے اور جتنا پڑھا جائے تہجد میں پڑھ لے اور وقت اور تلاوت میں کوئی شرط نہیں کہ کس وقت پڑھی جائے اور کتنی تلاوت کی جائے کوئی قید نہیں۔

ارشاد ہے کہ: یہ دیکھا گیا کہ تم میں سے بہت سے بیمار بھی ہوں گے اور بعض لوگ تجارت کی غرض سے سفر کرتے ہوں گے، کچھ علم سیکھنے کیلئے دور تک جائیں گے، پھر کچھ لوگ دشمنوں سے لڑنے بھی نکلے ہوں گے اور پوری طرح رات کو اٹھ کر نماز نہ پڑھ سکیں گے؛ اس لئے عام مسلمانوں کیلئے اب تہجد کی نماز فرض نہیں رہی، البتہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے حکم جاری ہوا کہ تہجد پڑھا کریں اور عام حکم یہ ہوگیا کہ جس سے ہو سکے رات کو اٹھ کر جتنی نماز پڑھ سکے پڑھ لے اور قرآن مجید بھی جتنا آسانی سے پڑھا جا سکے تلاوت کرے، ابتداء میں تہجد فرض تھی اس لئے کہ مسلمانوں کو عبادت میں محنت و مشقت کی عادت اور خواہشوں پر قابو پانے کی مشق ہو جائے اور اس طرح محنت اور ریاضت کر کے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

ارشاد ہے کہ: فرض نمازیں باقاعدہ ادا کرتے رہیں اور غریبوں کیلئے اپنے مال میں سے مقرر حصہ نکالتے

رہیں، اسکے علاوہ بھی جو کچھ خالص نیت کیساتھ غریب مسلمانوں پر خرچ کریں گے وہ گویا اللہ تعالیٰ کو قرض دیں گے، یہ قرض خوشی اور فراخ دلی کیساتھ دینا چاہئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ ادا کرے گا اور جو کچھ اس کیلئے نیکی کی جائیگی وہ اسکا بہت اچھا بدلہ دے گا اور اس کا ثواب بہت بڑا ہوگا، اس کیساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے بخشش بھی مانگتے رہا کرو، کیونکہ انسان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کچھ نہ کچھ کمی کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، استغفار کرتے رہو گے تو وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا، وہ غفور الرحیم ہے، نمازوں کے ادا کرنے، زکوٰۃ دینے، صدقہ خیرات اور نیک کام کرتے رہنے کا ثواب قیامت کے دن بہت بڑھا کر دیا جائیگا، بشرطیکہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کیلئے اور اسکی رضامندی حاصل کرنے کی نیک نیتی کیساتھ کئے جائیں۔

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اس کو پورا نہ کرسکو گے، یعنی: سخت حکم ہے رات کو اتنا لمبا قیام کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، اسکے بعد ان کاموں کا ذکر بھی کردیا جن کی وجہ سے یہ کام مشکل ہے، لہٰذا ارشاد ہوا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مہربانی فرمائی یعنی قیام میں مہربانی کیساتھ تخفیف کردی گئی ہے، اب دو تہائی یا نصف یا ایک تہائی رات کا قیام ضروری نہیں ہے بلکہ جتنا تمہارے لئے آسان ہو اتنا ہی قرآن مجید پڑھ لیا کرو۔

وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ: تم جو بھی نیکی آگے بھیجتے ہو خواہ وہ قیام الیل ہو، ذکر ہو، تسبیح ہو، صدقہ خیرات ہو، نماز ہو، نیکی کا حکم ہو یا برائی سے منع کرنا ہو، کوئی بھی نیکی ہو تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں پاؤ گے، وہ بہتر ہے اور اجر کے حساب سے بڑی ہے، یعنی: اسکا اجر بہت بڑا ہے، انسان جو بھی بھلائی کا کام کرتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے جس کا اجر انسان آخرت میں پالے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیتے ہیں۔

آیاتھا — ۵۶ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ۲

سورۃ المدثر مکی ہے اس میں چھپن آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

انسان کی اصلاح کی تیاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَ ثِيَابَكَ
اے کپڑے میں لپٹنے والے (۱) کھڑے ہوں پس ڈرائیں (۲) اور رب اپنے کی پس بڑائی بیان کریں (۳) اور اپنے کپڑوں کو

فَطَهِّرْ ۝۴ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَ لِرَبِّكَ
پاک رکھیں (۴) اور گندگی پس دور رہیں اس سے (۵) اور نہ احسان کریں زیادہ طلب کرنے کو (۶) اور رب اپنے کیلئے

فَاصْبِرْ ۝۷ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹
پس صبر کریں (۷) پس جب پھونکا جائے میں صور (۸) پس وہ اس دن وقت ہے سخت (۹)

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝۱۰
پر کافروں نہیں آسان (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: اے لحاف میں لپٹنے والے۔ (۱) کھڑے ہوں اور لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں۔ (۲) اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ (۳) اور اپنے کپڑے پاک رکھیں۔ (۴) اور گندگی سے دور رہیں۔ (۵) اور ایسا نہ کریں کہ احسان کریں اور بہت بدلہ چاہے۔ (۶) اور اپنے رب کیلئے صبر کریں۔ (۷) پھر جب صور میں پھونکا جائے۔ (۸) پس وہ اس دن مشکل دن ہے۔ (۹) نہیں آسان کافروں پر۔ (۱۰)

لفظی تحقیق: اَلْمُدَّثِّر: لحاف اوڑھنے والے۔ اصل میں "اَلْمُتَدَثِّرُ" ہے جو اسم فاعل ہے "تَدَثُّر"

سے "تَدَثُّر" کے معنیٰ ہیں دِثار اوڑھ لینا اور دِثار وہ کپڑا ہے گرم ہونے کیلئے اوپر سے اوڑھ لیا جائے، جیسے کمبل، رضائی، لحاف۔ الرُّجزَ: ناپاکی۔ اس سے مراد گندے کام ہیں جن میں بت پرستی بھی داخل ہے۔ نُقِرَ: بجایا جائے۔ ماضی مجہول ہے (ن ق ر) سے "نَقْرٌ" کے معنیٰ بجانا "نَاقُوْرٌ" بگل، اندر سے خالی نلی جو پھونک مارنے سے بجے، یہاں اس سے مراد صور ہے۔

تفسیر

"سورۂ مدثر" قرآن مجید کی ان سورتوں میں سے ہے جو قرآن مجید کے اترنے کے شروع میں نازل ہوئیں اور صحیح روایت کے مطابق سب سے پہلے "سورۂ اقراء" کی ابتدائی آیتیں اتریں پھر کچھ مدت تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پیغمبر ﷺ مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے اوپر سے کچھ آواز سنی تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں "سورۂ اقراء" کی آیتیں لے کر آیا تھا وہی آسمان کے نیچے فضاء میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اس کو اس حال میں دیکھ کر پیغمبر ﷺ پر وہی خوف طاری ہوگیا جو غارِ حراء میں طاری ہوا تھا، سخت سردی اور کپکپی کی وجہ سے آپ گھر میں تشریف لے گئے اور فرمایا: مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو، آپ کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے اس پر "سورۂ مدثر" کی شروع کی آیتیں اتریں۔

حضرت محمد ﷺ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ: اے چادر میں لپٹے ہوئے اٹھو اور اپنے کام کیلئے تیار ہو جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تمہارے پاس پیغام لے کر آیا ہے کہ اس کے عذاب سے ڈرو، اگر یہ پیغام تم نے سنا اور اس کو مان کر اس پر عمل نہ کیا تو تمہارا انجام اچھا نہ ہوگا، تمہیں دنیا میں رسوائی حاصل ہوگی اور آخرت میں سخت عذاب ملے گا۔

پس اپنے رب کی بڑائی بیان کریں، اپنے لباس کو پاک رکھیں گندگی سے، گندے کاموں اور گندی باتوں سے الگ رہیں، کسی کیساتھ احسان اس ارادہ سے مت کریں کہ اس سے اسکا بڑھ چڑھ کر بدلہ لیا جائیگا، ہمت بلند رکھیں، اللہ تعالیٰ کیلئے دوسروں کی مدد کرو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مشقتیں اور مصیبتیں پیش آئیں انہیں صبر کیساتھ

برداشت کریں اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی ہر وقت امید رکھیں، جب قیامت آئیگی اور صور پھونکا جائیگا وہ دن اور اس میں صور پھونکنے کا وقت خاص طور پر مشکل ہوگا، جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انکار کیا ہوگا ان کو اس دن بڑی مشکل کا سامنا ہوگا اور ان کی جان پر بن آئیگی۔

وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ: کسی پر ایسا احسان نہ کریں جس کا بدلہ زیادہ طلب کریں، کسی کیساتھ احسان کرنا انسانیت کی تقاضہ ہے مگر اس احسان کے عوض میں کوئی مفاد حاصل کرنا یا اسکی خواہش ہی دل میں رکھنا احسان کے خلاف ہے، احسان کر کے جتلانا احسان کو ضائع کر دیتا ہے اور یہ عدل کے بھی خلاف ہے کہ مہربانی کرے اور پھر اسکا معاوضہ یا بدل طلب کرے، اور عدل ہی ایسی چیز ہے جس سے اجتماعی کام آسانی سے ہوسکتے ہیں، اگر عدل نہیں ہوگا تو اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچے گا اور سارا نظام ہی خراب ہوجائیگا۔

مُنکروں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو

ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّ
چھوڑیئے مجھے اور اسے جسے میں نے پیدا کیا تنہا (۱۱) اور کر دیا لئے اسکے مال پھیلایا ہوا (۱۲) اور

بَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾
(بنائے) بیٹے حاضر باش (۱۳) اور تیار کر دیا لئے اسکے خوب سامان (۱۴) پھر امید رکھتا ہے کہ اور بھی دوں (۱۵)

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ
ہرگز نہیں بیشک وہ ہے آیتوں ہماری کا نہ ماننے والا (۱۶) عنقریب چڑھاؤنگا اسے چڑھائی پر (۱۷) تحقیق اس نے سوچا اور

قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾
رائے قائم کی (۱۸) پس مرے وہ کیسی رائے قائم کی (۱۹) پھر وہ مرے کیسی رائے قائم کی (۲۰) پھر دیکھا (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔چھوڑیئے مجھ کو اور اس کو جسے میں نے پیدا کیا اکیلا۔(۱۱) اور میں نے اسے مال دیا ہر طرف پھیلا ہوا۔(۱۲) اور بیٹے دیئے مجلس میں بیٹھنے والے۔(۱۳) اور اس کیلئے خوب تیاری کر دی۔(۱۴) پھر

لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں۔(۱۵) ہرگز نہیں! وہ ہماری آیتوں کا منکر ہے۔(۱۶) اب میں اسے بڑی چڑھائی چڑھاؤں گا۔(۱۷) اس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرالیا۔(۱۸) پس مرے وہ کیسی (بُری) رائے قائم کی اس نے۔(۱۹) پھر مارا جائے کیسی (بُری) رائے قائم کی اس نے۔(۲۰) پھر نگاہ کی۔(۲۱)

تفسیر

مکہ کا ایک رئیس ولید بن مغیرہ بڑی دولت والا تھا، اسکے بیٹے بھی بہت تھے جنکی تعداد دس لکھی ہے اور ہر وقت گھر ہی میں رہتے اور ہر مجلس میں شامل ہوتے اور باپ کا وقار بڑھاتے، یہ شاعر بھی تھا اور زبان خوب جانتا تھا، یہ آپ سے قرآن مجید سُن کر بہت متاثر ہوا اور قریب تھا کہ ایمان لے آئے، اتنے میں ابوجہل وغیرہ اسکے پاس پہنچے اور کہا کیوں اپنا اور اپنے باپ دادا کا نام ڈبوتے ہو، اتنے بڑے آدمی ہوکر ایک بچے کی پیروی کرتے کیا اچھے لگوگے، یہ سُن کر وہ سوچ میں پڑ گیا اور سوچ سوچ کر کافروں کے خوش کرنے کو یہ رائے ظاہر کی کہ یہ کلام جادو ہے اور جادو کے بڑے استادوں سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے، ایمان والوں کی جنت کی نعمتوں کا ذکر سنا تو بولا مجھے بھی یہاں سب کچھ ملا ہے اور وہاں بھی ملے گا۔

ان آیتوں میں ارشاد ہو رہا ہے کہ: اس کو میں نے پیدا کیا تو یہ تنہا تھا اور اسکے پاس کچھ نہ تھا، میں نے ہی اسے مال و دولت، حکومت، اولاد، عزت سب کچھ دیا، اسکا دعویٰ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کو یہ کچھ ملے گا تو یہ اسکا غلط خیال ہے، اس نے تو ہماری آیتیں سن کر انکی مخالفت کی ہے اب اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا، وہ چڑھتا اور گرتا رہے گا، ستر برس میں اسکی چوٹی پر پہنچے گا اور پھر وہاں سے گر پڑے گا۔

اس نے خوب سوچ کر ہماری آیتوں کا انکار کیا پھر نظر اٹھا کر لوگوں کی طرف دیکھا جو سارے کے سارے اس کے فیصلے کے منتظر بیٹھے تھے کہ دیکھیں یہ ہماری باتوں کا کیا جواب دیتا ہے، مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ: یہاں جس دولت مند شخص کہ طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ولید ابن مغیرہ ہے، تاریخ سے ثابت ہے کہ ان آیتوں میں ذکر کردہ باتیں اسی شخص کیساتھ ہوئی تھیں۔

ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا: ارشاد ہو رہا ہے کہ: آپ چھوڑ دیں مجھے اور اس شخص کو جس کو میں نے پیدا کیا اکیلا، اگر فاعل سے حال بنایا جائے تو اسکا معنٰی ہوگا، جس کو پیدا کیا میں نے تنہا، کیونکہ پیدا کرنے میں اس کیساتھ کوئی شریک نہیں، ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ میں نے اس شخص کو پیدا کیا ہے اسکی پیدائش میں کوئی شریک نہیں، لہٰذا میں اس سے نپٹ لوں گا۔

وَ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا: میں نے اسے لمبا چوڑا مال دولت دیا یعنی مال کی تمام قسمیں اسے عطاء کیں، ولید ابن مغیرہ مکہ کے سرداروں میں سے تھا، اس کے پاس زمین اور باغات تھے، تجارت اور نقدی تھی اور مویشی بھی تھے، یہ تینوں قسم کے مال ولید کے پاس تھے، طائف میں اسکا باغ تھا، سال بھر موسم کے مطابق اسکی پیداوار آتی رہتی تھی، کوئی موسم ایسا نہ تھا جس میں کوئی نہ کوئی آمدنی نہ ہوتی ہو۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں ہیں: مجموعی طور پر ایک کروڑ درہم سالانہ اسکی آمدنی تھی، اس دور میں اتنی بڑی آمدنی والا شخص بڑی پوزیشن کا مالک تھا، آجکل تو عرب پتی لوگ بھی موجود ہیں مگر اس زمانے میں ایک کروڑ کی آمدنی بہت بڑی بات تھی، تجارت میں ہر وقت لاکھ دو لاکھ کی سرمایہ کاری ہوتی تھی، ڈیڑھ دو سو غلام ہوتے تھے، کوئی شام سے قافلہ آرہا ہے، کوئی یمن سے آرہا ہے، کوئی کہیں جارہا ہے، کہیں سے اناج آرہا ہے، کہیں کپڑے کی تجارت ہورہی ہے، کہیں کھالوں کا کاروبار ہے، کہیں دوسرے سامان کا لین دین ہے، غرض مال و دولت کی ہر وقت فراوانی تھی اور مویشی اور بھیڑ بکریاں بھی بہت تھیں۔

اور مجلس میں حاضر ہونے والے بیٹے بھی دیئے، وہ بیٹے جو عزت و وقار کا سبب تھے اور کام کاج میں ہاتھ بٹاتے تھے، بیٹوں کی تعداد بعض روایتوں میں تیرہ ہے مگر عام مشہور دس کی تعداد ہے، ولید خود اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا، وراثت میں بھی کافی مال ملا تھا، خود بھی خوب کمایا، بڑا چوہدری اور سردار تھا، ہر کوئی احترام کرتا تھا، ولید خود اور اسکے بعض بیٹے کفر کی حالت میں مرے، البتہ اسکے چار بیٹوں نے اسلام قبول کیا، خالد بن ولید اسی ولید کے بیٹے تھے، جن کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، یہی خالد بن ولید عظیم

المرتبت جرنیل تھے جنہوں نے شام فتح کیا، یرموک کی لڑائیاں لڑیں، عراق کی لڑائیوں میں غلبہ پایا، کافروں کو مغلوب کیا، جنگ اُحد تک تو اسلام کے مخالفین کیساتھ رہے، مسلمانوں کو اُحد کے میدان میں انہی کی وجہ سے بھاری نقصان اٹھانا پڑا، مگر بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اسلام کی طرف پلٹ دیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی تلوار ثابت ہوئے۔

كَلَّآ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا: یہ شخص ہماری آیتوں کیساتھ ضد رکھتا تھا، وہ اس بات کا سخت دشمن تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کامیاب ہوجائے، وہ تو اپنی سرداری قائم رکھنا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ہم نے بھی فیصلہ کرلیا کہ ہم اس کو چڑھائی پر چڑھائیں گے یعنی دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھا کر نیچے گرائیں گے۔

کافر نے کیا کِیا؟

ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ
پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا(۲۲) پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا (۲۳) پس کہا نہیں یہ

اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾
مگر جادو پہلے سے چلا آتا ہے(۲۴) نہیں یہ مگر کلام آدمی کا(۲۵) عنقریب داخل کرونگا اسے آگ میں(۲۶)

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾
اور کس نے بتایا تجھے کیا ہے آگ (۲۷) نہ باقی رکھے اور نہ پیچھا چھوڑے(۲۸) جھلس دینے والی آدمی کو (۲۹)

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾
مقرر ہیں اس پر انیس محافظ (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔(۲۲) پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔(۲۳) پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا۔(۲۴) اور کچھ نہیں یہ آدمی کی بات ہے۔(۲۵) (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں) اب اس کو آگ میں ڈالوں گا۔(۲۶) اور تو کیا سمجھا کہ آگ کیسی ہے۔(۲۷) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔

(۲۸) آدمیوں کو جلا دینے والی۔ (۲۹) اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ (۳۰)

لفظی تحقیق: لَوَّاحَةٌ: جھلس دینے والی، جلا کر بگاڑ دینے والی۔ (ل و ح) سے "لَوْحٌ" کے معنیٰ بگاڑ دینے، متغیر کرنے کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس کافر نے سوچ کر ایک رائے قائم کی، پھر نگاہ اٹھا کر دیکھا، پھر ماتھے پر بل ڈالا، پھر منہ بنایا، پھر منہ پھیر لیا اور اکڑنے لگا، پھر بولا کچھ نہیں یہ تو جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے، یہ تو آدمی ہی کا کلام ہے اور کسی کا نہیں۔

فرمایا: میں اسکی اس گستاخی کی اسے یہ سزا دوں گا کہ اسے دوزخ میں ڈال دوں گا اور تمہیں کیا معلوم کہ دوزخ کیا ہے، وہ کوئی معمولی آگ نہیں بلکہ ایسی تیز آگ ہے کہ سب کچھ جلا ڈالے گی اور کچھ بھی نہ چھوڑے گی اور جلا جلا کر بدن کا حلیہ بگاڑ دے گی، پھر اس پر انیس نگہبان پہرہ دے رہے ہیں۔

ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ: پھر تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا، پھر پشت پھیری اور تکبر کیا کہ یہ محمد کیا بات کرتے ہیں انکی بات کچھ معنیٰ نہیں رکھتی، تکبر کیا جیسے سورۃ القیامۃ میں آئیگا کہ گھر کی طرف جا رہا ہے جیسے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے کر جا رہا ہو، حالانکہ اس نے پیغمبر ﷺ کی بات کو جھٹلایا، نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، نہ ہی نیکی کی، بلکہ اکڑتا ہوا جا رہا ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کرتا، طہارت اور پاکیزگی کو اختیار کرتا، حلال وحرام میں تمیز کرتا، برخلاف اسکے اس نے کفر اور غرور کیا۔

حق کو ماننے کے بجائے کہتا ہے یہ محمد (ﷺ) جادو کی بات کرتا ہے، پہلے بھی جادوگر ہوا کرتے تھے جو اپنے جادو کے ذریعے لوگوں کو متاثر کرتے تھے، اسی طرح یہ بھی جادو کر رہا ہے، اس قسم کا پروپیگنڈا ایک دولتمند اسلام کے پروگرام کے خلاف کر رہا ہے، اس کو جادو اس لئے کہتے تھے کہ اور کوئی بات درست نہیں بیٹھتی تھی جیسا

کہ پہلی سورۃ میں گزر چکا ہے، کبھی شاعر کہتے مگر شاعری والی بات نہ پاتے، پھر کاہن کہتے تو اس میں بھی کامیاب نہ ہوتے، جادوگر کہتے تو اسکا ثبوت بھی پیش نہ کر پاتے اور سوچتے کہ آخر بات کیا ہے کہ آپ کی بات لوگوں پر اثر کرتی ہے اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ تو انسان کا کلام ہے اللہ تعالیٰ کا نہیں، اسلام کی مخالفت میں یہ آخری حربہ استعمال کرتے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے سے انکار کردیتے۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ: یعنی: دوزخ میں سزا دینے کیلئے انیس فرشتے مقرر ہیں، اس پر مشرکوں نے اعتراض کیا، ابوالاسود بن کلدہ جمحی پہلوان تھا، انیس کے عدد پر مذاق کرتا تھا، کہنے لگا کہ انیس میں سے سترہ فرشتوں کو تو میں پکڑلوں گا اور کیا تم سب مل کر بھی باقی دو سے نہ نمٹ سکو گے، اس قسم کا مذاق کرتا تھا، ابوجہل بھی کہتا تھا کہ دوزخ پر مقرر انیس فرشتوں کا مقابلہ ہم کر سکتے ہیں۔

وہاں فرشتوں سے واسطہ ہوگا

وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ
اور نہیں بنائے ہم نے محافظ آگ کے مگر فرشتے اور نہیں رکھی ہم نے گنتی انکی

اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ
مگر جانچنے کو ان لوگوں کے جو کافر ہوئے تاکہ یقین کرلیں وہ جنہیں دی گئی کتاب اور

يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
بڑھے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ایمان اور نہ شک میں پڑیں وہ لوگ جنہیں دی گئی کتاب

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ
اور ایمان والے اور تاکہ کہیں وہ لوگ کہ میں دلوں جنکے مرض ہے اور کافر لوگ

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ
کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے سے اس مثال دیکر اسی طرح گمراہ کرتا ہے اللہ جسے چاہے اور

يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ مَا هِىَ
راہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور نہیں جانتا لشکروں کو رب آپکے کے مگر وہ خود اور نہیں وہ

اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ كَلَّا وَ الْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَ
مگر نصیحت واسطے لوگوں کے (۳۱) ہرگز کچھ اور مت سمجھو اور قسم چاند کی (۳۲) اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیرے (۳۳) اور

ع ۱ | ۳۱ | ۱۵

الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا
صبح کی جب روشن ہو (۳۴) بیشک وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں سے (۳۵) ڈرانے والی

لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾
لوگوں کو (۳۶) اس کو جو چاہے میں سے تم کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے جو دوزخ پر محافظ فرشتے مقرر کئے ہیں اور انکی جو گنتی رکھی ہے وہ کافروں کی آزمائش کیلئے ہے، تاکہ یقین کرلیں وہ لوگ جنہیں کتاب ملی ہے اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے، اور جن کو کتاب ملی ہے وہ اور مسلمان دھوکہ نہ کھائیں اور تاکہ وہ لوگ جن کے دل میں مرض ہے، اور کافر کہیں گے کہ کیا غرض تھی اللہ تعالیٰ کی یہ مثال دینے میں، یوں گمراہ کرتا ہے اللہ جسے چاہے اور راہ دیتا ہے جسے چاہے، اور آپ کے رب کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا مگر وہی، اور وہ دوزخ نہیں ہے مگر یہ نصیحت ہے انسانوں کیلئے۔ (۳۱) اور قسم ہے چاند کی۔ (۳۲) اور رات کی جب پیٹھ پھیرے۔ (۳۳) اور صبح کی جب روشن ہو۔ (۳۴) وہ دوزخ تو بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔ (۳۵) لوگوں کو ڈرانے والی ہے۔ (۳۶) جو کوئی تم میں سے آگے بڑھے یا پیچھے رہے۔ (۳۷)

تفسیر

اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ دوزخ پر انیس پہریدار مقرر ہیں، یہ سُن کر کافر ہنسی اڑانے لگے کہ

ہم ہزاروں کی تعداد میں ہیں انیس فرشتے ہمارا کیا بگاڑ لیں گے، اس آیت میں ان سے کہا جارہا ہے کہ دوزخ کے نگہبان تو فرشتے ہیں جن میں سے ایک ہی فرشتے نے لوط کی قوم کی بستی کو اٹھا کر اُلٹ دیا تھا، تم سب مل کر بھی ایک فرشتے سے نہیں جیت سکتے انیس سے تو کیا جیتو گے، انیس کی تعداد تو ہم نے کافروں کی جانچ کیلئے رکھی ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ اس کو مان کر ڈرتے ہیں یا اسکی ہنسی اڑاتے ہیں۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیتوں میں سچی بات بتادی ہے اور یہی بات کھوٹے کھرے کو الگ الگ کر کے رکھ دیتی ہے، ایماندار کہتے ہیں کہ ہم نے یقین کرلیا کہ بات تو یونہی ہے، چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ یونہی ہے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سیدھا راستہ دکھایا اور جن کے دل اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ اس بات میں بہانے بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی، یہ لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستے سے ہٹادیا، اس طرح ایک ہی آیت بعض کیلئے ہدایت اور بعض کیلئے گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے لشکر بیشمار ہیں جنہیں اسکے سوا کوئی نہیں جانتا، ان میں سے دوزخ اور اسکے محافظوں کا ذکر کردیا ہے تاکہ لوگ سُن کر اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈریں، لوگوں کا شک وشبہ سب فضول ہے، حقیقت یہی ہے کہ قیامت بڑی ہولناک اور ڈراؤنی چیزوں میں سے ایک ہے، واقعی اس سے ہر عاقل بالغ کو ڈرنا چاہیے، تمہیں اگر اس کے آنے میں کچھ شبہ ہو تو دنیا میں چاند کی حالت پر غور کرو، اس کا بڑھنا اور پھر گھٹ جانا بتادے گا کہ یہ دنیا بھی جو اس وقت بہت اچھی اور بڑھی ہوئی نظر آرہی ہے یہ بھی ایک دن ختم ہوجائے گی، ایسے ہی اندھیری رات کے بعد روشن دن کا آنا بتاتا ہے کہ اس دنیا کی حقیقت جو اس وقت چھپی ہوئی ہے ایک دن صاف ظاہر ہوجائے گی۔

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: یعنی: ہم نے یہ تعداد کافروں کی آزمائش کیلئے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب کو یقین آجائے، کیونکہ اہل کتاب کو علم ہے کہ ان کی کتابوں میں بھی انیس کا ذکر آیا ہے،

اب جبکہ قرآن مجید بھی یہی تعداد بیان کر رہا ہے تو انہیں اس تعداد پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے بلکہ یقین آ جانا چاہئے، اسکی دوسری حکمت یہ ہے کہ ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ ہو اور ان کا ایمان تازہ ہو کہ پہلی کتابوں میں بھی یہی بات ہے اور ہماری کتاب میں بھی یہی ہے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہل کتاب اور مؤمن کسی غلط بات سے دھوکہ نہیں کھائیں گے، البتہ جن لوگوں کے دلوں میں منافقت کا مرض ہے یا جو کافر ہیں وہ کہیں گے کہ اس مثال کو بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے، دوسری جگہ فرمایا کہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی اور مچھر کی مثال بیان کی ہے، کیا خدا کے پاس کوئی اور مثال نہیں تھی، یہاں بھی انہوں نے یہی اعتراض کیا کہ انیس کی تعداد بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے کونسی مثال بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: انکے اعتراضات کی وجہ سے ان کی گندگی اور نجاست بڑھتی رہے گی مگر سمجھدار اہل ایمان یقین کر لیں گے کہ واقعی قرآن مجید کا بیان پہلی کتابوں کے مطابق ہے، ایمان والوں کا تو ہر حکم پر ایمان ہے اور ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسی طرح بہکاتا ہے، گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

انیس فرشتوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ: فرشتوں کی کل تعداد صرف انیس نہیں ہے، انکی تعداد بہت زیادہ ہے، آپ کا رب ہی ان لشکروں اور ان کی تعداد کو جانتا ہے اور کسی کے علم میں نہیں ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ: چاند کی قسم ہے، چاند کی قسم کھانے سے مراد یہ ہے کہ دیکھئے چاند کس طرح آہستہ آہستہ مکمل ہوتا ہے، یعنی: اپنے پورے کمال تک پہنچتا ہے، حالانکہ پہلے دن وہ بالکل ہلال ہوتا ہے، مطلب یہ کہ اگر آج اسلام اور مسلمان کمزور نظر آتے ہیں تو یاد رکھو! وہ دن دور نہیں جب یہی لوگ اپنے کمال تک پہنچیں گے، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی قوم قریش نے آپکی مخالفت کی مگر انہی میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو ابتداء ہی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔

وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ: مراد یہ ہے کہ اسلام صبح کی روشنی کی طرح دنیا میں پھیلے گا، جس طرح سورج نکلتا ہے اور ہر ایک کو بیدار ہونا ہی پڑتا ہے اسی طرح اسلام کی روشنی ہر ایک تک پہنچے گی اور اس سے کوئی محروم نہیں

رہے گا، یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ قرآن مجید جادو ہے یا انسان کا قول ہے ایسا ہرگز نہیں ہے، جس طرح سورج کے طلوع ہونے پر رات کی تاریکی چلی جاتی ہے اسی طرح دنیا میں اسلام کی روشنی سے کفر و شرک کا اندھیرے ختم ہو جائیں گے، کفر مغلوب ہوگا اور اسلام غالب ہوگا۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ: اب تم میں سے جو چاہتا ہے اس دین کو لیکر آگے بڑھے یا اگر وہ اس قدر ہمت نہیں پاتا تو پیچھے ہٹ جائے، دین کو بہرحال دنیا کے سامنے پیش ہونا ہے "لِمَنْ شَآءَ" سے مراد ہے اپنی رضا و رغبت سے جو اس دین کے کام میں حصہ لینا چاہتا ہے وہ آگے بڑھے۔

آگے بڑھنے والوں کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت سعید رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔

یہاں تقدم سے مراد تقدم الی الایمان والطاعۃ اور تاخر سے مراد ایمان و اطاعت سے پیچھے ہٹنا ہے، مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے عذاب سے ڈرانا جو اوپر کی آیت میں ہے یہ ہر ایک انسان کیلئے عام ہے، پھر کوئی یہ ڈر سُن کر ایمان و اطاعت کی طرف آگے بڑھے گا اور کوئی بدنصیب اسکے باوجود پیچھے رہ جاتا ہے۔

عمل کی اہمیت

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ فِيْ
ہر شخص انہیں جو اس نے کمایا پھنسا ہوا ہے (۳۸) مگر والے دائیں (۳۹) میں

جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾
باغوں ایک دوسرے سے پوچھتے ہونگے (۴۰) بارے مجرموں (۴۱) کیا چیز چلا لائی تم کو میں دوزخ (۴۲)

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾

وہ کہیں گے نہ تھے ہم میں سے نماز پڑھنے والوں (۴۳) اور نہ تھے ہم کھلاتے محتاج کو (۴۴)

وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾

اور تھے ہم دھنسے رہے باتوں میں کیساتھ دھنسے رہنے والوں (۴۵) اور تھے ہم جھٹلاتے دن جزاسزا کے کو (۴۶)

حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾

یہاں تک کہ آگئی ہمیں موت (۴۷) پس نہ نفع دیگی انہیں سفارش سفارش والونکی (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہر ایک جی اپنے کئے ہوئے کاموں میں پھنسا ہوگا۔(۳۸) مگر داہنی طرف والے۔(۳۹) باغوں میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہوں گے۔(۴۰) مجرموں کے حال کے بارے میں۔(۴۱) کیا چیز چلا لائی تم کو دوزخ میں۔(۴۲) وہ بولیں گے ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔(۴۳) اور محتاج کو کھانا نہ کھلاتے تھے۔(۴۴) اور باتوں میں دھنسنے والوں کیساتھ ہم بھی دھنسے رہے۔(۴۵) اور جھٹلاتے تھے انصاف کے دن کو۔(۴۶) یہاں تک آپہنچی ہم پر موت۔(۴۷) پس ان کے کام نہیں آئیگی سفارش کرنے والوں کی سفارش۔(۴۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی شغل میں لگا ہوا ہے، اس کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑے گا، وہ اپنے کاموں میں قید ہے اور انکی بندش میں جکڑا ہوا ہے، اس سے چھٹکارہ نہیں پا سکتا، البتہ وہ لوگ جو دنیا میں اس سیدھے راستے پر چلے جو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے اپنے پیغمبر کے ذریعہ مقرر کیا تھا وہ کسی بندش میں جکڑے ہوئے نہ ہوں گے، وہ باغوں کے اندر آزاد پھر رہے ہوں گے، گناہگاروں کو برے حال میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم نے ایسا کیا جرم کیا تھا جسکی سزا میں آج ایسے عذاب میں پھنسے ہوئے ہو؟

وہ کہیں گے ہم نے دنیا میں نماز کی پرواہ نہ کی، اپنے مال سے مزے اڑاتے رہے، حاجت مندوں کی خبر

گیری نہ کی، قیامت کو جھوٹ مانا اور دنیا میں دنیا داروں کیساتھ انہی کے دھندوں میں پھنسے رہے یہاں تک کہ موت آگئی، یہی وہ لوگ ہیں جن کو کسی کی سفارش کام نہ آئے گی۔

وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ: اور ہم قیامت کے دن یعنی انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے، کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا، دنیا میں ہم جو جی میں آتا کرتے تھے، قیامت کا انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ موت آگئی، ہم اسی وہم میں رہے کہ یہ زندگی اس دنیا تک محدود ہے، کوئی قیامت نہیں، کوئی باز پرس نہیں، ہم یہی سوچ رہے تھے کہ موت آگئی اور دنیا کا دور ختم ہوگیا، یہ ہمارے جرم ہیں جن کی وجہ سے ہم دوزخ میں داخل کئے گئے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ: پس ایسے لوگوں کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی کام نہیں دے گی، اوّل تو کوئی سفارش کرنے والا ہی نہ ہوگا اور سارے پیغمبر اور سارے مؤمن بھی سفارش کریں گے تو ان کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ کافر و مشرک کے حق میں کوئی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔

آخر لوگوں کو ہو کیا گیا ہے؟

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾

پس کیا ہوا انہیں کہ سے نصیحت منہ موڑتے ہیں (۴۹) گویا وہ گدھے ہیں بدکنے والے (۵۰)

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى

جو بھاگ کھڑے ہوئے ہیں سے شیر (۵۱) بلکہ چاہتا ہے ہر مرد میں سے ان کہ دیئے جائیں اسے

صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ

لکھے ہوئے فرمان کھلے (۵۲) ہرگز نہیں بلکہ نہیں ڈرتے وہ آخرت سے (۵۳) ہرگز نہیں بیشک وہ

تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَ مَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

نصیحت ہے (۵۴) پس جو چاہے نصیحت حاصل کرے اس سے (۵۵) اور نہ نصیحت حاصل کریں گے مگر یہ کہ چاہے

ع ٢ ١٦

اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

اللہ وہی والے تقوٰی اور والے مغفرت ہیں (٥٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر انہیں کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔(٤٩) گویا وہ بدکنے والے گدھے ہیں۔(٥٠) جو شیر سے ڈر کر بھاگے ہیں۔(٥١) بلکہ ان میں سے ہر ایک مرد چاہتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلے آسمانی صحیفے دیئے جائیں۔(٥٢) ہرگز نہیں! بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔(٥٣) ہرگز نہیں! یہ تو نصیحت ہے۔(٥٤) پھر جو کوئی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔(٥٥) اور لوگ نصیحت نہیں حاصل کر سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور وہی ہے بخشنے کے لائق۔(٥٦)

لفظی تحقیق: **مُسْتَنْفِرَةٌ:** بدکنے والے۔ اسم فاعل مؤنث ہے "اِسْتَنْفَارٌ" سے جسکا مادہ (ن ف ر) ہے "نَفْرٌ" کے معنٰی بھاگ جانا "اِسْتَنْفَارٌ" بھاگنے کیلئے تیار رہنا، اسے بدکنا کہتے ہیں، یہاں اس سے جنگلی گدھے مراد ہیں۔ **قَسْوَرَةٌ:** شیر۔ اسکا مادہ (ق س ر) ہے "قَسْرٌ" کے معنٰی دبانا، زبردستی کرنا "قَسْوَرٌ" اور "قَسْوَرَةٌ" شیر کو کہتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ قرآن مجید کی آیتیں سننا نہیں چاہتے اور انہیں سُن کر ایسے بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شیر کی آواز یا شکاریوں کا شور سُن کر سرپٹ بھاگتے ہیں، بات یہی ہے کہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں اور میرے اوپر صاف صاف کتابیں اتریں یا کم از کم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم اترے کہ اس پیغمبر کو مانوں، ان لوگوں کو آخرت کی پکڑ کا ڈر نہیں بلکہ وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں، لوگو! یہ باتیں چھوڑو، قرآن مجید سب کیلئے نصیحت اور ہدایت ہے، اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور وہی ایسا زبردست ہے جس سے معافی اور مغفرت طلب کرنے کی ضرورت ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: نصیحت سے منہ موڑنے والے لوگ ایسے ہیں جیسے جنگلی گدھا ہوتا

ہے جو شیر کو دیکھ کر بھاگ جاتا ہے، جنگلی گدھا اگر شیر کو دیکھ پائے تو جس طرح وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ نصیحت سُن کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، گویا قرآن مجید ان کے سامنے ایسا ہے جیسے شیر ہو، جس کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

آیاتھا ۴۰ — سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۲

سورالقیمۃ مکی ہے اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

قیامت سے خبردار رہو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾
میں قسم کھاتا ہوں دن قیامت کی (۱) اور میں قسم کھاتا ہوں نفس ملامت کرنیوالے کی (۲)

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ
کیا گمان کرتا ہے انسان کہ ہرگز نہ جمع کرینگے ہم ہڈیاں اسکی (۳) کیوں نہیں قدرت رکھتے ہوئے پر اس کہ

نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾ يَسْئَلُ
ٹھیک بٹھادیں پورے اسکے (۴) بلکہ چاہتا ہے انسان کہ یہ بدکاری کرے آگے اپنے (۵) پوچھتا ہے

اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ وَ
کب ہے دن قیامت کا (۶) پس جب کھلی کی کھلی رہ جائے آنکھ (۷) اور گرہن ہو چاند (۸) اور

جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾
ایک جیسے ہوجائیں سورج اور چاند (۹) کہے گا انسان آج کے دن کہاں ہے بھاگنے کی جگہ (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: قسم کھاتا ہوں میں قیامت کے دن کی۔(۱) اور قسم کھاتا ہوں میں ملامت کرنے والے نفس کی۔(۲) کیا آدمی خیال کرتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیاں جمع نہ کریں گے۔(۳) کیوں نہیں، ہمیں قدرت ہے اسکی پوریاں ٹھیک کر سکتے ہیں۔(۴) بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اپنے سامنے ڈھٹائی کرے۔(۵) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔(۶) پھر جب آنکھ چندھیانے لگے (اس کی وجہ یہ ہوگی کہ جن چیزوں کا یہ انکار کرتا تھا وہ سب اس کے سامنے آجائیں گی)۔(۷) اور چاند کو گرہن لگ جائے۔(۸) اور سورج اور چاند اکٹھے ہوں۔(۹) اس دن آدمی کہے گا کہاں ہے بھاگنے کی جگہ؟(۱۰)

لفظی تحقیق: **اَلنَّفْسُ:** ضمیر۔ وہ اندرونی قوت جو انسان کو بُرائی پر ملامت کرتی ہے۔ **لَوَّامَةٌ:** ملامت کرنے والا۔ مبالغہ کا صیغہ ہے (ل وم) سے "لَوْمٌ" ملامت کرنا۔ **بَنَانٌ:** پوروے، انگلیوں کے جوڑ۔ اسم جمع ہے، اسکا مفرد "بَنَانَةٌ" ہے۔ **بَرِقَ:** پتھرا جانا۔ حال کا صیغہ ہے، اسکا ماضی ہے "بَرَقٌ" معنیٰ ہیں آنکھ کو دہشت کے مارے کچھ دکھائی نہ دینا۔ **مَفَرٌّ:** جائے فرار۔ اسم ظرف یا مصدر میمی ہے۔

نفس کی تین قسمیں: پہلی حالت نفس امارہ کی ہے، یہ حالت عام طور پر بچپن کی ہوتی ہے، جب انسان کھیل کود اور لہو ولعب کی طرف مائل ہوتا ہے، زیادہ تر انسان کا دھیان بیکار باتوں کی طرف ہوتا ہے، اس کو نفس امارہ کہتے ہیں۔

دوسری حالت نفس لوامہ ہے، جب شعور کی منزل آتی ہے تو انسان کا نفس کبھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور بُرائی پر ملامت کرتا ہے اور بعض اوقات بُرائی میں مبتلا ہوجاتا ہے، چنانچہ یہ ملامت کرنے والی منزل نفس لوامہ کہلاتی ہے۔

تیسری حالت نفس مطمئنہ ہے، اگر نفس میں وہ کیفیت پیدا ہوجائے جس سے اسے اطمینان حاصل ہو، یعنی: اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلق پیدا ہوجائے اور بُرائی سے ہٹ جائے، نہ تو شیطانی وسوسہ اسے بُرائی کی طرف لے جائے اور نہ خواہشات اسے بُرائی پر آمادہ کرسکیں تو یہ نفس "مطمئنہ" کہلاتا ہے۔

تفسیر

یہ سورۃ مکہ میں اتری، اسکی چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں، دو عظیم الشان چیزوں کی جن کا آپس میں بڑا تعلق ہے قسم کھا کر ارشاد ہے کہ: جو تم سوچ رہے ہو غلط ہے اور میں جو کہتا ہوں صحیح بات ہے، قیامت کا دن بڑا ڈراؤنا ہے اور آدمی کا ضمیر بڑی اہم چیز ہے جو برائی پر اسے ملامت کرتا ہے، ان دونوں پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ قیامت کے دن بُرائی کا بہت بُرا بدلہ ملے گا، کیا انسان اس بھول میں ہے کہ ہم اسکی ہڈیاں دوبارہ نہ جوڑ سکیں گے، یہ خیال ہی غلط ہے، ہم میں تو انگلیوں کے چھوٹے چھوٹے جوڑ تک ٹھیک بٹھانے کی قدرت ہے، ہم اس کو پھر ٹھیک ٹھاک کر کے اٹھا بٹھائیں گے، مگر انسان تو ڈھیٹ ہو گیا ہے اور چاہتا ہے کہ جتنی زندگی رہ گئی ہے بُرے کاموں میں گزار دے۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کریں گے، اسکے جواب میں ارشاد ہوتا ہے! کیوں نہیں، ہم اس پر قادر ہیں کہ اسکے پوروں کو درست کر دیں، یہ پوروے کا لفظ یہاں پر محاورے کے طور پر استعمال ہوا ہے، جس طرح کوئی کہتا ہے کہ میرے جوڑ جوڑ میں درد ہو رہا ہے، تکلیف ہو رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اسکے پور پور کو درست کر دیں گے، یعنی: انسان کو بالکل اسی حالت میں دوبارہ لے آئیں گے جس طرح یہ دنیا میں تھا، قیامت کے دن انسان کا جسم انہی اجزاء سے بنے گا جن اجزاء سے دنیا میں بنا تھا، کوئی دوسرا جسم عطاء نہیں کیا جائیگا کیونکہ ایسا کرنا انصاف کے خلاف ہوگا۔

انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے جو پوروے ہیں اور ان کے اوپر جو نقش و نگار، یعنی: لکیروں کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کیساتھ نہیں ملتے، صرف آدھ انچ کی جگہ میں ایسا فرق کہ اربوں انسانوں میں یہ پوروے مشترک ہونے کے باوجود ایک کی لکیریں دوسرے سے نہیں ملتیں، ہر زمانے میں انگوٹھا کے نشان کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اسی پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے

معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں ہر انگلی کے پوروے کی لکیریں بھی اسی طرح الگ الگ ہوتی ہیں۔
یہ سمجھ لینے کے بعد پورووں کے بیان کرنے کا مقصد خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہوگا، ذرا اس سے آگے سوچو اور غور کرو کہ صرف زندہ ہی نہیں ہوگا بلکہ اپنی پرانی شکل وصورت کیساتھ زندہ ہوگا، یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پورووں کی لکیریں بھی پہلی پیدائش میں جس طرح تھیں اسی طرح دوبارہ بنیں گی۔

اللہ تعالیٰ سے کہیں نہیں بھاگ سکتے

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ

ہرگز نہیں کوئی بچاؤ(۱۱) طرف رب آپکے کے اس دن جا ٹھہرنا (۱۲) خبر دی جائیگی انسان کو

يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿١٣﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿١٤﴾

اس دن اسکی جو آگے بھیجا اس نے اور پیچھے چھوڑا(۱۳) بلکہ انسان پر نفس اپنے کو دیکھنے والا ہے(۱۴)

وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ

اگرچہ پیش کریگا عذر اپنے (۱۵) مت ہلا ساتھ اسکے زبان اپنی تاکہ جلدی لے لیں آپ اسے(۱۶) بیشک

عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ

پر ہمارے اکٹھا کرنا اسکا اور پڑھنا اسکا(۱۷) پس جب پڑھیں ہم اسکو پس پیچھے پیچھے چلیں اسکے پڑھنے کے(۱۸) پھر بیشک

عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾

پر ہمارے کھول دینا اسکا(۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہرگز نہیں کوئی بچاؤ کی جگہ۔(۱۱) اس دن جا ٹھہرنا ہے آپ کے رب کی طرف۔ (۱۲) اس دن انسان کو جتلا دیں گے جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔(۱۳) بلکہ ہر انسان اپنے عملوں کو

خوب دیکھنے والا ہوگا۔(۱۴) اگر چہ وہ اپنے عذر پیش کرے۔(۱۵) آپ اپنی زبان اسکے پڑھنے پر نہ چلائیں تا کہ آپ اس کو جلدی سیکھ لیں۔(۱۶) بیشک اس کا آپ کے دل میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اسکا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔(۱۷) پس جب ہم اس کو پڑھیں، (یعنی: ہمارا فرشتہ) تو اسکے پڑھ کر فارغ ہونے کے بعد آپ پڑھیں۔(۱۸) پھر بیشک اسکا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔(۱۹)

لفظی تحقیق: وَزَرَ: پہاڑ۔ اس سے مراد پناہ کی جگہ، کیونکہ اکثر عرب پہاڑوں ہی میں پناہ لیتے تھے۔

مَعَاذِيْرَ: حیلے بہانے۔ "مِعْذَارٌ" کی جمع ہے، جسکا مادہ (ع ذ ر) سے "عُذْرٌ" کے معنٰی وجہ اور سبب کے ہیں، قرآن مصدر ہے جس کے معنٰی پڑھنا ہیں اور اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو پڑھی جائے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: آج تو تم قیامت کا انکار کر رہے ہو لیکن قیامت کے دن بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہوگی، اچھی طرح سُن لو کہ اس دن تمہیں جواب یہ ملے گا کہ یہاں کوئی پناہ کی جگہ نہیں، یہاں تو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سب کے سب حاضر کئے جاؤ گے اور تمہیں بتلا دیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا جو نہ کرنا تھا اور کیا نہ کیا جو کرنا تھا۔

ارشاد ہے کہ: انسان دنیا ہی میں اپنے عملوں سے خود اچھی طرح واقف ہے کہ بُرے کام کر رہا ہوں، لیکن بری صحبت اور شیطان کے بہکاوے سے کام بُرے ہی کرتا ہے اور کرنے کے بہت سے بہانے بنالیتا ہے۔

آگے قرآن مجید کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو انسانوں کی ہدایت کیلئے دنیا میں بھیجا گیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ: جب ہمارا بھیجا ہوا فرشتہ آپ کے سامنے قرآن مجید پڑھے تو آپ اسے اپنی زبان سے اسی وقت مت پڑھیں اس خیال سے کہ کہیں بھول نہ جائیں، بلکہ غور سے سنیں، یاد کرانا اور اسکا مطلب واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے، آپ کو سنتے ہی بغیر محنت کے یاد ہو جائیگا اور اسکا مطلب بھی سمجھ میں آجائیگا۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ: اس دن انسان کو اس چیز سے خبردار کر دیا جائیگا جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے، اچھائی، برائی، نیکی، بدی، ہر چیز اسکے سامنے ہوگی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ: کا تعلق بھی جلد بازی سے ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید یاد کرنے کی جلدی کرتے تھے، جب حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن مجید پڑھتے تھے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زبان سے جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش کرتے تھے تا کہ اسے یاد کرلیں، چونکہ یہ ایک مشکل کا کام تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آپ اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیں، کیونکہ قرآن مجید کو حرف بحرف جمع کر دینا اور اسے آپ کی زبان سے جاری کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔

آخرت کو بھول گئے

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝۲۰ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝۲۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

ہرگز نہیں بلکہ تم پسند کرتے ہو اسے جو ابھی ملے (۲۰) اور چھوڑتے ہو آخرت کو (۲۱) بہت سے چہرے اس دن

نَّاضِرَةٌ ۝۲۲ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝۲۳ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۝۲۴ تَظُنُّ اَنْ

تروتازہ ہونگے (۲۲) طرف رب اپنے کی دیکھنے والے (۲۳) اور بہت سے چہرے اس دن اداس ہونگے (۲۴) سوچتے ہوئے کہ

يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝۲۵ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝۲۶ وَ قِيْلَ مَنْ ۜ

پڑنے والی ہے پر ان کرتوڑ مصیبت (۲۵) ہرگز نہیں جب آ پہنچے جان ہنسلی تک (۲۶) اور کہا جائیگا کون ہے

رَاقٍ ۝۲۷ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝۲۸ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝۲۹ اِلٰى

جھاڑ پھونک کرنیوالا (۲۷) اور جان لے کہ وہ جدائی ہے (۲۸) اور مل جائے پنڈلی ساتھ پنڈلی کے (۲۹) طرف

رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۣالْمَسَاقُ ۝۳۰ ع ۱۷

رب آپکے کی آج کے دن روانگی (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: خبردار! بلکہ تم پسند کرتے ہو دنیا کو۔ (۲۰) اور چھوڑتے ہو آخرت کو۔ (۲۱) اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے۔ (۲۲) اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ (۲۳) اور اس دن کئی چہرے اداس ہوں گے۔ (۲۴) انہیں یقین ہوگا کہ ان کیساتھ وہ کیا جائیگا جس سے کمر ٹوٹ جائیگی۔ (۲۵) خبردار! جب

انسان کی روح ہنسلی کی ہڈی تک جاپہنچتی ہے۔(۲۶) اور کہا جاتا ہے کون ہے، راق، (یعنی: جھاڑ پھونک کرنیوالا)۔(۲۷) اورانسان گمان کرتا ہے کہ اب جدائی کی گھڑی آپہنچی ہے۔(۲۸) اور پنڈلی، پنڈلی کیساتھ لپٹ جاتی ہے۔(۲۹) اس دن آپ کے رب کی طرف روانگی ہوتی ہے۔(۳۰)

لفظی تحقیق: اَلْعَاجِلَۃَ: جو جلدمل جائے۔ اس سے مراد دنیا ہے۔ نَاضِرَۃٌ: تروتازہ۔ اسم فاعل مؤنث ہے (ن ض ر) سے "نَضْرٌ" کے معنٰی سرسبز، ہشاش بشاش ہونا۔ بَاسِرَۃٌ: اداس، غمگین۔ اسم فاعل مؤنث ہے (ب س ر) سے "بَسْرٌ" کے معنٰی ترش رو ہونا۔ فَاقِرَۃٌ: کمر توڑنے والی۔ اسم فاعل مؤنث ہے "فَاقِرَۃ" سے مراد سخت مصیبت ہے۔ اَلتَّرَاقِیَ: سینہ کے اوپر کی گول ہڈیاں۔ "تَرْقُوَۃٌ" کی جمع ہے، جس کا مادہ (ر ق ی) ہے "رُقِیٌّ" کے معنٰی چڑھنا اور ایک معنٰی منتر پڑھنا بھی ہیں، آیت میں "رَاقٍ" اسی سے اسم فاعل ہے جسکی (ے) وقف سے گرگئی۔ مَسَاقُ: ہانکنا۔ مصدر میمی ہے، پیچھے سے ہانک کر آگے بڑھانا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے انکار کی وجہ فقط یہ ہے کہ یہ لوگ صرف دنیا کے فائدوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں، یادرکھو! قیامت کے دن کچھ لوگوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے، انہیں اپنے رب کا دیدار نصیب ہوگا اور کچھ لوگوں کے چہرے اداس اور بگڑے ہوں گے، انہیں یقین ہوگا کہ آج ان پر بڑا بھاری عذاب آپڑنے والا ہے جوانکی کمر توڑ دے گا۔

اس وقت کو یاد کرو جب آدمی کا سانس گلے میں پہنچ جایگا اور دم نکلنے والا ہوگا اور اسے یقین ہوگا کہ اب بچھڑنے کا وقت آگیا ہے، بدن کے اکڑنے سے پنڈلی لپٹنے لگے گی، لوگ کہیں گے کوئی ایسا منتر پڑھنے والا ہوتا جو اسکی جان بچالیتا، بس یہی وہ وقت ہے جب آخرت کی طرف روانگی شروع ہوجائے گی اور آدمی اپنے رب سے ملنے کیلئے ہانک دیا جایگا۔

وَظَنَّ: اور انسان گمان کرتا ہے، یہاں پر ظن بمعنٰی یقین ہے، یعنی: مرنے والے کو یقین ہوجاتا ہے کہ اب

جدائی کی گھڑی آن پہنچی ہے اور پنڈلی، پنڈلی کیساتھ مل جاتی ہے، یعنی: جب جان نکل جاتی ہے تو پھر اس میں حرکت کی قوت باقی نہیں رہتی، یا پھر اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کو کفن میں جوڑ دیا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: یادرکھو! دنیا اور آخرت دو سوتنوں کی طرح ہے، اگر ایک کو راضی کرے گا تو دوسری ناراض ہوجائے گی، لہٰذا دنیا کی محبت کی اجازت نہیں دی گئی، حدیث میں ہے کہ ہر برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے، دنیا کی محبت اس حد تک نہیں ہونی چاہئے کہ دین، شریعت، آخرت اور موت ہی یاد نہ رہے۔

انسان سوچتا نہیں

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى
پس نہ سچا مانا اور نہ نماز پڑھی (۳۱) اور لیکن جھٹلایا اور منہ موڑا (۳۲) پھر چلا طرف

اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ
گھر اپنے کی اکڑتا ہوا (۳۳) ہلاکت ہے لئے تیرے پھر ہلاکت (۳۴) پھر ہلاکت لئے تیرے پھر ہلاکت (۳۵) کیا گمان کرتا ہے

الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾
انسان کہ چھوڑ دیا جائیگا یونہی (۳۶) کیا نہ تھا وہ ایک قطرہ سے منی ٹپکائی گئی (۳۷)

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ
پھر ہوا وہ جما ہوا خون پس بنایا اس نے پھر ٹھیک کیا (۳۸) پس کردیں اس سے جوڑے نر

ع ۲/۱۰ ۱۸ وَ الْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾
اور مادہ (۳۹) کیا نہیں یہ بنانے والا قدرت رکھتا ہے پر اس کہ زندہ کردے مُردوں کو (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ: پس نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ (۳۱) بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ (۳۲) پھر اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا۔ (۳۳) ہلاکت ہے تیرے لئے پھر ہلاکت ہے۔ (۳۴) پھر

ہلاکت ہے تیرے لئے پھر ہلاکت ہے۔(۳۵) کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائیگا؟(۳۶) کیا انسان ایک منی کا قطرہ نہیں تھا، جسے رحم کے اندر ٹپکا دیا جاتا ہے۔(۳۷) پھر اسکے بعد وہ جما ہوا خون بنا، پس خدا نے اس کو پیدا کیا اور ٹھیک ٹھاک بنایا۔(۳۸) پھر بنایا اس سے جوڑا، نر اور مادہ۔(۳۹) تو کیا وہ خدا اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو (دوبارہ) زندہ کردے۔(۴۰)

لفظی تحقیق: یَتَمَطّٰی: اکڑتا ہوا۔ مضارع کا صیغہ ہے "تَمَطِّیْ" سے جس کا مادہ (م ط ی) ہے "مَطِیٌ" اسکے معنٰی دراز کرنا اور بڑھانا ہیں "تَمَطِّیْ" بدن کو کھینچ کر اکڑتے ہوئے چلنا جو تکبر اور غرور کی نشانی ہے۔ اَوْلٰی لَکَ: خرابی ہے تیرے لئے۔ یہ دھمکانے کا کلمہ ہے، جیسے اردو میں کہتے ہیں تیری شامت آنے والی ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: چاہئے تو یہ تھا کہ انسان ہماری آیتوں کو سُن کر ان کا یقین کرتا اور ان کو مانتا، لیکن اس نے ایسا نہ کیا بلکہ نہ ہماری آیتوں کو مانا اور نہ ہماری عبادت کی اور ہماری آیتیں سُن کر مٹکتا ہوا چل دیا، اس طرح کی اسکی چال ڈھال سے ہماری آیتوں کا جھٹلانا ثابت ہوتا تھا، اے انسان! تیرے اس رویئے کی شامت سے تیرے اوپر عذاب آنے والا ہے۔

ارشاد ہے کہ: انسان کا یہ غلط خیال ہے کہ نہ اس پر حکم ڈالے جائیں گے اور نہ اس سے حساب کتاب لیا جائیگا اور نہ اسکے عملوں کی جانچ پڑتال ہوگی، اسے چاہئے کہ اپنی پیدائش کے طریقہ کو سوچے کہ منی کے ایک قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے ہر طرح ٹھیک ٹھاک کر کے بنا کھڑا کیا اور اس میں نر اور مادہ کا جوڑا بنایا۔

اگر انسان اس پر غور کرے کہ وہ پیدا کیسے ہوا تو اس کو اسکا یقین کرلینا کچھ مشکل نہیں کہ جس نے پہلی مرتبہ اسے بنایا وہ اسکے مرنے کے بعد پھر اسے دوبارہ زندہ کرسکتا ہے، انسان کی پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ انسان غذا کھاتا ہے جس میں غلہ، سبزیاں، ترکاری، گوشت وغیرہ ہوتا ہے، یہ سب چیزیں نباتات اور حیوانات کیلئے بے جان بدن سے حاصل ہوتی ہیں، ان سے اس کے اندر خون اور اس کے ایک حصہ سے ایک سیال (بہتی ہوئی)

چیز بنتی ہے جسے منی کہتے ہیں، مرد اس کو عورت کے رحم میں ٹپکاتا ہے، پھر اسکے قطروں سے جمے ہوئے خون کا ایک ٹکڑا بنتا ہے اور پھر عورت کے پیٹ میں شکلیں بدل بدل کر انسان بنتا ہے اور اس کی دو قسمیں نر اور مادہ ہو جاتی ہیں تاکہ پیدائش کا یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے، اس پر غور کر کے انسان کو سمجھ آ جائیگا کہ اسی طرح مرنے کے بعد بے جان چیزوں سے اس کا بدن دوبارہ بن جائیگا اور اسکی روح پھر اس میں داخل کر دی جائے گی، آخر اس میں ایسی کونسی بات ہے جسکا ہونا مشکل ہے، جس طرح انسان پہلی دفعہ پیدا ہوا اسی طرح دوبارہ بھی پیدا ہو سکتا ہے اور کیا جائیگا، دنیا میں نر اور مادہ کا ملنا جو اس کا طریقہ کچھ دن کیلئے مقرر کیا گیا تھا وہ نہ رہے گا، بلکہ آدم کی پیدائش کی طرح زمین سے بن بن کر جو جیسا تھا ویسا ہی نکل کھڑا ہوگا۔

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ: فرمایا: پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا جیسے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے کر آیا ہے، اسے تو شرم اور ندامت ہونی چاہیئے تھی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلایا، نماز پڑھنے اور اپنے مالک کے حضور حاضر ہونے کے بجائے اس نے اکڑ دکھائی اور منہ موڑ کر سرکشی پر اتراتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف لوٹا۔

أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ: ویل کے معنٰی ہلاکت اور بربادی کے ہیں، یہاں اس شخص کیلئے جس نے کفر ہی کو اپنائے رکھا اور دنیا کے مال و دولت میں مست رہا پھر اسی حال میں مر گیا، اس کیلئے چار مرتبہ لفظ "اَوْلیٰ" کہا گیا ہے، جس کے معنٰی ہلاکت و بربادی کے ہیں، مرنے کے وقت، پھر مرنے کے بعد قبر میں، پھر حشر و نشر کے وقت، پھر دوزخ میں داخلے کے وقت یہ مصیبت و بربادی تیرا حصہ ہے۔

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً: پھر وہ لہو کے ایک ٹکڑے میں تبدیل ہوا، چالیس دن تک یہ قطرہ اسی حالت میں رہتا ہے، اس کے بعد تبدیلی شروع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو خون کی شکل میں تبدیل کرتے ہیں، مزید چالیس دن کے بعد اسے گوشت میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، اگلے چالیس دن میں اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں اور انسانی ڈھانچہ بن جاتا ہے، اس طرح جب 120 دن پورے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آتا ہے اور اس میں روح پھونکتا ہے

جس سے انسان مکمل ہوجاتا ہے۔

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى: کیا وہ خدا اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کردے، گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کو دلیل کے طور پر فرمایا کہ جو اللہ ایک حقیر قطرہ سے انسان جیسی عظیم مخلوق پیدا کرسکتا ہے اس کیلئے یہ کونسی بڑی بات ہے کہ وہ مرنے کے بعد انسان کو پھر وہی شکل وصورت دیدے، اللہ تعالیٰ کیلئے نہ پہلی مرتبہ بنانا مشکل تھا اور نہ ہی قیامت کو دوبارہ اٹھانا مشکل ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: تلاوت کے وقت جب انسان اس آیت پر پہنچے تو کہیں "سُبْحَانَكَ فَبَلٰى" یعنی: اے پروردگار! آپ پاک ہیں، ایسا کیوں نہیں ہوسکتا بیشک آپ اس بات پر قادر ہیں کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کردیں، صرف "بَلٰى" کہہ دینا بھی کافی ہے۔

سورۃ الدّہر کا خلاصہ

یہ سورۃ مکہ میں اتری، اسکی اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں، اس سورۃ میں انسان کو بتایا گیا ہے کہ وہ پہلے کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت سے بنایا اور سننے اور دیکھنے کی قوتیں عطاء فرمائیں، پھر ارادہ اور اختیار دے کر دنیا میں بھیج دیا، تاکہ آزمایا جائے کہ وہ اپنی قوتوں سے کیا کام لیتا ہے، پیغمبروں کے ذریعے اسے خبردار کردیا کہ تیرے لئے بعض باتیں مفید ہیں اور بعض نقصان والی ہیں، پھر فائدہ پہنچانے والی باتوں کو اور نقصان پہنچانے والی باتوں کو واضح کردیا، اب جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مفید کام کرے گا اسے مرنے کے بعد آرام واطمینان کی زندگی نصیب ہوگی جو کبھی ختم نہیں ہوگی اور جو اس کی ہدایت کے مطابق عمل نہ کریں گے بلکہ وہ باتیں اختیار کریں گے جو انہیں خود بھی اچھی معلوم نہیں ہوتی، انہیں آخرت میں عذاب ہوگا، نیک لوگوں کو جنت میں رکھا جائیگا جہاں انہیں کثرت سے تمام نعمتیں ملیں گی، نیک لوگوں کی بابت بتلایا گیا ہے کہ وہ اپنے قول کے سچے اور بات کے پکے ہوتے ہیں، جو بات اپنے اوپر کرلیں اسے پورا کرکے رہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بتائی

ہوئی اور لازم کی ہوئی باتوں کو ماننے کے اہل ہیں، یہ لوگ قیامت سے ڈرتے ہیں کیونکہ دوزخ کی مصیبتیں عام ہوں گی، یہی لوگ ہیں جو دنیا میں محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور ان کی مدد کیلئے تیار رہتے ہیں، اپنی حاجتیں روک کر انکی حاجتیں پوری کرتے ہیں اور اس میں ان کی یہ غرض نہیں ہوتی کہ ان سے بدلہ چاہیں یا ان پر احسان جتائیں، وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ نیک سلوک خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کرتے ہیں، نہ تم سے اس کا اچھا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہمارا رب ہم سے ناراض نہ ہو، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں سے نجات دے گا اور ان کو خوشی اور آرام عطاء کیا جائیگا، یہ جنت میں جائیں گے، جہاں نہ گرمی ہوگی نہ سردی، پہننے کو نرم ریشمی کپڑے اور کھانے کو ہر قسم کے تر و تازہ میوے انہیں ملیں گے، سخت گرمی اور سردی کا وہاں نام نہ ہوگا، ہر طرف میووں سے لدے ہوئے درخت ان کے گرد چھائے ہوئے ہوں گے، خوش شکل بنے ٹھنے خادم دوڑ دوڑ کر ان کے کام کر رہے ہوں گے اور یہ آرام سے مسندوں پر گاؤ تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے، اسکے بعد ارشاد ہے کہ ہم نے یہ قرآن مجید انسان کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے، تم اسکے سوا کسی کی بات نہ مانو اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، تم اور لوگوں کی طرح دنیا میں مت پھنسو، اس قرآن مجید سے وہی فائدہ اٹھائیگا جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے توفیق عطاء فرمائیگا۔

آیاتها — ۳۱ | سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتها — ۲

سورۃ الدہر مدنی ہے اس میں اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

پہلے انسان کا نام و نشان تک نہ تھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا

ضرور آیا ہے پر انسان ایک وقت سے زمانے کہ نہ تھا وہ کوئی چیز

مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ
قابل ذکر (۱) تحقیق ہم پیدا کیا ہم نے انسان کو سے منی کے قطرے ملی جلی کہ جانچیں ہم اسے

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ
پس کر دیا اسے سننے والا دیکھنے والا (۲) تحقیق ہم ہم نے دکھائی اسے راہ یا شکر اور

اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ﴿۴﴾
یا ناشکرا (۳) تحقیق ہم تیار کی ہم نے واسطے کافروں کے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ انسان پر کبھی ایسا وقت زمانے میں گزرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔(۱) ہم نے انسان کو منی کے ایک قطرے سے بنایا، تاکہ ہم اسے آزمائیں پھر کر دیا اسے سنتا دیکھتا۔(۲) ہم نے اسے راہ سجھائی یا وہ شکر کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔(۳) ہم نے منکروں کے واسطے تیار کر رکھی ہیں زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ۔(۴)

لفظی تحقیق: هَلْ: حرف استفہام ہے مگر ماضی پر تحقیق کیلئے بھی آتا ہے، یہاں تحقیق ہی کے معنٰی ہیں۔ اَمْشَاجٍ: یعنی: مرد اور عورت کی ملی جلی منی سے پیدا کیا گیا ہے، یہ "مَشِيْجٌ" یا "مَشَجٌ" کی جمع ہے، جس کے معنٰی مخلوط کے ہیں۔ اَغْلٰلٌ: لوہے کے طوق۔ "غُلٌّ" کی جمع ہے، لوہے کا حلقہ جو گلے میں پڑے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: زمانہ کا ایک حصہ انسان پر ایسا بھی آیا ہے کہ جس میں اسکا نام ونشان بھی نہ تھا اور نہ وہ اس قابل تھا کہ کسی محفل میں اسکا ذکر کیا جائے، پھر ہم نے اسے مرد اور عورت کی ملی جلی منی سے بنایا تاکہ ہم اسے آزمائیں، اسے سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں پھر سوچ سمجھ دے کر دلیلوں سے راہ سجھائی اور اختیار دیا کہ ہمارا شکر گزار بنے یا ناشکرا، چنانچہ بعض نے ہمیں پہچان کر ہماری فرمانبرداری کی اور بعض نے نافرمانی کی، ان کافروں اور خواہشوں میں گرفتار ہو جانے والوں کیلئے ہم نے زنجیریں اور گلے میں ڈالنے کیلئے لوہے کے طوق تیار کر رکھے ہیں،

تا کہ ان میں جکڑ کر انہیں دہکتی ہوئی دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے جو ان کیلئے بنائی گئی ہے۔

اس سورۃ کی فضیلت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ جمعہ کے دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم "سورۃ الدّہر" اور "سورۃ السجدہ" فجر کی نماز میں تلاوت فرماتے تھے، اس بارے میں "سورۃ ص" کا ذکر بھی آتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں جو شخص ان سورتوں کو جمعہ کے روز صبح کی نماز میں پڑھے گا تو اس کو زیادہ اجر ملے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ مبارکہ کی تلاوت فرما رہے تھے اور بھی کئی حضرات پاس بیٹھے تھے، ان میں سے ایک سیاہ رنگ کا آدمی تھا، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ میں واقع جنت کا حال تلاوت فرمایا تو اس سیاہ رنگ کے حبشی نے زور سے ایک ہچکی لی اور اس کا دم نکل گیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بھائی کی جان جنت کے شوق میں نکل گئی۔

نیکوں کا انجام

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ⑤ عَيْنًا

بیشک نیک لوگ پئیں گے سے ایک پیالہ کہ ہوگی ملاوٹ اسکی کافور (۵) ایک چشمہ

يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ⑥ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ

کہ پئیں گے سے اس بندے اللہ کے نہریں نکالیں گے اسکی بہت سی (۶) پورا کرتے ہیں وہ جو نذر مان لیں

وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ⑦ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ

اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ ہوگی جسکی مصیبت پھیلی ہوئی (۷) اور کھلاتے ہیں کھانا

عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ⑧

پر محبت اسکی محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک نیک لوگ پئیں گے پیالہ جس میں کافور ملا ہوگا۔ (۵) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بندے پئیں گے، اللہ کے بندے چشمے کے پانی کو جہاں مرضی ہوگی نہر کی صورت میں چلا کر لے

جائیں گے۔(۶) اور وہ نذر و منت کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جسکی برائی پھیل پڑے گی۔ (۷) اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اسکی محبت میں محتاج کو، یتیم کو اور قیدی کو۔(۸)

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: ہم نے انسان کو بنا کر اسے سمجھ عطاء کی اور پھر بتایا کہ دنیا میں بعض چیزیں تیرے لئے مفید ہیں اور بعض نقصان دہ، ان چیزوں کو ہم نے اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب کے ذریعے صاف صاف بتادیا ہے کہ اے انسان تجھے اختیار ہے کہ تو برا راستہ اختیار کر یا ہمارا بتایا ہوا اچھا راستہ اختیار کر اور سُن لے کہ جو ہم پر ایمان نہ لائے گا اور ہمارا کہنا نہ مانے گا بلکہ اپنی خواہشوں کے پھندے میں پھنستا رہے گا، اسے مرنے کے بعد لوہے کی زنجیروں میں کَس کر اور گلے میں لوہے کے حلقے ڈال کر دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

ارشاد ہے کہ: جو لوگ نیکی کی راہ اختیار کریں گے وہ جنت کے چشمہ سے پیالے بھر بھر کر پئیں گے جو کافور کی طرح صاف رنگ، ٹھنڈے اور خوشبودار ہوں گے اور چشمہ سے وہ اپنے لئے جہاں چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے نہریں بنالیں گے، یہ ضروری نہ ہوگا کہ چل کر آئیں تو پئیں ورنہ پیاسے بیٹھے رہیں، ان کے اشارہ کرتے ہی جہاں وہ ہوں گے وہیں اس چشمہ کی ایک نہر بہنے لگے گی۔

نیک لوگ وہ ہیں جو دنیا میں جن فرائض کا ذمہ لیتے ہیں ان کو ادا کرتے ہیں اور قیامت کی مصیبت سے ڈرتے ہیں جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں محتاجوں، یتیموں، قید میں اور مشکلوں میں پھنسے ہوئے مسلمان لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے مال میں سے انہیں کھانا کھلاتے ہیں، خواہ اس کیلئے اپنی کوئی ضرورت چھوڑنی پڑے۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ: وہ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں، نذر منت کو کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کوئی ایسا کام انسان خود اپنے ذمہ لے لیتا ہے جو شریعت یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر فرض یا واجب نہیں ہوتا، مثلاً: کوئی شخص کہتا ہے کہ اگر میرے فلاں بیمار کو شفاء ہوگی تو میں اللہ تعالیٰ کیلئے ایک بکرا یا گائے ذبح کروں گا، یہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے ضروری نہیں تھا مگر اس شخص نے خود اپنے اوپر لازم کرلیا، اسے نذر یا منت کہتے ہیں، اور اسکا پورا کرنا اصل کام کے پورے ہونے کیساتھ ضروری ہوجاتا، مثلاً اگر بیمار ٹھیک ہوگیا تو بکرا یا گائے ذبح کرنا واجب ہوگا، ایمان والے جب کوئی نذر مانتے ہیں تو کام کے پورا ہونے پر اس کو پورا کرتے ہیں، حیلے بہانے سے اسے ٹلاتے نہیں، نذر سے متعلق حدیث میں تفصیل موجود ہیں، نذر جائز بھی ہوتی ہے اور ناجائز بھی، صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی، حلال بھی اور حرام بھی۔

نذر یا منت کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ: نذر نہ مانا کرو، کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے کسی چیز کو نہیں روکتی، اور اس نذر کے ذریعے کنجوس آدمی سے مال نکالا جاتا ہے، اکثر کنجوس لوگ ہی منت مانا کرتے ہیں، کوئی مقدمہ پیدا ہوگیا یا کوئی بیماری آگئی، یا کوئی اور حادثہ پیش آگیا تو گھبرا کر منت مانتے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ کنجوس آدمی سے مال نکلواتے ہیں۔

ویسے یہ پسندیدہ بات نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کیساتھ ایک قسم کی سودے بازی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ کام کریں تو ہم اسکی رضاء کیلئے اتنا صدقہ خیرات کریں گے، یہ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خالص اس کیلئے بغیر کسی بدلے کے کرنی چاہیئے، تاہم اگر کوئی شخص منت مان ہی لیتا ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس کو وہ جائز کام انجام دینا چاہیئے یعنی جائز نذر کو پورا کرنا چاہیئے، پھر فرمایا: اور جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، یعنی: ناجائز منت مانی تو اس کو نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے، یعنی اس نذر کو پورا کرنا نہیں چاہیئے بلکہ توڑ دینا چاہیئے، اس پر عمل کرنا حرام ہے اور اس نذر کے بدلے وہی کفارا ادا کرنا چاہیئے جو قسم توڑنے کا کفارہ ہے۔

اسیر سے مراد قیدی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اکثر قیدی کافر ہی ہوتے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قبیلہ عُقیل کے ایک قیدی کو دشمن سمجھ کر پکڑ لائے اور اسے زنجیروں میں جکڑ دیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُدھر سے گزر ہوا تو اس قیدی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آواز دی اور عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! میں تو عمرہ کرنے کیلئے جا رہا تھا کہ آپ کے ساتھیوں نے مجھے پکڑ لیا، میرا کیا قصور ہے، مجھے کیوں گرفتار کیا گیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تجھے تیرے حمایتیوں کے جرم میں پکڑا گیا ہے، انہوں نے ہمارے آدمی مارے ہیں، اُس جرم میں تمہیں گرفتار کیا گیا ہے، اس نے کہا میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، آپ نے فرمایا: اگر اسلام کا اظہار گرفتاری سے پہلے کرتے تو ہمارے ساتھی تمہیں قید نہ کرتے، اب تمہارا اسلام تو قبول ہوگا مگر تمہیں رہائی نہیں ملے گی بلکہ ضابطے کے مطابق کاروائی ہوگی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس ہوئے تو اس قیدی نے دوبارہ آواز دی اور عرض کیا مجھے رہا کردیں، آپ نے فرمایا: نہیں، اس نے تیسری دفعہ آواز دی اور آپ اسکی طرف متوجہ ہوئے، اس نے کہا اچھا مجھے کھانا ہی کھلا دیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بڑے مہربان تھے، اسکی بات سنتے ہی فرمایا! ہاں، یہ تیرا حق ہے تجھے کھانا ضرور کھلایا جائیگا۔

غرضیکہ قیدی خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کو کھانا کھلانا چاہئے، قیدی اگر ظالم بھی ہے جیسے اس نے قتل کیا ہے اور اسیر ہے تو اس کو قتل کی سزا ملے گی، وہ قصاص میں قتل کیا جائیگا، اس کو پھانسی دی جائیگی یا سولی پر لٹکایا جائیگا، تاہم اس کو بھوکا نہیں رکھا جائے گا اور بنیادی طور پر یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ قیدیوں کو کھانا کھلانے کا بندوبست کرے، بدر کی جنگ کے موقع پر کافر قید ہو کر آئے تھے اور انہیں مختلف مسلمانوں کے سپرد کردیا گیا تھا، کسی مسلمان کی ذمہ داری میں ایک قیدی تھا اور کسی کے پاس دو تھے، مسلمان ہر قیدی کی حفاظت اور اس کو کھلانے پلانے کے ذمہ دار تھے، صحابہ کا حال یہ تھا کہ خود بھوکے رہتے تھے مگر قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا: مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں جبکہ ان کو خود بھی کھانے کی چاہت ہوتی ہے، یہ نہیں کہ اپنے سے فالتو زائد کھانا غریبوں کو دیدیں، مسکین اور یتیم کو کھانا کھلانے کا عبادت وثواب ہونا تو ظاہر ہے۔

کھلانے کی غرض

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا

پس | کھلاتے ہیں ہم تمہیں | واسطے خوشنودی | اللہ کی | نہیں | ہم چاہتے | سے تم | بدلہ | اور | نہ

شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾
شکرگزاری (۹) بیشک ہم ڈرتے ہیں سے رب اپنے ایک دن بگڑے چہرے والے سخت مصیبت والے سے (۱۰)

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَ
پس بچالیا انہیں اللہ نے برائی سے اس دن کی اور ملادیا انہیں تر و تازگی اور خوشی سے (۱۱) اور

جَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ﴿۱۲﴾
بدلہ دیا انہیں اس پر کہ جو صبر کیا انہوں نے جنت کا اور ریشمی لباس کا (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (اور وہ جنتی کہتے ہیں) بیشک ہم تم کو محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے کھانا کھلاتے ہیں، ہم نہ تم سے بدلہ مانگتے ہیں اور نہ ہی شکریہ چاہتے ہیں۔ (۹) بیشک ہم اپنے رب سے اس دن کا ڈر رکھتے ہیں جو بڑا ترش رو اور سخت ہوگا۔ (۱۰) پس! بچالے گا اللہ تعالیٰ ان کو اُس دن کے شر سے اور دے گا اُن کو تر و تازگی اور خوشی۔ (۱۱) اور ان کے صبر کی وجہ سے ان کو بدلہ دے گا، جنت کا اور ریشمی لباس کا۔ (۱۲)

لفظی تحقیق: **شُكُوْرًا**: شکر کرنا۔ مصدر ہے **عَبُوْسٌ**: بُرا منہ بنانا۔ اس سے مراد ایسا دن جس میں ہر طرف پریشانی اور اداسی چھائی ہو۔ **قَمْطَرِيْرٌ**: سخت مصیبت والا۔ اس کا مادہ (ق م ط ر) چار حرفی ہے، اس سے یہ صفت کا صیغہ ہے، اس سے مراد ہے بہت آفتوں والا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: نیک لوگ حاجت مندوں کو کھانا کھلاتے وقت دل میں یہی خیال رکھتے ہیں کہ ہم تمہیں اس لئے کھانا کھلاتے ہیں کہ ہم سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، نہ ہم تم سے اس کا کچھ بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ، ہمیں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے ڈر لگتا ہے، وہ دن بڑی سختی اور پریشانی کا ہوگا، چنانچہ ان لوگوں کو اس دن کی آفتوں اور پریشانیوں سے اللہ تعالیٰ بچالے گا اور ان کو چہرے کی تر و تازگی اور دلی خوشی عطاء فرمائیگا اور دنیا میں جو انہوں نے صبر کیساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم پورا کرنے میں تکلیفیں برداشت کی تھیں انکے بدلے انہیں

جنت میں داخل کریگا اور ریشمی لباس پہننے کو دیگا، وہ وہاں بادشاہوں کی طرح سجے سجائے تختوں اور مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے۔

جنت کی نعمتیں (الف)

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا
تکیہ لگائے میں اس پر (شاہی) تختوں نہ دیکھیں گے میں اس دھوپ اور نہ

زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾
سردی (۱۳) اور قریب پائینگے اوپر اپنے سائے انکے اور اختیار میں دیدیے جائینگے پھل انکے ہر طرح (۱۴)

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ﴿۱۵﴾
اور چکر کاٹیں گے پر ان برتن لئے سے چاندی اور پیالے کہ ہونگے شیشے کے (۱۵)

قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا
شیشے بھی سے چاندی اندازہ کرلینگے انکا پورا (۱۶) اور پلائے جائینگے میں اس ایک پیالہ

كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾
کہ ہوگی ملاوٹ اسمیں سونٹھ کی (۱۷)

قرء حفص بغير الالف في الوصل فيهما ووقف على الاول بالالف وعلى الثاني بغير الالف ۱۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ جنت میں تکیے لگائے ہوئے تختوں پر بیٹھے ہوں گے، دھوپ کی شدت یا سخت سردی اس میں نہیں دیکھیں گے۔ (۱۳) اور جھکے ہوئے ہوں گے ان پر درختوں کے سائے اور قریب کر دیئے جائیں گے درختوں کے پھل لٹکا کر۔ (۱۴) اور ان پر چاندی کے برتن پھیرے جائیں گے اور پیالے جو شیشے کے ہوں گے۔ (۱۵) اور شیشہ چاندی کا ہوگا اور وہ (جنت والے یا خادم) اس کا اندازہ کریں گے، اندازہ کرنا۔ (۱۶) اور انہیں اس میں (یعنی: جنت میں) ایسے پیالے پلائے جائیں گے جن میں سوکھی ادرک کی ملاوٹ ہوگی۔ (۱۷)

لفظی تحقیق: اَرَآئِك: شاہی تخت۔ "اَرِيْكَةٌ" کی جمع ہے، جس کے معنیٰ ہیں خوب سجا ہوا تخت یا

مسہری۔ زَمْهَرِيْرٌ: شدت کی سردی۔ اسکا مادہ (زم ھ ر) چار حرفی ہے "زَمْهَرَةٌ" کے معنٰی شدت کے ہیں، اسکا استعمال سردی کی شدت کیلئے ہوتا ہے۔ قَوَارِيْرٌ: شیشے کے برتن۔ "قَارُوْرَةٌ" کی جمع ہے، معنٰی ہیں چھوٹی بوتل، گلاس یا شیشی، مگر جنت کے شیشے چاندی کے ہوں گے، یعنی: شیشہ کی طرح چمکدار اور شفاف ہوں گے۔ تَقْدِيْرٌ: کے معنٰی اندازہ کرنے کے ہیں، یہاں مراد ہے کہ پیالوں میں اتنا ہی شربت ڈالیں جتنا پینے والا پینا چاہے۔ زَنْجَبِيْلٌ: سوکھی ادرک، سونٹھ۔ زنجبیل کے معروف معنٰی سونٹھ کے ہیں اور عرب لوگ شراب میں اس کی آمیزش کو پسند کرتے تھے اس لئے اس کو جنت میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے: جنت میں گرمی کی تپش اور سردی کی شدت نہ ہوگی بلکہ برابر موسم ہوگا اور میوہ دار درختوں کی سایہ دار شاخیں جنتیوں پر جھکی پڑی ہوں گی اور ان کے میوے ایک اشارے میں ان کے پاس آجائیں گے، چاندی کے پیالوں اور شیشے کی طرح چمکتے ہوئے چاندی کے گلاسوں میں ان کو شربت پلایا جائیگا، جن میں شربت کی مقدار اتنی ہی ہوگی جتنی وہ چاہیں گے اور ایک شربت کا پیالہ انہیں ایسا ملے گا جس کا مزہ سونٹھ یعنی سوکھی ادرک کا ہوگا اور اسکی سی راحت بخش تاثیر ہوگی اور جس کے پیتے ہی طبیعت باغ باغ ہوجائے گی۔

جنت کی نعمتیں (ب)

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

ایک چشمہ | میں اس | کہلاتا ہے | سلسبیل (۱۸) | اور | پھرتے ہونگے | پر ان | نوعمر لڑکے

مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَ

جو ہمیشہ نوعمر ہی رہینگے | جب تو | دیکھے گا انہیں | گمان کریگا انہیں | موتی | بکھرے ہوئے (۱۹) اور | جب | دیکھے گا تو

ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ
وہاں تو دیکھے گا نعمت اور بادشاہی بڑی (۲۰) اوپر والے انکے کپڑے باریک ریشم کے سبز

وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا
اور موٹے ریشم کے اور پہنائے جائینگے کنگن سے چاندی اور پلائیگا انہیں رب انکا شراب

طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع ۲۲ ۱۹
پاکیزہ (۲۱) بیشک یہ ہے تمہارا بدلہ اور ہوئی کوشش تمہاری قدردانی کے لائق (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔(۱۸) اور پھرتے ہوں گے ان پر نوعمر لڑکے جو ہمیشہ نوعمر ہی رہیں گے، جب تو ان کو دیکھے تو خیال کرے کہ موتی بکھرے ہوئے ہیں۔(۱۹) اور جب تو دیکھے گا تو دیکھے گا وہاں نعمتیں اور بادشاہت بہت بڑی۔(۲۰) ان کے اوپر کے کپڑے باریک اور موٹے ریشم کے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور انہیں ان کا رب پاکیزہ شراب پلائے گا۔(۲۱) (کہا جائیگا) یہ ہے تمہارا بدلہ اور تمہاری کمائی ٹھکانے لگی۔(۲۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: زنجبیل دنیا کی سی نہ ہوگی بلکہ وہ ایک چشمہ ہے، مزیدار، خوشگوار شربت کا اور اسی لئے اسے سلسبیل کہتے ہیں، جس کے معنٰی ہیں صاف مزیدار بہتا ہوا پانی جو گلے میں ذرا نہ اٹکے، پھر جنتیوں کے اِرد گرد پاک صاف نوعمر خادم پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ نوعمر ہی رہیں گے، عمر کے اثر سے ان کی شکل میں کوئی تبدیلی نہیں آئیگی، دیکھنے میں وہ چلتے پھرتے ایسے معلوم ہوں گے جیسے موتی بکھرے ہوئے ہوں، اگر کوئی اس منظر کو دیکھ پائے تو اسے ہر جگہ نعمت ہی نعمت اور حکومت کی بڑی شان نظر آئے، جنتی اپنے ماحول کا بادشاہ ہوگا اور ان کے کپڑے سبز باریک اور موٹی ریشم کے ہوں گے، ان کو جنت میں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ

کی طرف سے ایک خاص قسم کی شراب پینے کو ملے گی جو بالکل پاک صاف اور دل خوش کرنے والی ہوگی اور یہ نیک لوگوں کا بدلہ ہوگا اور ان سے کہہ دیا جائیگا کہ تمہاری محنت ٹھکانے لگی۔

ہمارے لئے جو کچھ ہے قرآن ہے

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

بیشک ہم نے اتارا پر آپ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے (۲۳) پس صبر کریں حکم تک رب اپنے کے

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً

اور نہ کہنے میں آئیں میں سے ان کسی گناہگار یا ناشکرے کے (۲۴) اور یاد کریں نام اپنے رب کا صبح

وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾

اور شام (۲۵) اور میں سے رات پس سجدہ کریں اسے اور تسبیح کریں اسکی رات لمبی تک (۲۶)

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾

بیشک یہ لوگ پسند کرتے ہیں جلدی ملنے والے کو اور چھوڑ بیٹھے ہیں سامنے اپنے ایک دن بھاری (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے اتارا آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے۔ (۲۳) سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور ان میں سے کسی گناہگار یا ناشکرے کا کہنا مت مانیں۔ (۲۴) اور اپنے رب کا نام صبح و شام لیتے رہیں۔ (۲۵) اور کسی وقت رات کو سجدہ کریں اور اس کی پاکیزگی بیان کریں رات کے بڑے حصہ میں۔ (۲۶) یہ لوگ جلدی مل جانے والے کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے چھوڑ رکھا ہے ایک بھاری دن کو۔ (۲۷)

تفسیر

اوپر بیان ہوا کہ نیک لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں کی طرح طرح کی نعمتوں سے لطف اٹھائینگے، اب اسکا بیان ہے کہ نیک لوگوں کو جنت میں جانے کیلئے اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کا کیا طریقہ اختیار کرنا

چاہئے؟ سب لوگوں کیلئے یہ حکم ہے کہ پیغمبر کی پیروی کرو اور زندگی انہی کے نقش قدم پر چل کر بسر کرو، ان آیتوں میں حضرت محمد ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ اپنی زندگی قرآن مجید کے مطابق بنائیں تا کہ دوسرے لوگ بھی آپ کو دیکھ کر آپ ہی کی طرح زندگی اختیار کریں۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے زندگی کو قرآن مجید کے مطابق بنانے کیلئے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے تا کہ زندگی کا ہر پہلو آہستہ آہستہ اسکے مطابق درست ہوتا چلا جائے، اس لئے عین موقعہ پر جس حکم کی ضرورت ہوئی اسکی بابت ایک یا چند آیتیں اتار دیں تا کہ لوگ سہولت کیساتھ پیغمبر سے ان پر عمل کرنا سیکھ لیں اور اسی طرح عمل کرتے ہوئے رفتہ رفتہ آگے بڑھتے چلے جائیں، اب تم کسی فاسق یا کافر کا کہنا ہر گز نہ مانو اور ان کی ایک نہ سنو، صبح وشام اللہ تعالیٰ کا نام لو اور ذکر کرو، رات کا وقت کچھ عبادت میں گزارو، پھر زیادہ رات گئے اٹھ کر تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وحمد وثناء کرو، یہ لوگ آپ کی نہیں سنتے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی محبت میں پھنس گئے ہیں، انہیں قیامت کا یقین نہیں، افسوس یہ اس ہولناک اہم دن سے غفلت برت رہے ہیں اور سب کچھ جلدی جلدی یہیں لینا چاہتے ہیں آخرت ان کے نزدیک ہے جسکی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو چیز آپ پر اتاری گئی اسے پہنچادیں، اسی طرح پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے: میری طرف سے پہنچادو اگرچہ ایک آیت ہی ہو، گویا قرآن مجید کی تعلیم اور دین کی تبلیغ تمام انسانیت کیلئے عام ہے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: دنیا میں کسی شخص نے جس قدر قرآن مجید کی تعلیم پھیلانے میں حصہ لیا ہوگا اسی قدر اسے پیغمبر ﷺ کے حوضِ کوثر سے پانی پینا نصیب ہوگا، دنیا میں قرآن مجید اور آخرت میں حوضِ کوثر دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حتی الامکان قرآن مجید کی پھیلانے میں حصہ لے، قرآن مجید خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھائیں، اسکے مطابق عقیدہ اور عمل درست کریں اور دوسروں تک بھی اس کو پہنچائیں۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں! اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی چیزوں میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اور ایک دوسری حدیث میں پیغمبر ﷺ نے فرمایا: کہ ہر وہ مجلس جس میں مؤمن

اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا اور آپ پر درود نہیں پڑھتا، وہ مجلس اس کیلئے قیامت کے روز حسرت کا سبب ہوگی، ترمذی شریف کی روایت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر مجلس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتی تھی اور اسکا اختتام بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتا تھا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ: یہ لوگ دنیا کی زندگی سے محبت رکھتے ہیں، عاجلہ جلدی آنے والی چیز کو کہتے ہیں، دنیا چونکہ آخرت کی نسبت جلدی حاصل ہوجاتی ہے اس لئے اسے عاجلہ کہا گیا ہے، یہ لوگ اپنے پیچھے قیامت کا بوجھل دن چھوڑ رہے ہیں، دنیا کی ایسی محبت جو انسان کو صحیح عقیدے اور عمل سے غافل بنادے وہ تباہی کا سبب ہے، بیہقی شریف کی روایت میں ہے کہ: ہر گناہ کی جڑ اور بنیاد دنیا کی محبت ہے؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرماتے تھے کہ: اے اللہ! اس دنیا کو ہمارا بڑا مقصود اور ہمارے علم کے پہنچ نہ بنا، دنیا کی مثال تو ایک پل کی ہے، جس نے یہاں نیکی اور ایمان کا سودا خریدا اور آگے کی فکر کی اسے کامیابی حاصل ہوگی، جو دنیا کی محبت میں لگ گیا وہ ناکام ہوگیا۔

دنیا کی محبت کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اگر انہیں حساب کتاب کا یقین ہو کہ ایک دن پوچھ گچھ ہوگی تو یہ لوگ مخالفت سے باز آجائیں اور آخرت کی فکر کرنے لگیں۔

اللہ تعالیٰ پھر بنا سکتا ہے

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ

ہم نے پیدا کیا انہیں اور مضبوط کیا ہم نے سراپا انکا اور جب چاہیں بدل کرلے آئیں ہم نہیں جیسے

تَبْدِیْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۲۹﴾

بدل کر (۲۸) بیشک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اختیار کرے طرف رب اپنے کی راستہ (۲۹)

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
اور نہ چاہوگے تم مگر جیسا کہ چاہے اللہ بیشک اللہ ہے جاننے والا

حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ
حکمت والا (۳۰) داخل کریگا جسے چاہے میں رحمت اپنی اور جو ظالم ہیں تیار کر رکھا ہے لئے انکے

ع ۹ ۲۰ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾
عذاب دردناک (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے انہیں بنایا اور مضبوط کیا ان کے بدن کو اور ہم جب چاہیں لے آئیں ان جیسے لوگ بدل کر۔ (۲۸) بیشک یہ تو نصیحت ہے پھر جو چاہے اختیار کرے راستہ اپنے رب کی طرف۔ (۲۹) اور تم نہیں چاہوگے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا ہے۔ (۳۰) جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور ظالموں کیلئے دردناک عذاب تیار ہے۔ (۳۱)

لفظی تحقیق: اَسْرٌ: پورا بدن۔ "اَسْر" کے معنیٰ تمام اور پورے کے ہیں، یعنی: سارا بدن اسکے ایک ایک جوڑ سمیت۔

تفسیر

ارشاد ہوا کہ: اکثر لوگ دنیا کا ساز و سامان سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ یہاں سب کچھ جلدی مل جاتا ہے، آخرت کس نے دیکھی ہے اور پھر جب مر کھپ گئے اور بدن ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گیا تو پھر دوبارہ کیسے بنے گا۔

اس آیت میں اس کا جواب ہے، ارشاد ہے کہ: ان کو پہلے بھی ہم نے ہی پیدا کیا اور جب وقت آئیگا تو ان کو مٹا کر انہیں دوبارہ بنا کھڑا کریں گے، آخر مر جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے میں ایسی کیا دشواری ہے جسے ہم دور نہیں کر سکتے۔

بہر حال! ہم کسی پر زبردستی نہیں کرتے کہ ہماری بات مانو، البتہ یہ قرآن مجید ہم نے بھیج دیا ہے کہ لوگوں کو

صحیح حالات اور واقعات سُنا کر انہیں آخرت کی کامیابی کا راستہ بتادیں، اب جو چاہے بڑے شوق سے اپنے رب کو راضی کرنے کا راستہ اختیار کرے۔

بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ: اس: کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اگر یہ کافر و مشرک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان لوگوں کی جگہ دوسرے اچھے لوگ پیدا کردیں گے، جو فرمانبردار ہوں گے، یہ لوگ جن کو آجکل مال و دولت، اہل و اولاد اور بادشاہی نصیب ہے یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے بلکہ فرمایا: جب ہم دیکھیں گے کہ ان کے ظلم حد سے بڑھ رہے ہیں تو انکی جگہ دوسروں کو تبدیل کردیں گے، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں یوں بیان فرمایا: اگر تم ہدایت کے راستے سے ہٹ جاؤ گے تو ہم تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لا کھڑا کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مکہ کے قریش جو اسلام کے بدترین دشمن تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے ختم کردیا اور انکی جگہ مدینہ والوں کو کھڑا کردیا جو اسلام کے سچے ماننے والے تھے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا: پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ پکڑے، اس میں زور زبردستی نہیں بلکہ یہ انسان کے اپنے فائدے کی بات ہے، ہاں البتہ اتنا ضرور بتادیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا راستہ پکڑو گے تو کامیاب ہوجاؤ گے اور اگر ناشکری کا راستہ پکڑو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔

ایاتها — ۵۰ سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها — ۲

سورۃ المرسلات مکی ہے اس میں پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

ہواؤں اور فرشتوں کا کام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳

قسم چلنے والی ہواؤں کی بھلائی کیساتھ (۱) پس جھونکا دینے والی ہواؤں کی شدت سے (۲) اور پھیلانے والی ہواؤں کی (۳)

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا
پھر پھاڑنے والی ہواؤں کی بانٹ کر (۴) پھر لانے والوں کی وحی کو (۵) عذر کرنے کیلئے یا ڈرانے کیلئے (۶) تحقیق جو کچھ

تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ
وعدہ کیا گیا تم سے البتہ وہ ہونا ہے (۷) پس جب ستارے بے نور کردیئے جائیں (۸) اور جب آسمان

فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ
کھول دیا جائے (۹) اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں (۱۰) اور جب پیغمبروں کا وقت مقرر ہوجائے (۱۱) لئے کس

يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾
دن کے ملتوی کیا گیا (۱۲) واسطے دن فیصلہ کے (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے دل کو خوش کرنے والی چلتی ہواؤں کی۔ (۱) پھر زور سے جھونکا دینے والی ہواؤں کی۔ (۲) پھر اٹھا کر پھیلانے والی ہواؤں کی۔ (۳) پھر پھاڑ کر بانٹنے والی ہواؤں کی۔ (۴) پھر قسم ہے وحی لانے والے فرشتوں کی۔ (۵) الزام اتارنے کو یا ڈر سنانے کو۔ (۶) تحقیق جو تم سے وعدہ ہوا وہ ضرور ہونا ہے۔ (۷) پھر جب تارے بے نور کردیئے جائیں۔ (۸) اور جب آسمان پھٹ جائیں۔ (۹) اور جب پہاڑ اُڑ جائیں۔ (۱۰) اور جب پیغمبروں کیلئے وقت مقرر کیا جائے۔ (۱۱) ان چیزوں میں کس دن کیلئے مہلت دی گئی ہے؟۔ (۱۲) فیصلہ کے دن کیلئے۔ (۱۳)

لفظی تحقیق: عُرْفٌ: فائدہ پہنچانا، خوش کرنا۔ اَلْعٰصِفٰتِ: زور سے چلنے والیاں۔ "عَصْفٌ" سے اسم فاعل مؤنث ہے "اَلْعَاصِفَةٌ" کی جمع ہے، جسکے معنٰی زور سے چلنے والی کے ہیں، ان سے مراد ہوائیں ہیں۔ اَلْمُلْقِيٰتِ: لا ڈالنے والے۔ "مُلْقِيَةٌ" کی جمع ہے، اس سے مراد فرشتے ہیں۔

تفسیر

یہ سورت مکہ میں اتری، اسکی پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں، ارشاد ہے کہ: خوشگوار ہواؤں کی قسم، ہوا کے

جھکڑوں کی قسم، بادل اٹھانے والی ہواؤں کی قسم، بادلوں کو پھاڑ کر جگہ جگہ پھیلانے والی ہواؤں کی قسم، فرشتوں کی قسم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لاتے ہیں جو اچھے کاموں کی سند یا وجہ پیش کرتی ہے یا بُرے کاموں کے انجام سے ڈراتی ہے۔

دنیا میں ہوائیں اور فرشتے یہ جو کام کر رہے ہیں ان پر غور کرو تو یقین آ جائیگا کہ قیامت ضرور آئیگی، اس دن تارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور آسمان کے دروازے کھل جائیں گے، پیغمبروں کیلئے وقت مقرر کر دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنی اپنی امتوں کو لے کر حاضر ہوں، یہ سب چیزیں قیامت کیلئے اٹھا کر رکھ دی گئی ہیں، یاد رکھو قیامت ہی وہ دن ہے جس میں انسانوں کے عملوں کا فیصلہ کیا جائیگا۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا: قسم ہے چھوڑی ہوئی ہواؤں کی جو آہستہ آہستہ چلتی ہیں، اسکے بعد فرمایا: قسم ہے ان ہواؤں کی جو تیز چلتی ہیں، یعنی: جب آندھی آتی ہے اور سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، پھر فرمایا: قسم ہے ان ہواؤں کی جو ابھارنے والی ہی اٹھا کر، جو گرد و غبار کو اٹھاتی ہیں یا تیز چل کر بادلوں کو اڑا دیتی ہیں، قسم ہے پھاڑنے والی ہواؤں کی جو بادلوں کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں اور انہیں جدھر لیجانا ہوتا ہے وہاں لے جاتی ہیں، قسم ہے ان ہواؤں کی جو نصیحت کی بات ڈالتی ہیں، ہوا کی تبدیلی پر اگر انسان غور کرے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرے تو یہی ہوائیں اس کیلئے نصیحت کا سبب بن سکتی ہیں، گویا یہ نصیحت لانے والی ہوائیں ہیں۔

بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: ان الفاظ سے مراد ہوائیں نہیں بلکہ فرشتے ہیں، چنانچہ اس انداز سے آیت کا مطلب یہ ہوگا، قسم ہے اُن فرشتوں کی جن کو بھیجا گیا ہے نیکی لانے کیلئے، فرشتے نیکی کا پیغام لاتے ہیں اور پیغمبروں تک پہنچاتے ہیں، فرشتوں کی قسم اٹھا کر قیامت کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے کہ اس کیلئے وقت مقرر ہے، پیغمبر حاضر ہوں گے، ان کی امتیں آئیں گی اور حساب کتاب ہوگا۔

فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا: قسم ہے ان فرشتوں کی جو ہلاک کرنے یا انقلاب لانے کیلئے تیزی سے چلتے ہیں "فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا" کا معنیٰ یہ ہوگا! قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے

بانٹتے ہیں اور جدا جدا کرتے ہیں اور "فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا" اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو نصیحت کی بات ڈالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لا کر انسان کیلئے نصیحت کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

فرمایا: نصیحت عذر دور کرنے کیلئے ہے، تا کہ کوئی کافر مشرک یا گناہگار کل کو عذر پیش نہ کر سکے کہ اسے کوئی سمجھانے والا نہیں آیا، یا اسکے سامنے کوئی نشانی ظاہر نہیں ہوئی، نیز یہ نصیحت اس لئے بھی ہے کہ مجرموں کو ڈرایا جا سکے، کل کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تمہارے پاس خوشخبری دینے والا بھی آ گیا ہے اور ڈر سنانے والا بھی آ گیا ہے، یہ تند و تیز ہوائیں بھی ڈرانے والی ہیں۔

ان چیزوں کی قسم اٹھانے کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ واقع ہونے والا ہے، یعنی: قیامت آنے والی ہے اور جو کام تم دنیا میں کرتے ہو یا جو اعتقاد رکھتے ہو اس کا بدلہ ضرور ملے گا، اگر تم نے دنیا میں نیکی کا راستہ اختیار کیا ہے تو اس کا بدلہ اچھا ملے گا اور اگر کفر کا راستہ اختیار کیا ہے تو اسکا بدلہ بُرا ہے، یہ سب کچھ قیامت کو پیش آئے گا۔

قیامت جب آئے گی تو آسمان پھٹ جائیگا اور ڈراڑیں بن جائیں گی اور اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی، انسان کی نگاہ بھی تیز ہو جائے گی اور جب پہاڑوں کو اُڑا دیا جائیگا، پہاڑ اپنی جگہ پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں مگر جب قیامت آئے گی تو یہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ان کو گرد و غبار بنا کر اُڑا دیا جائیگا اور وہ قیامت کا دن ہوگا۔

لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ: کس دن کی مہلت دی گئی ہے، یعنی: وہ کونسا دن ہے جب تک کیلئے مجرموں کو اجازت دی گئی ہے کہ اس دن ان سے لازمی پوچھ گچھ ہوگی، پھر خود ہی فرمایا: فیصلے کے دن کیلئے انہیں مہلت دی گئی ہے، حقیقی فیصلہ دنیا میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ امتحان کی جگہ ہے حقیقت میں سب چیزوں کو جدا جدا کرنے کا وقت قیامت ہی ہے، اس سے پہلے کبھی نہ ہوگا، اس دنیا میں کسی بڑے سے بڑے جج کے فیصلے کو بھی سو فیصد درست نہیں کہا جا سکتا، اس میں کئی غلطیاں ہو سکتی ہیں، مگر جب قیامت آئے گی تو ہر چیز جدا جدا کر دی جائیگی، کوئی بات غلط نہیں ہوگی، نیکی اور بدی الگ الگ کر دی جائیگی، نیکو کار اپنے مرتبے کو اور بدکار اپنے انجام کو پہنچیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھو (الف)

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ

اور کس نے بتایا آپکو کیا ہے دن فیصلہ کا (۱۴) خرابی ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (۱۵) کیا نہیں

نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ

ہم نے ہلاک کیا پہلوں کو (۱۶) پھر پیچھے بھیجیں گے انکے پچھلوں کو (۱۷) اسی طرح ہم کیا کرتے ہیں

بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ

مجرموں کے بارے میں (۱۸) خرابی ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (۱۹) کیا نہیں پیدا کیا ہم نے تمہیں سے

مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾

پانی حقیر (۲۰) پس رکھدیا ہم نے میں ٹھکانے محفوظ (۲۱) تک وقت مقرر (۲۲)

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾

پس اندازہ کیا ہم نے پس کیا ہی اچھے اندازہ کرنیوالے ہیں ہم (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ: اور آپ کو کس نے بتایا کہ فیصلہ کا دن کیا ہے۔ (۱۴) اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کیلئے۔ (۱۵) کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ (۱۶) پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو بھیجتے ہیں۔ (۱۷) ہم مجرموں کیساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ (۱۸) اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کیلئے۔ (۱۹) (ان سے کہا جائیگا) کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔ (۲۰) پھر ہم نے اس کو ایک مضبوط ٹھکانے میں رکھا۔ (۲۱) ایک مقرر مدت تک۔ (۲۲) پھر ہم نے اندازہ کیا، پس! ہم خوب اندازہ کرنے والے ہیں۔ (۲۳) اس دن تباہی و بربادی ہے جھٹلانے والوں کیلئے۔ (۲۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن وہ سارے واقعات ہوں گے جن کا ذکر کیا گیا ہے، وہی آخری فیصلہ کا دن ہے، تم جانتے بھی ہو کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا ہوگا، اس دن ان لوگوں کی جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اور اس کے پیغمبروں کو نہ مانا تھا پوری پوری شامت آئے گی، پھر ارشاد ہے کہ: ہم نے بہت سے قومیں تباہ کر دیں، اب جو ان کے بعد آئی ہیں انہیں بھی ہم تباہ کر سکتے ہیں، نافرمانی کرنے والی قومیں اسی طرح ہمارے ہاتھوں تباہ ہوتی رہی ہیں، پھر قیامت کے دن سب کو دوبارہ زندہ کریں گے، اس دن جھٹلانے والوں کا بہت بُرا حال ہوگا، یہ مت کہو کہ ہم ان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے، آخر پہلے بھی تو ہمیں نے پیدا کیا، ابتداء میں انسان کچھ بھی نہ تھا پھر ہم نے اسے منی کے ایک قطرے سے پیدا کیا، پھر اسے محفوظ بچہ دانی میں رکھا ایک مقرر مدت تک وہ اسی میں رہا، ہم نے اس کیلئے ٹھیک اندازہ کر کے پرورش کا سامان تیار کر دیا، پھر دیکھو! ہم کیسے اچھے اندازہ کرنے والے ہیں کہ کس کو کیسا بنانا ہے، کس وقت اور کس شکل وصورت میں پیدا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھو (ب)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً

خرابی ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (۲۴) کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی (۲۵) زندوں کو

وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً

اور مُردوں کو (۲۶) اور رکھے ہم نے میں اس بھاری پہاڑ اونچے اور پلایا ہم نے تمہیں پانی

فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ

بہت میٹھا (۲۷) خرابی ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (۲۸) چلو طرف اسکے کہ تھے تم جسکو

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّ
جھٹلاتے (۲۹) چلو طرف اس سایہ والے تین شاخوں (۳۰) نہ ٹھنڈی چھاؤں والا اور

لَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾
نہ بچائے سے گرمی (۳۱) البتہ وہ پھینکتی ہے انگارے مانند محل کے (۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔(۲۴) کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی۔(۲۵) زندوں کو اور مُردوں کو۔(۲۶) اور اس میں بوجھ کیلئے اونچے پہاڑ رکھے اور تمہیں میٹھا پانی پیاس بجھانے والا پلایا۔(۲۷) ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔(۲۸) چلو اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے۔(۲۹) چلو ایک چھاؤں کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں۔(۳۰) ایسا سایہ جو نہ گہرا ہوگا اور نہ گرمی سے بچائیگا۔(۳۱) وہ آگ کی چنگاریاں پھینکتی ہے محل جیسی بڑی۔(۳۲)

لفظی تحقیق: كِفَاتٌ: وہ جگہ جہاں سب ملے جلے پڑے ہوں۔یہ (ک ف ت) سے "كَفْتٌ" کے معنٰی ملانا، جوڑنا "كِفَاتٌ" اکٹھے ہونے کی جگہ۔شٰمِخٰتٌ: بلند، اونچے۔"شَامِخَةٌ" کی جمع ہے "شَمْخٌ" کے معنٰی بلند ہونا۔ظِلٌّ: سایہ، چھاؤں۔یہاں اس سے سائبان مراد ہے "ظَلِيْلٌ" اسی سے صفت ہے، گہری چھاؤں والا۔شَرَرٌ: چنگاریاں، انگارے۔چنگاری کو شرار بھی کہتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن جھٹلانے والے بڑی مصیبت میں پھنسیں گے، کیا انہیں معلوم نہیں کہ انسان مٹی سے بنا ہے اور مٹی ہی میں مل جائیگا، زمین نے زندوں اور مُردوں دونوں کو ملا رکھا اور سمیٹ رکھا ہے، دیکھو اس میں بڑے بڑے پہاڑ گڑے ہوئے ہیں اور میٹھے پانی کے چشمے جاری ہیں جن سے تمہیں خوشگوار پانی پینے کو ملتا ہے، اسی زمین میں سب کچھ ہے، تم پہلے بھی اسے بنے تھے اور قیامت کے دن بھی اسی سے نکالے جاؤ گے، اس واقعہ کو جھٹلانے سے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئیگا، قیامت میں منکروں سے کہا جائیگا چلو اس چیز کی طرف جسے تم

جھٹلاتے تھے،تم پر ایک سائبان دھویں کا اوپر دائیں بائیں تین طرف سے چھایا ہوگا،جس میں نہ سایہ ہے نہ گرمی سے پناہ،وہ دوزخ ایسے انگارے پھینکتی ہے جیسے بڑا محل۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا: اے انسان! ذرا غور تو کر،کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ یہ زمین زندوں کو بھی سمیٹتی ہے اور مُردوں کو بھی،مگر انسان کا کردار یہ ہے کہ زمین پر گندگی پھینکتا ہے،اس کو اکھیڑتا ہے،کھودتا ہے،زمین انسان کیلئے زندگی کا ٹھکانا مہیا کرتی ہے،اسی پر چلتا ہے،اسی پر مکان بناتا ہے،سڑکیں اور نہریں بناتا ہے،کھیتی باڑی کرتا ہے،کارخانے لگاتا ہے،اللہ تعالیٰ نے اسکی بناوٹ ایسی ہے کہ انسانی زندگی کا ہر فائدہ زمین میں رکھا ہے،اگر زمین نہ ہو تو انسان کی کوئی بھی ضرورت پوری نہ ہو،پھر یہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی انسان کا آخری ٹھکانا زمین ہی ہے،دفن،غرق اور جل جانے کی صورت میں آخرکار مٹی ہو کر زمین میں مل جاتے ہیں۔

وَ اَسۡقَیۡنٰکُمۡ مَّآءً فُرَاتًا: ہم نے تمہیں پیاس بجھانے والا پانی پلایا،فرات کا معنیٰ میٹھا،خوشگوار اور پیاس بجھانے والا ہے،اونچے اونچے پہاڑوں میں سے پانی کے چشمے نکلتے ہیں،پھر وہ دریا اور نہروں کی صورت میں میدانی علاقوں کو سیراب کرتے ہیں جسکی وجہ سے ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں،درختوں اور فصلوں کے علاوہ انسانی زندگی کے استعمال کیلئے میٹھا پانی میسر آتا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب میٹھا پانی پیتے تو کہتے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ سَقٰنَا مَآءً عَذۡبًا فُرَاتًا بِرَحۡمَتِہٖ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡہُ مِلۡحًا اُجَاجًا بِذُنُوۡبِنَا.

یعنی:اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں میٹھا پانی پلایا اور اسے ہمارے گناہوں کی وجہ سے کڑوا نہیں بنایا۔

دوزخ کیا ہے

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌؕ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا

گویا وہ اونٹ ہیں زرد (۳۳) خرابی ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (۳۴) یہ وہ دن ہے کہ وہ نہ

يَنْطِقُوْنَۙ﴿۳۵﴾ وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

بولیں گے (۳۵) اور نہ اجازت ہوگی ان کو کہ وہ عذر پیش کریں (۳۶) خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِۚ جَمَعْنٰكُمْ وَ الْاَوَّلِيْنَ﴿۳۸﴾ فَاِنْ

واسطے جھٹلانے والوں کے (۳۷) یہ ہے دن فیصلہ کا اکٹھا کر دیا ہم نے تمہیں اور پہلوں کو (۳۸) پس اگر

ع ۲۱ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۰﴾ؑ

ہے تمہارے پاس کوئی داؤ تو کرلو مجھ پر (۳۹) خرابی ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ: اس آگ کی چنگاریاں گویا زرد اونٹ ہیں۔ (۳۳) خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ (۳۴) یہ وہ دن ہے کہ وہ نہ بولیں گے۔ (۳۵) اور نہ اجازت ہوگی کہ وہ کوئی عذر کریں۔ (۳۶) خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ (۳۷) یہ ہے فیصلہ کا دن، جمع کیا ہم نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو۔ (۳۸) پھر اگر تمہارا کوئی داؤ ہے تو مجھ پر چلا لو۔ (۳۹) خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ (۴۰)

لفظی تحقیق: جِمٰلَةٌ: "جَمَلٌ" کی جمع ہے جو عرب میں اونٹ کو کہتے ہیں۔ كَيْدٌ: حیلہ، داؤ۔ اسی سے "كِيْدُوْا" امر کا صیغہ ہے، (ن) اصل میں (نی) ہے، وقف کی وجہ سے (ی) گرگئی۔

تفسیر

ارشاد ہے: دوزخ کی چنگاریاں اتنی بڑی بڑی ہوں گی جیسے بڑے بڑے محل ہوتے ہیں گویا کہ زرد اونٹ، اس بات کو سچ مانو، جو اسے جھوٹا سمجھیں گے ان کی قیامت کے دن بہت بری حالت ہوگی، اس دن کا حال

سنو! منکروں سے اس دن کہا جائیگا کہ لو یہ ہے قیامت کا دن یہاں تم بول نہیں سکو گے خوف کے مارے تمہاری زبان بند ہوجائیگی اور بولے بھی تو بولنا بیکار ہوگا اور بالکل نہ بولنے کے برابر، اس دن کسی کا کوئی عذر نہ سُنا جائیگا اور نہ اس کی اجازت دی جائیگی کہ نہ ماننے کی وجہ بتاؤ، کیونکہ جب قرآن مجید میں اس قدر صاف صاف سب کچھ بتادیا گیا ہے تو نہ ماننے کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی، وہ دن تو فقط اس لئے ہوگا کہ دنیا میں جس نے جو کچھ کیا تھا اسکی بابت اسے بتادیا جائے کہ وہ جنت میں جانے کے کا حقدار ہے یا دوزخ میں جانے کے کا حقدار ہے، اب جو اس بات کو نہیں مانتا وہ ایسی مصیبت میں پھنسے گا کہ جان پر بن آئے گی۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَ الْاَوَّلِيْنَ: ارشاد ہے: یہی فیصلے کا دن ہے جب پیغمبروں کیلئے وقت مقرر کیا جائیگا اور ساری امتوں کو جمع کیا جائیگا، یعنی: تمہیں بھی اور تم سے پہلوں (تمہارے باپ دادا) کو بھی اکٹھا کیا جائیگا، کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوگی بلکہ اس دن بڑی تنگی ہوگی اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَ ضِیْقِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ.

اے اللہ! میں آپ سے دنیا کی تنگی اور قیامت کی تنگی سے پناہ مانگتا ہوں۔

نیک لوگوں کا حال

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿٤١﴾ وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٤٢﴾

بیشک پرہیزگار میں ہونگے سایوں اور چشموں (٤١) اور پھل جو وہ چاہینگے (٤٢)

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي

کھاؤ اور پیو مزے سے بدلے اسکے جو تھے تم کرتے (٤٣) بیشک ہم اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾

اچھے کام کرنے والوں کو (٤٤) خرابی ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (٤٥)

بامحاورہ ترجمہ:۔ البتہ پرہیزگار سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (٤١) اور میوے ہوں گے جس

قِسم کے وہ چاہیں گے۔ (۴۲) (کہا جائیگا ان سے) کھاؤ اور پیو مزے سے اسکے بدلے جو تم نے اچھے عمل کئے تھے۔ (۴۳) ہم نیکی کرنے والوں کو یونہی بدلہ دیتے ہیں۔ (۴۴) خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ (۴۵)

لفظی تحقیق: هَنِيْٓءً: خوشگوار۔ صفت کا صیغہ ہے (ھ ن ء) سے "هَنَاءٌ" کے معنیٰ خوشگوار ہونا، مزیدار ہونا، رچتا پچتا ہونا۔

تفسیر

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی بسر کی ہوگی اور اس کے غضب سے ڈر کر دنیا میں گناہوں اور بُرے کاموں سے بچتے رہے ہوں گے، یہ لوگ حشر کے میدان میں عرش کے اور جنت کے اندر وہاں کے سرسبز درختوں کے سایہ میں ہوں گے، جہاں ہر طرف ٹھنڈے پانی کے اور دوسری پینے کی مزیدار چیزوں کے چشمے ہر طرف بہہ رہے ہوں گے اور ان کے پسندیدہ میوے ہر طرف جھکے پڑے ہوں گے اور ان سے کہہ دیا جائیگا کہ آج بے روک ٹوک یہ مزیدار چیزیں جتنی چاہے کھاؤ، زیادہ کھانے پینے سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوگی جیسے دنیا میں ہوا کرتی تھی، ہر وقت یا ٹھہر ٹھہر کر جیسے چاہو اور جس طرح چاہو کھاؤ پیو، یہ اسکا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں احتیاط کیساتھ بچ بچ کر چلتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو جائے، ہمارے ہاں ایسے اچھے چال چلن والوں کا یہی بدلہ ہے کہ آج انہیں عیش و آرام کیلئے آزاد چھوڑ دیا جائیگا، اس دن ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلایا تھا بہت بری حالت ہوگی۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ ہوگا، دوسری روایت میں آتا ہے کہ: پل صراط سے گزرتے وقت نیک لوگوں پر انکی نیکیوں کا سایہ ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: دنیا میں کیا ہوا صدقہ، غریبوں مسکینوں پر خرچ کیا ہوا مال قیامت کے دن ایسے لوگوں کیلئے سایہ بن جائیگا، یہ سایہ انہیں پل صراط سے گزرتے ہوئے بھی حاصل ہوگا اور قیامت کی سختی اور تلخی بھی مؤمن کے حق میں فائدہ مند ہوگی، جب مؤمن لوگ جنت میں پہنچیں گے تو وہاں درختوں کے گھنے سائے ہوں گے، اگر چہ وہاں تپش نہیں ہوگی مگر انسان کی

طبیعت بعض اوقات روشنی سے سائے میں جانا پسند کرے گی اس لئے جنت میں سائے بھی ہوں گے۔

عیون سے مراد چشمے اور نہریں ہیں اور فواکہ سے مراد ہر قسم کے پھل ہیں، انسان مختلف قسم کی چیزیں پسند کرتا ہے، کبھی میٹھے پھل کی خواہش کرے گا، کبھی کھٹے کی اور کبھی کھٹے میٹھے دونوں کی، یہ تمام چیزیں خواہش کے مطابق وہاں میسر ہوں گی۔

منکروں کو تنبیہ!

كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کھالو اور فائدہ اٹھالو کچھ دن بیشک تم مجرم ہو (۴۶) خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ

واسطے جھٹلانے والوں کے (۴۷) اور جب کہا جاتا تھا سے ان جھک جاؤ نہیں جھکتے تھے (۴۸) خرابی ہے

ع ۲ ۲۲ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (۴۹) پس کس بات پر بعد اسکے ایمان لائیںگے (۵۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کچھ دن کھالو اور مزے اُڑالو بیشک تم مجرم ہو۔(۴۶) خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔(۴۷) اور جب ان سے کہا جاتا تھا جھک جاؤ تو وہ نہیں جھکتے تھے۔(۴۸) خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔(۴۹) اب اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔(۵۰)

تفسیر

ان لوگوں سے کہا جارہا ہے جنہوں نے قرآن مجید کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی اور انہیں جھوٹا سمجھا کیونکہ دنیا نے تمہارے دل اپنی طرف کھینچ لئے اور تم یہاں کے عارضی مزوں پر خوش ہورہے ہو، تمہاری حالت پر افسوس ہے، یہ دنیا تو چند دن کی ہے اس میں کیا دل لگانا، اگر کچھ دن تھوڑا بہت آرام اٹھا بھی لیا تو کیا، تمہارا نام تو مجرموں

میں لکھا ہوا ہے، مرتے ہی تمہارے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پڑ جائیں گی اور تم اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونے کیلئے ہانک دیئے جاؤ گے، اچھی طرح سُن لو کہ یہ تمہارا دنیا کا عیش و آرام تھوڑے ہی دن کا ہے، اچھا ہم تمہیں مہلت دیتے ہیں چونکہ تم دنیا کو پسند کر چکے اس لئے کچھ روز کھا پی لو مرنے کے بعد تمہارے لئے کچھ نہیں، افسوس ان لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ ان سے لاکھ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکاؤ، یہ دین کی باتوں کو جھوٹا اور بناوٹی سمجھنے والے مرنے کے بعد بہت پچھتائیں گے، آخر اس قدر صاف صاف اور واضح ہو جانے کے بعد اب یہ اور کِن باتوں کا انتظار کر رہے ہیں جنہیں مانیں گے، اب آئندہ کوئی وحی نہیں آئے گی جو آنی تھی آ چکی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ: یہاں اکثر مفسرین کرام رکوع سے مراد اسکے لغوی معنیٰ یعنی جھکنا اور اطاعت کرنا مراد لیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب دنیا میں ان کو اطاعت کیلئے کہا جاتا تھا تو یہ اطاعت نہ کرتے تھے اور بعض حضرات نے رکوع کے اصطلاحی معنیٰ بھی مراد لئے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب ان کو رکوع کی طرف، یعنی: نماز کی طرف بلایا جاتا تھا تو یہ نماز نہ پڑھتے تھے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ: اے جھٹلانے والو! اگر اس کتاب پر ایمان نہیں لاتے تو پھر اور کونسی کتاب آئیگی جس پر تم ایمان لاؤ گے، قرآن مجید تو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، اسکے بعد کوئی کتاب نہیں اترے گی، لہٰذا اگر اس کتاب پر ایمان نہیں لاؤ گے تو ایمان سے محروم رہ جاؤ گے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہو گے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آتا ہے کہ: جب یہ آیت تلاوت کریں تو یوں کہیں "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِمَاۤ اَنْزَلَ" یعنی: ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا، یا "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِمَا وَحْدَهٗ" بھی کہہ سکتے ہیں۔

آیاتها — ۴۰ سُوْرَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ رکوعاتها — ۲

سورۃ النبا مکی ہے اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

یہ پوچھ گچھ کیسی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۞ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۞ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ

کس چیز کی بابت پوچھتے ہیں وہ (۱) بابت ایک خبر کی بڑی (۲) جو کہ وہ میں اس

مُخْتَلِفُوْنَ ۞ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۞ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۞

اختلاف کرنے والے ہیں (۳) ہرگز نہیں عنقریب جان لیں گے (۴) پھر ہرگز نہیں عنقریب جان لیں گے (۵)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ یہ لوگ کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ (۱) کیا یہ بڑی خبر کے متعلق دریافت کرتے ہیں؟ (۲) وہ خبر جس کے متعلق وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ (۳) سن لو! قیامت آئے گی عنقریب یہ لوگ جان لیں گے۔ (۴) پھر خبردار! عنقریب یہ لوگ جان لیں گے۔ (۵)

لفظی تحقیق: **عمه:** اصل میں "عن ما" تھا، نون کو میم میں ادغام کر دیا اور م کے آخر سے الف گرا دیا،

يَتَسَآءَلُوْنَ: آپس میں پوچھتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قرآن میں قیامت کا ذکر کر دیا، لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ یہ قیامت کیا ہے؟ بعض ہنسی اُڑانے کے لہجے میں اور بعض صاف انکار کے طور پر، ان سے کہہ دو کہ جس چیز کی بابت تم پوچھ رہے ہو وہ بڑی ڈراؤنی چیز ہے، اسے قرآن حکیم نے تم پر جتنا اس دنیا میں واضح کر دیا ہے اس سے زیادہ نہ تم اپنی عقل سے

الجزء ۳۰

اس کی تحقیق کر سکتے ہو اور نہ جان سکتے ہو اور نہ زیادہ جاننے کی ضرورت ہے، حقیقت تو اس کی تم پر جبھی کھلے گی جب وہ تمہارے سر پر ہی آجائے گی۔

آخر! یہ لوگ قیامت کی جستجو میں کیوں لگے ہوئے ہیں؟ کوئی کہتا ہے: یوں ہی ڈھکوسلا ہے، کچھ بھی نہیں، کوئی کہتا ہے مرکر کون دوبارہ جیتا ہے؟ ہمیں تو اس کا یقین نہیں، کیونکہ یہ سمجھ میں آنے کی چیز ہی نہیں، یوں ہی لوگوں کے ڈرانے کے لئے بات گھڑلی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دکھ یا آرام ہو، تو فقط روح کو ہوگا، بدن سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ غرض! جتنے منہ اتنی باتیں، ان سے کہہ دو کہ آدمی کو مرتے دیر نہیں لگتی، جس وقت تم پر موت آجائے گی تو ساری بات کھل جائے گی، ابھی کچھ نہیں سمجھ سکتے، اگر قرآن کے کہنے سے قیامت کا یقین کرلو تو بہتر ہے ورنہ وہ کچھ دور نہیں، عنقریب وہ تمہارے سر پر آکھڑی ہوگی اور تم جان لوگے کہ یہ ہے قیامت۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر ایک خاص انداز سے کیا ہے قیامت کا عقیدہ اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قیامت میں پیش آنے والے حساب کتاب اور عملوں کے بدلے کو اس سورت میں مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے اور اس کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

جب قرآن پاک اُترنا شروع ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مشرکوں کو ایمان کی طرف بلایا، اس ایمان کی طرف بلانے میں قیامت کا بھی ذکر تھا۔ کافروں نے طرح طرح کی بیہودہ باتیں کرنی شروع کردیں، اور قیامت کے واقع ہونے پر طرح طرح کے اعتراض کئے، کوئی کہتا تھا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ قیامت کب آئے گی؟ دوسرا کہتا میرا گمان نہیں ہے کہ قیامت آئے گی؟ کوئی کہتا یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں، کوئی قیامت نہیں ہے، اور پھر اس پر دلیل یہ قائم کرتے کہ جب ہم مٹی ہوجائیں گے تو دوبارہ کیسے اُٹھائے جائیں گے؟ یہ عقل و شعور کے خلاف ہے بہت دور کی بات ہے، بہت دور کی بات ہے جو تم سے قیامت کے بارے میں وعدہ کئے جارہے ہیں۔

ان کا یہ سوال کرنا کوئی حقیقت معلوم کرنے کیلئے نہیں تھا بلکہ مذاق اُڑانا مقصد تھا، ارشاد ہوتا ہے: یہ لوگ کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ پھر خود ہی فرمایا، کیا بڑی خبر کے بارے میں دریافت کرتے ہیں؟ یہاں پر

''بڑی خبر'' قیامت کو کہا گیا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: وہ بہت بڑی خبر ہے، مگر تم اس سے منہ پھیرے ہوئے ہو، اس کا انکار کرتے ہو، بڑی خبر اس لیے کہ وہاں بڑے ہیبت ناک حالات پیش آئینگے۔

حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے ''سورۃ ہود، سورۃ واقعہ، سورۃ نبا، سورۃ اذا الشمس کورت اور مرسلٰت'' نے بوڑھا کر دیا ہے، ان سورتوں میں قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے، اس طرح یہ ایک بڑی خبر ہے؛ اسی لیے اسے نبا عظیم کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کَلَّا'': یعنی: ہرگز نہیں! جو کچھ تم سمجھ رہے ہو، ایسی بات ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ عنقریب جان لیں گے، پھر فرمایا: خبردار! عنقریب ان لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ قیامت ایک حقیقت ہے، اور یقینی طور پر آنے والی ہے، اس سے انکار کرنا کفر ہے مرنے کے بعد ان کو دوسرے جہان کی چیزیں نظر آئیں گی۔

کام کی باتیں

اَ لَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝۶ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷ وَّ

کیا نہیں کیا ہم نے زمین کو بچھونا (۶) اور پہاڑوں کو میخیں (۷) اور

خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹ وَّ جَعَلْنَا

پیدا کیا ہم نے تم کو جوڑے (۸) اور کیا ہم نے نیند تمہاری کو راحت (۹) اور کر دیا ہم نے

الَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۰ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ

رات کو اوڑھنا (۱۰) اور کر دیا ہم نے دن کو کمائی کا وقت (۱۱) اور بنائے ہم نے اوپر تمہارے

سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳

سات سخت آسمان (۱۲) اور بنایا ہم نے ایک چراغ چمکتا (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔کیا ہم نے زمین کو بچھونا۔(۶) اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔(۷) اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔(۸) اور تمہاری نیند کو تمہاری تھکن دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔(۹) اور رات کو اوڑھنا بنایا۔(۱۰) اور دن کو کمائی کرنے کیلئے بنایا۔(۱۱) اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔(۱۲) اور سورج کو چمکتا چراغ بنایا۔(۱۳)

لفظی تحقیق: **مِھٰد:** بچھونا، ہموار دور تک پھیلا ہوا فرش۔ **اَوْتَاد:** میخیں۔"**وتد**" کی جمع ہے، **مَعَاش:** زندگی۔ زندگی کی ضرورتیں حاصل کرنے کا وقت۔ **شِدَاد:** مضبوط، مستحکم۔"**شِدَید**" کی جمع ہے **وَھَّاجًا:** چمکدار ۔صفت کا صیغہ ہے، و۔ہ۔ج سے "**وھج**" آگ کی یا سورج کی تپش، گرم روشنی۔

تفسیر

پہلے فرمایا کہ: قیامت کا نام سن کر یہ لوگ اس کی تحقیق میں مصروف ہو گئے اور عقل کے گھوڑے دوڑانے لگے، حالانکہ ان کی عقل اس قابل نہیں کہ وہ اس کی حقیقت کو سمجھ سکے: اس لئے ان کو اس پر یقین کر لینا چاہئے تھا، جو انہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے قیامت کی بابت بتایا تھا، کیونکہ غیب کی باتوں کا اتنا علم کافی ہے جس پر دنیاوی زندگی کی بنیاد رکھی جا سکے اور اتنا علم قرآن مجید سے بخوبی حاصل ہو سکتا ہے، اس سے زیادہ قیامت کی بابت بحث مباحثہ میں مت پڑو۔

اب تم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو، اس نے زمین تمہارے لئے فرش کی طرح بچھادی اور اس میں پہاڑوں کو میخوں کی طرح ٹھونک دیا تاکہ اس کی ریتلی مٹی مضبوط اور پائیدار ہو جائے، زمین ہی سے انسان کو پیدا کیا اور اسی سے مرد اور عورت کے جوڑے بنائے، اسی طرح ہر شے کیلئے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ ایک دوسرے کی کمی پوری کرے پھر رات کو آرام اور راحت کا ذریعہ بنایا، جس کا اندھیرا پردہ کی طرح سب پر چھا جاتا ہے اور سب کو چھپا لیتا ہے، دن کو محنت اور کام کاج کیلئے مقرر کیا، اوپر سات آسمان بنائے۔ جس میں نہ کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے

اور نہ کوئی سوراخ نظر آتا ہے، پھر سورج کو روشنی اور گرمی پہنچانے کے لئے پیدا کر دیا، جو سارا دن سر پر جگمگا رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ زمین ڈگمگاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس پر جگہ جگہ وزنی پہاڑ رکھ دیے تاکہ زمین کا توازن (بیلنس) درست رہے اور یہ ڈگمگانے نہ پائے، پہاڑوں کے پیدا کرنے کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میدانی زمین میں چونکہ زندگی کی تمام ضرورتیں مہیا نہیں ہوتیں، لہٰذا پہاڑ پیدا کر دیے، پہاڑوں سے چشمے اُبلتے ہیں، معدنیات حاصل ہوتی ہیں، جڑی بوٹیاں ملتی ہیں اور قیمتی پتھر وغیرہ ملتے ہیں، یہ سب چیزیں انسانی ضرورتوں کی ہیں مگر عام طور پر میدان میں نہیں ملتیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرمادیا: ان سے ایک طرف زندگی کی ضرورتیں میسر آئیں اور دوسری طرف انہوں نے زمین پر کیلوں کا کام دیا، تاکہ زمین کا توازن (بیلنس) درست رہے۔

وَ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا: اور ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا، جوڑے سے مراد، مرد اور عورت کا جوڑا ہے، یعنی: دو قسمیں پیدا کی۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کوئی ایمان لاتا ہے اور کوئی کفر کرتا ہے، کوئی نیکی کرتا ہے اور کوئی بدی کرتا ہے۔

وَ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا: ہم نے تمہارے لیے نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا، سبات گہرے سکون اور آرام کو کہتے ہیں، سکون انسان کو نیند کے ذریعے میسر آتا ہے تاکہ اس کی تھکاوٹ دور ہوجائے۔

انسان فطری طور پر کمزور ہے، لگاتار کام نہیں کرسکتا، بلکہ وقفہ وقفہ سے آرام کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نیند کو بنایا، تاکہ جب انسان کام کاج کر کے تھک جائے، تو کچھ دیر کیلئے سوجائے، اور پھر تازہ دم ہوکر دوبارہ کام میں لگ جائے۔

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا: اور ہم نے رات کو انسان کیلئے لباس کی طرح بنایا، جس طرح لباس انسان کو گرمی سردی وغیرہ سے بچاتا ہے، اسی طرح جب رات چھا جاتی ہے، تو سب چیزوں کو اپنے اندر ڈھانپ لیتی ہے،

اور ہر چیز پر سکون ہو جاتی ہے، پرندے، درندے اور خاص طور پر انسان رات کو آرام کرتے ہیں، لہٰذا رات بطورِ لباس پیدا کی گئی ہے۔

نیند انسان کی زندگی اور صحت کیلئے ضروری ہے، انسان کو نیند میسر نہ آئے تو طبیعت اُچاٹ ہو جاتی ہے، انسان پاگل بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا نیند نہایت ضروری ہے، اور یہ عام طور پر رات کو ہی میسر آتی ہے، لہٰذا انسانی زندگی کیلئے دن کی طرح رات بھی ضروری ہے۔

وَ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا: اور دن کو روزی کمانے کا ذریعہ بنایا، جس طرح آرام کیلئے رات ضروری ہے، اسی طرح کاروبار روزگار کیلئے دن کا ہونا بھی ضروری ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دن کو پیدا فرمایا، تاکہ لوگ کام کاج کر کے اپنے ضرورتوں کا بندوبست کر سکیں، انسان کی راحت وسکون کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو غذا وغیرہ کی ضروریات ملیں، ورنہ وہ نیند موت ہو جائے گی۔ اگر ہر وقت رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو یہ چیزیں کیسے حاصل ہوتیں؟ ان کے لئے محنت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے، جو روشنی میں ہو سکتی ہیں؛ اس لئے فرمایا کہ: تمہاری راحت کو مکمل کرنے کے لئے ہم نے صرف رات اور اسکی تاریکی ہی نہیں بنائی بلکہ ایک روشن دن بھی دیا جس میں تم کاروبار کر کے اپنی رزق روزی کی ضرورتیں حاصل کر سکو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ
اور اتارا ہم نے سے پانی بھرے بادلوں پانی زور سے بہتا (۱۴) تاکہ ہم نکالیں سے اس غلہ اور

نَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾
سبزی (۱۵) اور باغات گھنے (۱۶) تحقیق دن فیصلہ کا ہے ایک مقرر وقت (۱۷)

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ
جس دن پھونکا جائے گا میں صور پس چلے آؤ گے تم گروہ در گروہ (۱۸) اور کھول دیا جائے گا آسمان

فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

پس ہو جائے گا وہ دروازے دروازے(۱۹) اور جگہ سے ہلا دیا جائے گا پہاڑوں کو پس ہو جائیں گے چمکتی ریت(۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے پانی کا ریلا اُتارا۔(۱۴) تا کہ اس کے ذریعے ہم اناج اور سبزی نکالیں۔(۱۵) اور باغ پتوں میں لپٹے ہوئے۔(۱۶) بے شک فیصلے کا ایک دن مقرر ہے۔ (۱۷) جس دن صور پھونکا جائے گا پھر تم چلے آؤ گے، گروہ در گروہ۔(۱۸) اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔(۱۹) اور پہاڑ چلا دیے جائیں گے، تو وہ صحرا کی چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہو جائیں گے۔(۲۰)

لفظی تحقیق: **اَلْمُعْصِرٰتِ:** پانی سے بھرے ہوئے۔ اس کا مادہ ع۔ص۔ر ہے جس کے معنے نچوڑنے اور عرق ٹپکانے کے ہیں یہ "معصرۃ" کی جمع ہے اس سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل یا ہوائیں ہیں، جن سے مینہ برسنے لگے۔ **ثَجَّاج:** زور سے بہنے والا۔ اسم مبالغہ ہے ث۔ج۔ج سے "ثَجٌّ" کے معنی بہانا "ثَجٌّ" موسلا دھار بارش جس سے ندی نالے بہنے لگیں۔ **اَلْفَاف:** گھنے پتوں والے۔"لف" کی جمع ہے، وہ باغ جس کے درختوں کے پتے گھنے ہو گئے ہوں سرسبز۔ **سَرَاب:** صحرا کی ریت پانی کی طرح چمکتی ہوئی۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: پانی سے بھرے ہوئے بادلوں سے ہم نے موسلا دھار مینہ برسایا تا کہ اس کے ذریعے زمین میں سے غلہ، سبزی اور گھنے پتوں والے باغ اُگائیں، ان سب نعمتوں پر غور کرو اور سوچو کہ سارا سامان انسان کی اس دنیا کی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس سے ایمان والے اور کفر کرنے والے برابر فائدہ اُٹھاتے ہیں، دنیا میں تو کسی کو شکر کی جزا یا ناشکری کا پورا بدلہ نہیں دیا جاتا، لیکن ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جس میں ایمان والوں اور کفر کرنے والوں کو الگ الگ کر دیا جائے گا، اس کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آئے گا، صور پھونک دیا جائے گا اور لوگ جوق در جوق میدان حشر میں آنے لگیں گے، آسمان کے دروازے کھل

جائیں گے، پہاڑ چمکدار ریتوں کی طرح اُڑ جائیں گے۔

حدیث شریف میں صور کے بارے میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صور کے بارے میں پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: صور ایک سینگ کی طرح ہے، جس کا ایک کنارہ باریک اور دوسرا پھیلا ہوا ہے۔ اسرافیل علیہ السلام صور کے باریک کنارے میں پھونک ماریں گے، جو کھلے دہانے سے پھیلے گی، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا، پہلی پھونک پر تمام جانداروں کو موت آجائے گی، یہ سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا، یہ فنا کا صور ہوگا، جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا، تو تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، اور پھر ان کا حساب کتاب شروع ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: پہلے اور دوسرے صور کے درمیان چالیس (۴۰) کی مدت ہوگی، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ چالیس ۴۰ سال؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پھر پوچھا کہ چالیس دن؟ انہوں نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال! دوصوروں کے درمیان چالیس (۴۰) دن یا چالیس سال کی مدت ہوگی، پہلی بار صور پر تمام نظام ملیا میٹ ہو جائے گا اور دوسری بار صور پھونکنے پر پھر زندہ ہوجائینگے۔

ایک دوسری حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "میں کس طرح خوش رہ سکتا ہوں جب کہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں پکڑا ہوا ہے پیشانی جھکائی ہوئی ہے اور کان لگائے ہوئے انتظار میں ہے کہ کب حکم ہو اور وہ پھونک مارے۔

دوسری مرتبہ صور پھونکنے پر سب لوگ زندہ ہوجائیں گے، جس طرح وہ دنیا میں تھے، دوسری جگہ قرآن پاک میں موجود ہے کہ جب انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، تو انہیں الگ الگ کردیا جائے گا، یعنی: کافر الگ ہونگے، مؤمن الگ ہونگے، اطاعت والے علیحدہ ہونگے اور گناہوں میں مبتلا علیحدہ، زانی، قاتل، چور وغیرہ ہر قسم کے لوگ اپنے اپنے گروہ میں شامل ہونگے، اس طرح صحیح عقیدے کے لوگ الگ ہوں گے، اور بداعتقاد لوگ اپنے ٹولے میں ہونگے، صبر اور شکر کرنے والے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھیں گے اور ناشکر گذار

اپنے جیسوں کے ساتھ ہونگے، اس طرح گویا سب قسموں کے لوگ گروہ درگروہ آگے جائیں گے۔

وَ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا: پہاڑوں کو چلایا جائے گا اور وہ ریگستان کے چمکتے ہوئے ریت کی طرح ہوجائیں گے، مضبوطی سے جمے ہوئے یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، ان پہاڑوں کی حالت رنگین دُھنی ہوئی اون کی مانند ہوگی، کیونکہ دنیا میں پہاڑ مختلف رنگوں کے ہیں، بعض پہاڑ سُرخ ہیں، بعض سیاہ ہیں، پہاڑوں کے ذرات بکھر جائیں گے تو جب یہ ریزہ ریزہ ہوکر بکھریں گے تو رنگین دھنی ہوئی اُون کی مانند نظر آئیں گے، اس طرح گویا یہ بے حقیقت سی چیز بن کر رہ جائیں گے۔

کافروں کا انجام

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ
تحقیق دوزخ ہے تاک میں (۲۱) واسطے سرکشوں کے ٹھکانہ (۲۲) پڑے رہیں گے میں اس

اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا
مدتوں (۲۳) نہ چکھیں گے میں اس ٹھنڈک اور نہ پینے کی چیزیں (۲۴) مگر

حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ
گرم پانی اور پیپ (۲۵) یہ بدلہ ہوگا پورا پورا (۲۶) تحقیق وہ تھے نہ توقع رکھتے

حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ
حساب کی (۲۷) اور جھٹلاتے تھے آیتوں ہماری کو جھٹلانا (۲۸) اور ہر چیز کو گھیر رکھا ہے ہم نے اسے

ع كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾
لکھ کر (۲۹) پس چکھو مزا پس ہرگز نہ ہم بڑھائیں گے تم پر مگر عذاب (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ بے شک دوزخ تاک میں ہے۔ (۲۱) جو سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ (۲۲) وہ رہیں گے

اس میں مدتوں۔(۲۳) نہ وہاں کچھ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کچھ پینے کو ملے گا۔(۲۴) سوائے گرم پانی اور بہتی پیپ کے۔(۲۵) یہ انکا پورا بدلہ ہے۔(۲۶) ان کو حساب کا ڈر نہ تھا۔(۲۷) اور وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے شدت کے ساتھ۔(۲۸) اور ہم نے ہر چیز لکھ کر گن رکھی ہے۔(۲۹) اب مزہ چکھو کہ ہم تم پر عذاب کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کریں گے۔(۳۰)

لفظی تحقیق: مِرْصَاد: رصدگاہ، گھات میں بیٹھنے کی جگہ۔ اَحْقَاب: صدیوں۔ "حقب" کی جمع ہے، ۸۰ سال یا اس سے زیادہ کو کہتے ہیں، یہاں "اَحْقَاب" سے مراد لمبی مدت ہے۔ غَسَّاق: کچ لہو۔ وِفَاق: عملوں کے موافق، اسم مصدر ہے مراد یہ ہے کہ عذاب ویسا ہی شدید ہوگا، جیسا ان کا گناہ، یعنی: شرک شدید تھا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دنیا میں اچھے بُرے سب ملے جلے رہتے ہیں لیکن قیامت کے دن ان کو الگ الگ کر دیا جائیگا، بُرے لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے حکموں کو نہ مانا تھا دوزخ میں جائینگے، یہ دوزخ ان کی تاک میں ہے اور وہی کافروں کا ٹھکانا ہے اور وہ وہاں اسمیں پڑے رہیں گے، وہاں انہیں ٹھنڈک نصیب نہ ہوگی، پیاس حد سے زیادہ ہوگی مگر پینے کو کھولتا ہوا پانی یا زخموں سے بہتی پیپ کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور یہ ان کے کرتوتوں کی بالکل ٹھیک اور پوری سزا ہوگی، انہوں نے بھی تو غضب ہی کر دیا تھا کہ قیامت کے دن حساب کی پرواہی نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جان بوجھ کر برابر جھٹلاتے چلے جاتے تھے، انہوں نے سمجھا ہی نہیں کہ ہم ان کا ذرا ذرا سا کام لکھتے جا رہے ہیں اچھا اب اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھو، جیسی تمہاری سرکشی دنیا میں دم بہ دم بڑھتی جاتی تھی، ایسے ہی آج ہمارا عذاب بھی تمہارے اُوپر بڑھتا چلا جائیگا۔

یہ سخت سزائیں اس لیے دی جائیں گی کہ دنیا میں رہتے ہوئے وہ آخرت کے حساب کتاب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے۔ "رجا" کا معنیٰ توقع بھی ہے اور ڈر بھی، یہاں مراد دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں، یعنی: ان لوگوں کو نہ تو حساب کتاب کی توقع تھی، نہ ہی یہ اس سے خوف کھاتے تھے، وہ تو قیامت کے ہی منکر تھے، حساب کتاب تو

بعد کی بات ہے، وہ قیامت کے متعلق ہی بیہودہ قسم کے سوالات کرتے تھے اور آپس میں اختلافات رکھتے تھے۔
سزا کی دوسری وجہ بیان فرمائی کہ: یہ لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، انہوں نے بڑھ چڑھ کر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، اللہ تعالیٰ نے کوئی شریعت نہیں اتاری، کوئی قیامت نہیں آئے گی، لہٰذا اس جھٹلانے کی وجہ سے ان کو دوزخ کی سزائیں دی جائیں گی۔

کافر ہر چیز کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے، شروع سے لے کر آخر تک کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں محفوظ ہے، جس دن انسان اپنے سامنے اس رجسٹر کو کھلا پائے گا، جس میں اس کا اعمال نامہ درج ہے، تو تعجب سے کہے گا یہ عجیب تحریر ہے، جس میں ہر چھوٹی بڑی چیز درج ہے، انسان یہ دیکھ کر دنگ رہ جائے گا کہ اُس نے اپنی زندگی میں جو بھی نیکی یا بدی کی تھی سب وہاں موجود ہے۔

پرہیزگاروں کا انعام

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ كَوَاعِبَ
تحقیق واسطے پرہیزگاروں کے کامیابی ہے (۳۱) بہت سے باغ اور انگور (۳۲) اور نوجوان لڑکیاں

اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا
ایک عمر کی (۳۳) اور پیالہ چھلکتا (۳۴) نہ سنیں گے میں اس بکواس اور نہ

كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ
جھوٹ (۳۵) بدلہ سے رب آپ کے کا دیا ہوا پورا پورا (۳۶) جو رب ہے آسمان کا

وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾
اور زمین کا اور جو ان دونوں کے بیچ میں ہے بڑا مہربان نہیں مجال رکھتے وہ سے اس بات کرنے کی (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بے شک پرہیزگار لوگ کامیاب ہیں اور ملیں گے انہیں۔(۳۱) باغ اور انگور۔

(۳۲) اور نوجوان لڑکیاں ایک عمر کی۔ (۳۳) اور پیالے چھلکتے ہوئے۔ (۳۴) نہ سنیں گے وہاں بک بک اور نہ مکرانا۔ (۳۵) یہ آپ کے رب کی طرف سے پورا پورا انعام ہوگا۔ (۳۶) جو آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے، جو بڑی رحمت والا ہے کسی میں قدرت نہیں کہ کوئی اس سے بات کرے۔ (۳۷)

لفظی تحقیق: **مَفَاز**: کامیابی۔ "فوز" سے مصدر میمی ہے، **کَوَاعِب**: اُبھرتی جوانی والی عورتیں، "کَاعِب" کی جمع ہے، جو ک۔ع۔ب سے اسم فاعل ہے اور صرف مؤنث کے لئے استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس لئے تائے تانیث کی ضرورت نہیں، "کعب" کے معنی اُونچا ہونا، اُبھرنا، "کَاعِب" وہ عورت جس کے اعضاء، سینہ وغیرہ اُبھر رہے ہوں۔ **اَتْرَاب**: ہم عمر۔ **دِهَاق**: کناروں تک بھرا ہوا۔ **حِسَاب**: جچا تلا۔ کافی۔ صفت کا صیغہ ہے، اس کے معنی وہی ہیں جو "حسب" کے ہیں، یعنی: کافی۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے والوں کا انجام بتا کر اب ان لوگوں کے انعام کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر دنیا میں برے کاموں سے بچتے ہیں، ارشاد ہے کہ: دنیا میں اللہ تعالیٰ کو مان کر اس کے حکم کے مطابق چلنے والوں کے لئے آخرت میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے، ان کی جائز فطری خواہشوں کے پورا کرنے کا پورا پورا سامان وہاں ان کے لئے موجود ہوگا۔ کھانے کیلئے میوے اور جنسی تسکین کیلئے اُٹھتی جوانی والی لڑکیاں اور پینے کیلئے پاکیزہ مشروب سے بھرے پیالے، جام تیار ہونگے، وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں فضول بکواس نہیں سنیں گے اور نہ وہاں جھوٹ یا فریب کا نشان ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ان کے عملوں کا بھرپور بدلہ ملے گا، وہی اللہ تعالیٰ جو آسمان زمین اور ان کے بیچ کی ساری چیزوں کا رب اور پالنے والا، بڑی رحمت والا ہے، کسی کی مجال نہ ہوگی، جو اس کے سامنے بات کر سکے۔

نیک لوگوں کے انعام

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا: اب کامیابی کیا ہے؟ ہماری دنیاوی زندگی کے لحاظ سے زندگی کی ضرورتوں کا حاصل ہونا ہے، انسان کے ذہن میں کامیابی کا نقشہ اس قسم کا آسکتا ہے کہ جسمانی طور پر تندرستی ہو، روحانی طور پر راحت آرام وسکون ہو، بیوی بچے، مال ودولت، خوراک، لباس غرض کہ ضرورتوں کی تمام چیزیں موجود ہوں، یہی کامیابی ہے، کسی قسم کا رنج وغم اور جسمانی تکلیف نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر جنت میں داخل کیا تو فرمایا کہ: تمہیں نہ یہاں بھوک لگے گی نہ پیاس، ایسا لباس نصیب ہوگا، برہنگی یا دھوپ اور گرمی کا احساس نہ ہوگا، بہترین محل بھی نصیب ہوگا، یہی کامیابی ہے، بہشت میں پہنچنے والے ہر انسان کی کامیابی کا جو تصور قرآن پاک نے پیش کیا ہے، وہ اس قسم کا ہے جس طرح اس دنیا میں کوئی بادشاہ ہوتا ہے، حکومت، مال ودولت، محلات، نوکر چاکر یہ تمام چیزیں ایک بادشاہ ہوں کو حاصل ہوتی ہیں، وہ ایک خودمختار حکمران ہوتا ہے، جو نظام حکومت چلاتا ہے، اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عام جنتی کے متعلق فرمایا کہ: اس کے ایک ہزار خادم ہوں گے، جو اس کے ہر حکم کو پورا کرنے کیلئے تیار ہونگے، بعض روایات میں اسی ہزار (۸۰۰۰۰) خادموں کا ذکر بھی آتا ہے، عالیشان محل میسر ہوگا، باغات ہونگے اور پھر پہننے کیلئے ریشم کا لباس ہوگا، باریک، موٹا، سفید، رنگین، جس قسم کا کپڑا چاہے گا، اسے حاصل ہوگا۔

خوبصورتی کی چیزوں میں سے سونے کے کنگنوں کا ذکر آتا ہے کہ جنتیوں کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، دوسری جگہ موتیوں کا ذکر ہے کہ گلے میں پہننے کیلئے موتیوں کے ہار ہونگے۔

متقی سے مراد وہ شخص ہے جو کفر وشرک سے بچا کرتا ہے اور دنیاوی زندگی نہایت احتیاط کے ساتھ گزارتا ہے، لفظ تقویٰ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مکالمہ موجود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تقویٰ کس کو کہتے ہیں؟ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ''کیا آپ کو کبھی ایسے راستے

پر چلنے کا اتفاق نہیں ہوا جو کانٹوں والا ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے، میں ایسے راستوں سے گزرا ہوں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: تو ایسے راستے پر آپ نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے دامن کو سمیٹ لیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ وہاں سے گزرا کہ کہیں میرے کپڑے کانٹوں میں نہ اُلجھ جائیں، تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تقویٰ اسی طرح گناہوں سے بچ کر چلنے کا نام ہے جیسے: کوئی کانٹے والے راستے پر اپنے کپڑے بچاتا ہوا چلتا ہے۔

متقی، عقیدے اور عمل دونوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، تقویٰ ایک ایسی صفت ہے جو مومن کیلئے لازم ہے؛ اسی لئے قرآن میں جگہ جگہ حکم ہے، اے ایمان والو! اپنے اندر تقویٰ (اللہ تعالیٰ کا خوف) پیدا کرو، کہیں فرمایا: قرآن متقین کیلئے ہدایت ہے، ایک اور جگہ ارشاد ہے: اے عقل والو! تقویٰ اختیار کرو، یعنی: مجھ سے ڈرتے رہو، روزہ کے بیان میں فرمایا کہ: روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں تا کہ تم متقی بن جاؤ اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ شرعی حکموں پر آسانی سے عمل کرسکو۔

متقیوں کے انعامات کے متعلق فرمایا: ان کے لئے باغ اور انگوروں کے گچھے ہوں گے، "حَدِيقَة" اس باغ کو کہتے ہیں جسکے اردگرد چار دیواری ہو یا کوٹھی ہو، ویسے عام باغ کو عربی زبان میں "ریاض یا بستان" کہا جاتا ہے۔

باغ اور انگور تو رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان ہے، مگر ذہنی آرام وسکون کیلئے فرمایا: نوجوان ہم عمر عورتیں ہوں گی جو ظاہر اور باطن ہر لحاظ سے پاکیزہ ہوں گی۔

وَ كَاْسًا دِهَاقًا: جنتیوں کیلئے بھرے ہوئے پیالے ہوں گے، جن سے وہ سرور حاصل کریں گے، انہیں شراب طہور سے نوازا جائے گا۔ اس دنیا والی گندی، نشہ آور، قے آور، گالیاں بکنے اور دنگا فساد کرانے والی شراب نہیں ہوگی، بلکہ ایسی عمدہ شراب ہوگی جس سے سرور حاصل ہوگا، ان لوگوں نے دنیا میں سختیاں برداشت کیں، صبر و شکر کا دامن تھاما، دنیاوی نعمتوں سے محروم رہے، اس کے بدلے میں انہیں شراب طہور نصیب ہوگی۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا: جنتی جنت میں کوئی لغو یا جھوٹی بات نہیں سنیں گے، وہاں کوئی

بیہودہ بات چیت نہیں ہوگی بلکہ ہر طرف خیر و برکت کی باتیں ہوں گی، کوئی گالی گلوچ نہیں ہوگی، نہ کوئی جھوٹی بات ہوگی، جنت ان بری چیزوں سے مکمل طور پر پاک ہوگی، یہ جنت والوں کے انعامات ہوں گے۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ: یہ بدلہ ہوگا آپ کے رب کی طرف سے متقین کے لئے انعام کے طور پر، یعنی: جیسا کسی کا عمل ہوگا اس کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا۔ دوسری جگہ فرمایا: ہر انسان کا درجہ اس کے عمل کے مطابق ہوگا، جس اخلاق و کردار کا کوئی مالک ہوگا، اس کے مطابق اسے درجات حاصل ہوں گے، شہدوں کا درجہ اسی لئے بلند ہے کہ انہوں نے بڑا بلند کام کیا ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر درجے کا دوسرے سے فاصلہ اس قدر ہے، جتنا زمین سے آسمان کا، تو گویا جنتیوں کو اپنے رب کی طرف سے انعامات ملیں گے، درجات حاصل ہوں گے جو ان کے عملوں کے مطابق ہوں گے۔

وہ جو آسمان اور زمین کا رب ہے، اور ہر اس چیز کا رب ہے جو آسمان و زمین کے درمیان موجود ہے، نہایت ہی مہربان ہے، یہ اسکی صفت رحمٰن کی وجہ سے ہی متقین کو اعلیٰ مقام حاصل ہوں گے، یہ اسی کی مہربانی ہے۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا: اللہ تعالی کے سامنے کسی کو یہ بات کہنے کی مجال نہ ہوگی کہ فلاں کو زیادہ، فلاں کو کم کیوں دیا گیا؟

یہ سب کچھ قیامت کے دن ہوگا

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ

جس دن کھڑے ہونگے روح اور فرشتے صف باندھے نہ ایک بھی بولے گا مگر وہ کہ

اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ

اجازت دے جسے رحمٰن اور کہے ٹھیک بات (۳۸) وہ ہے دن واقعی آنے والا

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا

پس جو چاہے بنائے طرف رب اپنے کے ٹھکانا (۳۹) تحقیق ڈرایا ہم نے تم کو ایک عذاب

قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ
قریب جس دن دیکھ لے گا آدمی جو آگے بھیجا دونوں ہاتھوں نے اسکے اور کہے گا

الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾
اللہ کا منکر اے کاش میں ہوتا مٹی (۴۰)

ع ۲ / ۱ / ۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ جس دن روحیں اور فرشتے قطار باندھ کر کھڑے ہوں گے، کوئی نہیں بولے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن حکم دے، اور وہ ٹھیک بات بولے۔ (۳۸) یہ ہے دن برحق پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ۔ (۳۹) ہم نے تمہیں ایک نزدیک آنے والے عذاب کی خبر سنادی جس دن آدمی دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا اے کاش کہ! میں مٹی ہوتا۔ (۴۰)

لفظی تحقیق: رُوْحٌ: جان۔ اس سے مراد ساری پاکیزہ روحیں ہیں، یعنی: اللہ تعالیٰ کے نیک بندے مراد ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان کو اس کے کاموں کا جو اس نے دنیا میں کئے، اس دن پورا بدلہ ملے گا، جبکہ پاکیزہ روحیں اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے دربار میں صف باندھ کر کھڑے ہونگے، کسی کی مجال نہ ہوگی کہ وہاں کچھ بول سکے گا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بولنے کی اجازت اور حکم دیگا اور وہ وہی بات کہے گا جو مناسب اور درست ہوگی، اللہ تعالیٰ کے جلال کے آگے سب کی زبان بند ہوگی، کسی کی شفاعت بھی وہی کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دیگا۔

قیامت کا دن ضرور آکر رہے گا، کسی طرح ٹل نہیں سکتا، اس دن وہی لوگ دکھ رنج سے نجات پائیں گے جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرلی ہوگی اور اس کا حکم پورا کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہے

ہونگے، آج اس زندگی میں ہر شخص کو موقعہ حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کر کے اس کے پاس قیامت کے دن اپنے ٹھہرنے کی جگہ بنالے۔

ہم نے اپنی کتاب اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر ہر شخص کو ڈرایا ہے کہ موت کچھ دور نہیں، بُرے آدمی کو مرتے ہی عذاب سے پالا پڑیگا، اور قیامت کے دن اس کی بری گت بنے گی، اس دن اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مٹی ہوتے، تاکہ اس دن کی مصیبت سے بچ جاتے۔

اس دن کافر کہے گا، کاش میں مٹی ہوتا، تاکہ میرا حساب کتاب نہ ہوتا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جانوروں کو بھی انصاف دِلائیں گے، جس جانور نے دنیا میں کسی دوسرے جانور پر زیادتی کی ہوگی، اسے اس کا بدلہ دلایا جائے گا اور پھر ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہوجاؤ، ان جانوروں کو مٹی ہوتے ہوئے دیکھ کر کافر یہ تمنا کرینگے، اے کاش! ہم بھی مٹی ہوتے۔

سورۃ النازعات کا خلاصہ

اس سورت میں بھی قیامت کے حالات بیان کئے گئے ہیں، اس کا مضمون پہلی "سورۃ نبا" کے ساتھ ملتا جلتا ہے، ان سورتوں میں قیامت کا ہی ذکر ہے اس کے بعد بھی دور تک اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ہی ذکر فرمایا ہے، جس کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں کہ دنیا میں پھنسے رہنے والے موت سختی کا مزا چکھنے کے بعد آخرت کے عذاب میں پھنسیں گے، قیامت قائم ہوگی، پہلے تو لگا تار زلزلوں سے یہ زمین تباہ کردی جائے گی، اس کے بعد دوبارہ بنے گی اور انسان پھر جی اُٹھیں گے اور حشر کے میدان میں اپنے اپنے عملوں کا حساب دینے کیلئے اکٹھے ہوں گے، دنیا میں انسان کی جان نکالنے کیلئے اور آخرت میں عذاب دینے کیلئے خاص فرشتے مقرر ہیں۔

اے لوگو! اس دن کو مت بھولو جب زمین پر لگاتار زلزلے آئیں گے اور لوگوں کے دل دھڑکنے لگیں گے اور آنکھیں جھک جائیں گی، افسوس ہے! یہ لوگ اِس وقت اُس کا یقین نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے، بلکہ اس کو ہنسی میں یہ کہہ کر اُڑا دیتے ہیں کہ میاں ہڈیاں گل سڑ جانے کے بعد بھی کوئی دوبارہ پیدا ہوا

ہے جو ہم ہوں گے؟ کوئی عقل میں آنے کی بات ہے کہ دنیا کے مزے اس لئے چھوڑے جائیں کہ دوبارہ زندہ ہو کر پھر مزے اڑائیں گے اور کبھی نہ مریں گے؟ ہم اسے نہیں مانتے کہ دنیا میں ایک پابندی کی زندگی بسر کرنے کے بعد ایک اور زندگی آئے گی، جس میں آزادی اور اطمینان سے ہمیشہ کیلئے رہنا ملے گا۔

ایسے لوگوں کیلئے فرعون کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے دنیا کی خاطر دین کو چھوڑا تھا، دیکھو اس کا اسے دنیا ہی میں کیسا نتیجہ بھگتنا پڑا اور یہاں سے بھی نامراد گیا، کیا تم اس سے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ دنیا میں انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتی، وہ عیش کا سامان اکٹھا کرنے میں ہی لگا رہتا ہے یہاں تک کہ موت آ کر گلا دبا دیتی ہے، جس نے آسمان زمین پہاڑ اور میدان پیدا کر دیئے اور کائنات کا مکمل انتظام کر دیا، اس کے نزدیک دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے، خیریت اسی میں ہے کہ قیامت کو سچ مان کر اسکی تیاری کرو۔

آیاتہا — ۴۶ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّةٌ رکوعاتہا — ۲

سورۃ النازعات مکی ہے اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

فرشتوں کے کام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲

قسم ہے غوطہ لگا کر (کافروں کی روح) گھسیٹ لانے والے (فرشتوں) کی (۱) اور قسم ہے جسم و جان کی گرہ کھولنے والے فرشتوں کی (۲)

وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ

اور قسم ہے تیزی سے تیرنے والے (فرشتوں کی) (۳) پھر بڑھنے والوں کی جھپٹ کر (۴) پھر انتظام کرنے والوں کی

وقف لازم

اَمْرًا ﴿٥﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوْبٌ
حکم کے مطابق (۵) جس دن کپکپائے گی کپکپانے والی (۶) پیچھے آئے گی اسکے پیچھے آنے والی (۷) بہت سے دل

يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا
اس دن دھڑکنے والے ہونگے (۸) آنکھیں انکی نیچے جھکی ہوں گی (۹) یہ لوگ کہتے ہیں کیا یقیناً ہم

لَمَرْدُوْدُوْنَ فِى الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾
البتہ لوٹائے جائیں گے میں پہلی حالت (۱۰) کیا جب ہوجائینگے ہم ہڈیاں کھوکلی (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے! ان فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر فروں کی جانوں کو) کھینچنے والے ہیں۔(۱) قسم ہے! ان فرشتوں کی جو مومنوں کے جسم و جان کی گرہ کھولنے والے ہیں۔ (۲) قسم ہے! ان فرشتوں کی (جو فضاء میں) تیرتے پھرتے ہیں۔ (۳) قسم ہے! ان فرشتوں کی جو سبقت لے جانے والے ہیں۔ (۴) قسم! ان فرشتوں کی جو (اللہ کے حکم سے) تدبیر کرتے ہیں۔ (۵) جس دن کانپے گی کانپنے والی (یعنی: زمین)۔ (۶) اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی (یعنی: نفخہ ثانیہ)۔ (۷) اس دن بہت سے دل دھڑکنے والے ہوں گے۔ (۸) ان کی آنکھیں شرمندگی سے نیچے جھکی ہوئی ہوں گی۔ (۹) یہ کافر لوگ کہتے ہیں کیا ہم پھر دنیا میں لوٹائے جائینگے۔ (۱۰) کیا جب ہم بوسیدہ (بھربھری) ہڈیاں ہوجائیں گے؟ (۱۱)

لفظی تحقیق: نشط: گرہ کھول دینا۔ ناشطات: کھول دینے والے، ڈھیلا کردینے والے۔ یہاں فرشتے مراد ہیں، رجف: ہل جانا۔ رَادِفَة: پیچھے آنے والی۔ وجف: دھڑکنا۔ حَافِرَة: پہلی پیدائش۔ اسم ہے، "حفر" سے جس کے معنی کھود کر نکالنا ہے جیسے پانی وغیرہ، نَخِرَةً: بوسیدہ۔ صفت کا صیغہ ہے، ن۔خ۔ر سے، "نَخِرَ" کے معنی گل جانا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان کی جب موت آتی ہے تو فرشتے ہوا میں تیرتے ہیں، کافروں کی جان فرشتے ان کے

بدن میں گھس کر مشکل سے گھسیٹتے ہیں اور ایمان والوں کی اس طرح آسانی سے جان نکالتے ہیں گویا کہ گرہ کھولتے ہیں، یہ فرشتے ہوا میں تیرتے ہوئے اُترتے ہیں، پھر انسان کی روح کو تیزی سے لے جاتے ہیں اور اس کے عذاب یا ثواب کا جیسا انہیں حکم دیا جاتا ہے، بندوبست کرتے ہیں انسان مرنے کو تو جانتا ہے لیکن اسے چاہے کہ ان باتوں پر غور کرے جو مرنے کے وقت ہوتی ہیں، سمجھے کہ اسے ایک دن پھر جی اٹھنا ہے، اس دن زمین میں لگاتار زلزلے آئیں گے اور دل دھڑکنے لگیں گے آنکھیں جھک جائیں گی، ان لوگوں کو اس کا یقین کیوں نہیں آتا، کہتے ہیں کہ جب ہماری ہڈیاں گل کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گی تو پھر ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟

النّٰزِعٰتِ غَرْقًا: یعنی: سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالنے والے، مراد اس سے وہ عذاب کے فرشتے ہیں جو کافر کی روح اس کے بدن میں گھس کر کھینچتے ہیں، مراد اس سختی سے روحانی سختی ہے، یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والوں کو بھی اس سختی کا احساس ہو؛ اسی لئے بسا اوقت یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکلتی ہے مگر یہ آسانی ہمارے دیکھنے میں ہے، جو سختی اس کی روح پر ہورہی ہے، اس کو کون دیکھ سکتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی خبر دینے سے معلوم ہوسکتی ہے؛ اس لئے اس جملے میں یہ خبر دیدی گئی ہے کہ کافروں کی روح کو کھینچ کر سختی سے نکالا جاتا ہے۔

وَ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا: "نٰشِطٰتِ: نَشْط" سے مشتق ہے جس کے معنی بندھن کھول دینے کے ہیں، جس چیز میں پانی یا ہوا وغیرہ بھری ہوں، اسکا بندھن کھول دینے سے وہ پانی وغیرہ آسانی کے ساتھ نکل جاتا ہے، اس میں مومن کی روح نکلنے کو اس سے تشبیہ دیکر بتلایا ہے کہ جو فرشتے مومن کی روح نکالنے پر مقرر ہیں وہ آسانی سے اس کو نکالیتے ہیں، سختی نہیں کرتے، یہاں بھی آسانی سے روحانی آسانی مراد ہے جسمانی نہیں؛ اس لئے کسی مسلمان کو موت کے وقت روح نکلنے میں دیر لگنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر سختی ہورہی ہے، اگرچہ جسمانی طور پر یہ سختی دیکھی جاتی ہے۔

اصل وجہ یہ ہے کہ کافر کی روح کے نکلتے وقت ہی سے برزخ کا عذاب سامنے آجاتا ہے، اسکی روح اس

سے گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہتی ہے، فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں، اور مومن کی روح کے سامنے عالم برزخ کا ثواب، نعمتیں اور خوشخبریاں آتی ہیں، تو اس کی روح تیزی سے ان کی طرف جانا چاہتی ہے۔

"مسند احمد" کی حدیث میں آتا ہے کہ بعض بدکار آدمیوں کی جان فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں، جس سے انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے، فرشتے کہتے ہیں: اے ناپاک روح، ناپاک بدن سے نکل، خدا کے غضب کی طرف نکلو، وہ روح نکلنا نہیں چاہتی مگر فرشتے اسے کھینچ کر نکال لیتے ہیں، ایک مومن شخص دنیا کی پوری زندگی میں آخرت کیلئے فکرمند رہتا ہے؛ اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ آئندہ منزل اچھی ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے؛ اس لئے روح نکالتے وقت اسے تکلیف تو ہوتی ہے مگر وہ حالت نہیں ہوتی جو کافروں کی ہوتی ہے، مومن کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین ہوتا ہے، اسے اپنی منزل نظر آنے لگتی ہے، لہٰذا اسے روح نکلنے کی معمولی سی تکلیف ہوتی ہے۔

وَ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا: قسم ہے! ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فضاء میں تیرتے پھرتے ہیں اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ مومن مرنے والے کی روح فرشتے اس طرح لیجاتے ہیں، جیسے فرشتے کے کندھے پر تیرتی ہوئی جارہی ہے، اور پھر یہیں پر بس نہیں، بلکہ اس نیک روح کو لیجانے کیلئے فرشتے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں، آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کون اسے سب سے پہلے اوپر لے جائے؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نیک روح کو لے جانے کیلئے فرشتے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اسے پاکیزہ لباس میں لے جاتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا: اللہ تعالیٰ کے حکم کی تدبیر و تنفیذ کرنے والے، یعنی: ان موت کے فرشتوں کا آخری کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب اور راحت دینے کا حکم ہوگا، اس کیلئے راحت کے سامان جمع کردیں اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا، اس کیلئے اسکا انتظام کردیں۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ: اس کے بعد آئے گی پیچھے آنے والی، یعنی: پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ دوسرے صور پر ہر چیز زندہ ہوکر دوبارہ کھڑی ہوجائے گی، اور ان دو صوروں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ فرمایا: قیامت کے دن حالت یہ ہوگی کہ اس دن بہت سے دل دھڑک رہے ہونگے، ان پر خوف چھایا ہوا ہوگا کہ آج کیا

ہونے والا ہے نظریں نیچی ہونگی۔

حَافِرَةِ: سے مراد پہلی حالت، یعنی: اس دنیا کی سی حالت ہے، یعنی: جس طرح اس دنیا میں ہمارا روح و جسم کا رشتہ قائم ہے، کیا اسی طرح قیامت کو دوبارہ پلٹا دیے جائیں گے۔

قیامت میں شک بیکار ہے

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

کہنے لگے یہ تو پھر لوٹنا ہوا خسارہ والا (۱۲) پس کچھ نہیں وہ تو صرف جھڑکی ہے ایک (۱۳)

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ

پس اسی وقت وہ ہونگے میں میدان (۱۴) کیا آئی ہے آپ کے پاس بات موسیٰ کی (۱۵) جب

نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

پکارا اسے رب اسکے نے ایک میدان پاک یعنی طویٰ میں (۱۶) جائیں آپ طرف فرعون کی تحقیق اس نے

طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى

سرکشی کی (۱۷) پس کہہ کیا آنا چاہتا ہے طرف اسکی کہ پاک ہو جائے تو (۱۸) اور راہ دکھاؤں میں تجھے طرف

رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾

رب تیرے کی پس تو ڈرے (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے پھر تو یہ خسارے کا آنا ہے۔(۱۲) پس! کچھ نہیں وہ تو صرف ایک جھڑکی ہے۔ (۱۳) پھر تبھی وہ آرہیں میدان میں۔(۱۴) کیا آپ کے پاس موسیٰ کی بات پہنچی ہے؟(۱۵) جب اس کے رب نے اسے پکارا اس میدان میں جس کا نام طوٰی ہے۔(۱۶) جا! فرعون کے پاس اس نے نافرمانی کی۔(۱۷) پھر کہہ دیں! آپ کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے۔(۱۸) اور میں تجھے تیرے رب کی طرف راہ بتلاؤں تا کہ

وقف لازم
وقف لازم

تیرے اندر خوف پیدا ہو جائے۔(۱۹)

لفظی تحقیق: زَجْرَةٌ: ڈانٹ ڈپٹ۔ ز۔ج۔ر سے زَجْرٌ مصدر ہے اس کے معنی گھرکنا، زور سے کوئی حکم دینا اس میں تاء وحدت کی ہے۔ سَاهِرَة: جاگنے والی۔ اس کا مادہ س۔ھ۔ر، "سھر" کے معنی بیداری کے ہیں۔ "سَاهِرَة" اس سے اسم ہے، جس کے معنی چورس زمین کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جن لوگوں کو دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں، قرآن مجید میں موت کے بعد دوبارہ زندگی کا ذکر سن کر کہتے ہیں کہ جب مٹی میں مل گئے اور ہڈیاں گل کر راکھ ہوگئیں تو پھر ان میں دوبارہ جان کیسے پڑ جائے گی؟ اور ہم پہلے کی طرح دوبارہ زندہ ہو کر کیسے اٹھ کھڑے ہونگے؟ اگر ایسا ہوا تو دوبارہ زندہ ہونا ہمارے لئے تو بڑے خسارے کا باعث ہوگا، ہم تو اس وقت بالکل ہی گھاٹے میں ہونگے، کیونکہ ہم دنیا ہی کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے رہے اور اسی کے سامان کے پیچھے پڑے رہے، یہ ان کا کہنا مزاق کے طور پر تھا کہ میاں باؤلے ہوگئے ہو کہ مر کر جینا کیسا؟ ارشاد ہے کہ: ہمارے نزدیک تو دوبارہ زندہ کر دینا کچھ مشکل نہیں۔

ان کو چاہئے کہ اگر ان کی عقل میں دوبارہ پیدا ہونا نہیں آتا تو قرآن کے کہنے ہی سے مان لیں، ورنہ ان کو موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنادو، ان سے کہو کہ تمہیں خبر بھی ہے کہ موسیٰ ہمارے پیغمبر تھے جب ہم نے اسے طور پہاڑ پر وادیٔ طویٰ سے پکارا، یعنی: دور سے پہاڑ پر آگ دکھا کر اشارہ کیا کہ اِدھر چلے آؤ! چنانچہ وہ اپنے بکری کے ریوڑ اور بیوی کو میدان میں چھوڑ کر اس خیال سے آگ کی طرف گئے کہ وہاں سے آگ لا کر بیوی کو گرمائش پہنچانے کا سامان کریں جو حاملہ تھیں اور جنگل کی سردی سے کانپ رہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے انہیں پکارا اور جب وہ آگ کے قریب پہنچے تو اس میں سے آواز آئی: اے موسیٰ! ڈرو نہیں، پاؤں سے جوتی اتار کر آگے بڑھو، یہ ہماری تجلی کا پاک اور مقدس "مقامِ طویٰ" ہے۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ: مگر یہ تو ایک ہی ڈانٹ ہوگی ایک ہی دفعہ صور پھونکنے سے تمام چیزیں قائم ہو جائیں گی، اچانک تمام لوگ ایک چٹیل میدان میں موجود ہوں گے۔ "سَاهِرَة" کے معنی بالکل ہموار کے ہیں، یعنی: اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوگی، پورا میدان بالکل ہموار ہوگا، ہر چیز اس قدر واضح ہوگی کہ ایک طرف نگاہ اٹھائیں تو دوسری طرف تک کی چیزیں نظر آئیں گی۔

فرعون کا انجام

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ

پھر دکھائی اسکو اسکے رب کی نشانی بڑی (۲۰) پس اس نے جھٹلایا اور کہا نہ مانا (۲۱) پھر پیٹھ پھیر لی

يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾

تدبیر ڈھونڈتے ہوئے (۲۲) پس اکٹھا کیا پھر اونچی آواز سے پکارا (۲۳) پس کہا میں رب ہوں تمہارا سب سے بلند (۲۴)

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً

پس پکڑا اسے اللہ نے سزا میں آخرت کی اور دنیا کی (۲۵) تحقیق اندر اس کے البتہ عبرت ہے

لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ ع ۲

واسطے اسکے جو ڈرے (۲۶) کیا تم زیادہ مشکل ہو بنانے میں یا آسمان اس نے بنالیا اسے (۲۷)

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾

بلند کردی اٹھان اس کی پھر ٹھیک کیا اسے (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اسے وہ بڑی نشانی دکھائی۔ (۲۰) پس! اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ (۲۱) پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا تلاش کرتا ہوا۔ (۲۲) پھر سب کو جمع کیا۔ (۲۳) پھر پکار کر کہا: میں ہوں تمہارا رب سب سے اوپر۔ (۲۴) پھر اللہ تعالیٰ نے پکڑا اسے آخرت کی اور دنیا کی سزا میں۔ (۲۵) بے شک اس میں سوچنے کی

بات ہے اس کیلئے جس کے دل میں ڈر ہے۔(۲۶) کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا؟ اس نے اسے بنالیا۔ (۲۷) اونچا کیا اس کا اُبھار اپھر اس کو برابر کیا۔(۲۸)

لفظی تحقیق: **نَکَالَ**: سزا۔ اسم ہے ن۔ک۔ل سے "نَکَلَ" کے معنٰی عبرتناک سزا دینا۔ "نَکَالَ" وہ سزا جسے دوسرا دیکھ کر ڈر جائے۔ **سَمۡکَ**: اُبھار، اُٹھان۔ یہاں یہ ارتفاع کا ہم معنی ہے، یعنی: آسمان کی بناوٹ بہت اونچی اُٹھائی۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: موسٰی علیہ السلام نے فرعون سے کہا اللہ تعالٰی سب سے بڑا ہے اس نے تجھے سمجھانے کیلئے مجھے اپنا پیغمبر مقرر کر کے تیری طرف بھیجا ہے، اس کے ثبوت میں انہوں نے فرعون کو سب سے بڑی نشانی دکھائی، لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ اژدہا بن گئی، ہاتھ بغل میں رکھ کر نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگا، وہ ڈرا مگر پھر بھی نے انکار کیا اور ان کے معجزہ کو جادو کہا، اور ان کا کہنا ماننے سے انکار کر دیا، ان کی طرف سے پیٹھ موڑ کر لگا تدبیریں ڈھونڈ نے کہ کسی طرح موسٰی کو شکست دی جائے، اپنے لوگوں کو جمع کیا اور بڑے زور سے چیخا کہ لوگو! میں تمہارا سب سے اونچا اور بلند مرتبہ والا رب ہوں، اللہ تعالٰی کو اس کی یہ بات پسند نہیں آئی، دنیا میں بھی اسے بری طرح تباہ کیا اور آخرت میں بھی اس کیلئے دُکھ بھرا عذاب تیار ہے، اس کے کام اور اس کے انجام پر غور کرنے سے وہ لوگ سبق حاصل کر سکتے ہیں جن کے دل میں ڈر ہے، جو لوگ دوبارہ جی اُٹھنے کو نہیں مانتے، ان سے پوچھو کہ انسان جیسی چھوٹی سی چیز بنانی زیادہ مشکل ہے یا آسمان جیسا بڑا عظیم الشان کارخانہ بنانا؟ آسمان کو اللہ تعالٰی نے بنا کر کھڑا کر دیا اور اس کو اتنا اونچا اُٹھایا کہ نگاہ بھی اس کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتی، پھر پیدا کر کے اسے ہموار کر دیا۔

اس حکم کے ساتھ اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام کو دو عظیم نشانیاں یا معجزے بھی عطا کئے یعنی لاٹھی اور روشن ہاتھ، معجزہ پیغمبر کی سچائی کی علامت ہوتی ہے، جو اس کے ہاتھ پر اللہ تعالٰی ظاہر فرما دیتا ہے، عام مخلوق ایسی چیز پیش کرنے سے عاجز ہوتی ہے۔ تو یہی نشانیاں لے کر حضرت موسٰی علیہ السلام فرعون کے پاس گئے، فرعون نے ان معجزوں

کو جھٹلایا اور نافرمانی کی، لوگوں کو جمع کیا اور انہیں پکارا اور کہنے لگا: موسیٰ جادو کر رہا ہے، ہم اس کا توڑ کریں گے، چنانچہ "سورۂ طٰہٰ" میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل بیان فرمائی کہ پھر اس نے تمام جادوگروں کو جمع کیا، مگر وہ جادوگر بھی مسلمان ہو گئے، اور فرعون کو سوائے رُسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

زمین کا سامان

وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ

اور سیاہ کردیا رات کو اسکی اور ظاہر کیا دھوپ کو اس کی (۲۹) اور زمین کو بعد اس کے

دَحٰهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰهَا ﴿۳۱﴾ وَ الْجِبَالَ

پھیلایا اسے (۳۰) نکالا میں سے اس پانی اس کا اور چارہ اس کا (۳۱) اور پہاڑ

اَرْسٰهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ

جمایا ان کو (۳۲) نفع کیلئے تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے (۳۳) پس جب آپہنچے وہ قیامت

الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ

سب سے بڑی (۳۴) جس دن یاد کرے گا انسان جو کمایا اس نے (۳۵) اور ظاہر کردیجائے گی

الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾

دوزخ اس کیلئے جو دیکھے (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تاریک کیا (اس کی رات کو) اور کھول نکالی اس کی دھوپ۔ (۲۹) اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ (۳۰) زمین سے اس کا پانی اور چارہ باہر نکالا۔ (۳۱) اور پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا۔ (۳۲) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے کام چلانے کو۔ (۳۳) پھر جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا (قیامت)۔ (۳۴)

جس دن آدمی یاد کرے گا جو اس نے کمایا۔(۳۵) اور ظاہر کردی جائے گی دوزخ اس کیلئے جو دیکھے۔(۳۶)

لفظی تحقیق: اَغْطَشَ: سیاہ کردیا۔ اس کا مادہ غ۔ط۔ش غطش اندھیرے کو کہتے ہیں، اَغْطَشَ تاریک ہوگیا، متعدی اور لازم دونوں ہے، ضُحٰی: دھوپ چڑھے کا وقت، جب سورج خوب چمک جائے۔ مراد روزِ روشن ہے۔ الطَّآمّ: آفتوں کا مجموعہ۔ اس کا مادہ ط۔م۔م ہے "طم" کے معنی بھر جانا، "طامّة" وہ چیز جو آفتوں سے پر ہو، بُرِّزَتِ: سامنے ظاہر کردی جائے۔ ماضی مجہول ہے، "تبریز" سے جس کا مادہ ب۔ر۔ز ہے بروز: ظاہر ہونا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے رات کو تاریک اور سیاہ اور دن کو روشن اور اُجالے والا بنانے کا انتظام سورج کے ذریعہ کردیا، جب سورج سامنے آتا ہے تو دن کا اُجالا ہوجاتا ہے اور جب سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو اندھیری رات ہوجاتی ہے، اس کے بعد زمین کو فرش کی طرح بچھادیا، اور اس میں سے پانی نکالا اور اس کے ذریعہ سے آدمیوں اور مویشیوں کیلئے غلہ اور چارہ پیدا کیا، تاکہ جب تک زندگی ہے کھائیں پئیں اور اپنا کام کریں، تھوڑے دن کے بعد یہ سب کچھ ختم ہوجائے گا اور وہ بڑی آفتوں سے بھری ڈراونی گھڑی آجائے گی، جس کا نام قیامت ہے، اس دن انسان کے سامنے وہ سب کچھ آجائے گا، جو اس نے دنیا میں کیا تھا اور ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے دوزخ کو ظاہر کردیا جائے گا۔

وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا: اور اس کی (آسمان کی) رات کو تاریک بنایا، اور اس کی دوپہر کو نکالا، کیونکہ رات اور دن کا آنا آسمان سے تعلق رکھتا ہے، سورج کا تعلق آسمان کے ساتھ ہے، جب سورج غروب ہوتا ہے، تو رات آجاتی ہے، جب سورج نکلتا ہے تو دن آجاتا ہے۔

یقینی فیصلہ

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ
پس بات یہ ہیکہ جس نے سرکشی کی (۳۷) اور اختیار کیا زندگی کو دنیا کی (۳۸) پس تحقیق دوزخ ہی

هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ
ہے ٹھکانا (۳۹) اور بات یہ ہیکہ جو ڈرا کھڑا ہونے سے رب اپنے کے اور روکا اپنے آپ کو

عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ
سے خواہش (۴۰) پس تحقیق جنت ہی ہے ٹھکانہ (۴۱) پوچھتے ہیں آپ سے بارے میں

السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾
قیامت کے کب ہوگا ٹھہرنا اس کا (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔پس! جس نے سرکشی کی۔(۳۷) اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔(۳۸) پس! اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔(۳۹) اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے جی کو خواہشوں سے روکا۔(۴۰) سو! اس کا ٹھکانہ بہشت ہی ہے۔(۴۱) آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔(۴۲)

لفظی تحقیق: مُرْسٰی: ٹھہرنا، قیام کرنا۔ مصدر میمی ہے باب افعال سے اس کا مادہ ر۔س۔و ہے "رسو" کے معنی ٹھہر جانا، گڑ جانا۔ "ارسی" ٹھہرانا، گاڑنا۔ یہی معنی "مُرْسٰی" کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دوزخ برے لوگوں کے لئے اور جنت اچھے لوگوں کے لئے بنی ہے، اب اچھی طرح کان لگا کر سن لو! جس نے نافرمانی کی اور اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہنا نا مانا، اس کا ٹھکانا مرنے کے بعد سوائے دوزخ

کے اور کچھ نہیں، اور جس نے برائی اور گناہ کی باتوں کو اس ڈر سے چھوڑا کہ ایک دن اپنے رب کے سامنے حاضر ہو کر کھڑا ہونا ہے، اگر میں نے آج اس کی نافرمانی کی تو کل اسے کیا جواب دوں گا؟ ایسے شخص کا ٹھکانا مرنے کے بعد جنت ہے، لیکن ایسے لوگوں کا کیا علاج کہ صاف طور پر جانتے ہوئے کہ دنیا میں سدا رہنا نہیں، ایک نہ ایک دن موت آ کر گلا دبائے گی اور ہر ایک کو سب کچھ یہیں چھوڑ کر چل دینا ہوگا، ہنسی کے طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ ذرا بتائیں تو سہی کہ! وہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ: وہ قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی، "ارسٰی" کا لفظی معنی جہاز کا لنگر انداز ہونا ہے، جب جہاز کو کسی جگہ ٹھہرانا مقصود ہوتا ہے، تو اس کے لنگر سمندر میں پھینک دے جاتے ہیں، جس میں وہ ٹک جاتا ہے، اسی طرح قیامت کے لنگر انداز ہونے یا گاڑے جانے سے مراد اس کا برپا ہو جانا ہے، تو یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی؟

قیامت کا ٹھیک وقت

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ
کس چیز میں ہے تو متعلق اسکے ذکر سے (۴۳) طرف رب آپ کے ہے آخری پہنچ اسکی (۴۴) اسکے سوا کچھ نہیں کہ آپ

مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا
ڈرانے والا ہے اسے جو ڈرتا ہے اس سے (۴۵) گویا وہ جس دن دیکھیں گے اسے نہ ٹھہرے تھے

اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ ع ۲
مگر ایک شام یا صبح اس کی (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا کام کہ وہ کب اور کس وقت آئے گی۔ (۴۳)

اس کی انتہاء آپ کے رب کی طرف ہے۔ (۴۴) آپ تو اس کو ڈر سنانے کے واسطے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے۔

(۴۵) جس دن اسے دیکھیں گے تو ایسا لگے گا کہ دنیا میں نہ ٹھہرے تھے سوا ایک شام یا اس کی صبح۔ (۴۶)

لفظی تحقیق: فِيْمَ: اصل میں "فِيْ مَا" ہے جس کے معنی ہیں: کس چیز میں؟ حرف کے ساتھ مل کر ما استفہامیہ کا الف بولنے اور لکھنے دونوں میں گر جاتا ہے۔ ضُحٰی: صبح۔ جب سورج خوب چڑھ جائے اور روشن ہو جائے تو وہ "ضُحٰی" (چاشت) کا وقت کہلاتا ہے، اس کے بعد جب سورج ڈھل جائے اور اس کی روشنی دھیمی پڑ جائے تو "عَشِيَّةً" کا وقت شروع ہو جاتا ہے، ہر "عَشِيَّةً" سے پہلے "ضُحٰی" کا ہونا لازم ہے، اس لئے "ضُحٰی" کو اس کی طرف مضاف کر دیا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت بتاؤ، بھلا! ان باتوں سے آپ کو کیا تعلق؟ یہ بات کہ قیامت آنے کا ٹھیک وقت کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور آخر کار اس کی بابت یہی کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانے کب آئے گی؟ اے پیغمبر! آپ کا کام یہ نہیں کہ قیامت کے آنے کا وقت لوگوں کو بتائیں، آپ تو اس شخص کو جو قیامت کے آنے کو مانتا ہے اور ڈرتا ہے کہ جانے اس وقت میرا کیا حال ہوگا اور ہم پر کیا گزرے، یہ بتانے آئے ہیں کہ وہ بڑی مصیبتوں اور آفتوں کا دن ہے، جو چاہتا ہے کہ اس دن کی مصیبتوں اور آفتوں سے بچ جائے تو اسے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پیغمبر کا کہنا مانے، قرآن حکیم کی باتوں پر عمل کرے، ورنہ جو لوگ قیامت کو نہیں مانتے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں اور بے پروائی سے کہہ دیتے ہیں کہ اوّل تو قیامت کوئی چیز ہے ہی نہیں، بالفرض اگر آئی بھی تو مدتوں کے بعد آئے گی، ابھی سے اس کے فکر میں گھلنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے لوگ جب قیامت کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے ہائے یہ ابھی سے کیوں آگئی ابھی تو ہم نے دنیا میں ایک ہی شام یا ایک ہی صبح گزاری تھی۔

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا: آپ کو اس کے ذکر سے کیا واسطہ؟ یعنی: آپ کو اس کے واقع ہونے کا

کیسے علم ہوسکتا ہے، قیامت کی انتہاء تو آپ کے رب کی طرف ہے، وہی اس کے آنے کا وقت جانتا ہے، آپ زیادہ سے زیادہ قیامت کی نشانیاں اور اس میں پیش آنے والے واقعات سے خبردار کر سکتے ہیں، مگر اس کے واقع ہونے کے وقت کے متعلق کسی کو بھی نہیں بتایا گیا، قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اے پیغمبر! آپ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے لوگوں کو ڈرانے والے ہیں کہ پیغمبر کا کام ڈرادینا اور آگاہ کردینا ہے کہ اس قسم کے واقعات پیش آنے والے ہیں، سنبھل جاؤ! اور اس مشکل وقت کیلئے اسی وقت تیاری کرلو۔

آج تو یہ لوگ قیامت کے واقع ہونے کا وقت پوچھتے ہیں، مگر جب وہ برپا ہوجائے گی اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ ہم نہیں ٹھہرے دنیا میں سوا ایک صبح یا شام کا وقت۔ گویا اس دن انہیں زندگی اس قدر مختصر محسوس ہوگی کہ وہ سمجھیں گے کہ ہم نے دنیا میں ایک پورا دن بھی نہیں گذارا، بس دن کا حصہ، یعنی: جس طرح دوپہر کا کچھ حصہ جلدی سے گذر جاتا ہے یا پچھلا پہر ہوتا ہے، ساٹھ، ستر یا سو سالہ زندگی اتنی مختصر معلوم ہوگی، یہ اس وجہ سے ہوگا کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے، اور اس کے مقابلہ میں دنیا کی پوری زندگی دن کے ایک حصہ کے برابر ہے، آج یہ لوگ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں، قیامت کا انکار کرتے ہیں، اس کو قصے کہانیاں بتاتے ہیں، اور قیامت کے واقع ہونے کو عقل سے دور خیال کرتے ہیں، مگر اُس دن اُن پر حقیقت کھل جائے گی اور یہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

سورت کے آخر میں کافروں کے اس مخالفانہ سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کی معین تاریخ اور وقت بتلانے پر اصرار کرتے تھے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسکو حق تعالیٰ نے اپنی حکمت سے صرف اپنی ذات کیلئے مخصوص رکھا ہے، اس کی اطلاع کسی فرشتے یا پیغمبر کو بھی نہیں دی گئی ہے؛ اس لئے یہ مطالبہ بیکار ہے۔

سورۃ عبس کا خلاصہ

ارشاد ہوا کہ: جو شخص اسلام قبول کر کے اس کی باتیں سمجھنے آپ کے پاس آئے تو آپ اس کی طرف توجہ کریں اگر چہ وہ کوئی بڑا آدمی نہ ہو، آپ اسلام کی باتیں اسے سکھائیں، کیونکہ اِس سے اسے نفع پہنچنے کی کافی امید ہے، ان لوگوں کا حال جنہیں آپ اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہو، ابھی معلوم نہیں کہ مانیں گے یا نہیں مانیں گے، اس وقت تو وہ اسلام سے منہ موڑے ہوئے ہیں، جو اسلام کو مان چکا ہے، وہ پاکیزہ عادتوں والا بن سکتا ہے، جس نے مانا ہی نہیں وہ پاک صاف کیسے بن سکتا ہے؟ مسلم کی اصلاح کی کوشش اس بات سے پہلے ہونی چاہئے کہ غیر مسلم کو سمجھا کر مسلم بنایا جائے۔ اسی سلسلہ میں ان باتوں کو واضح کیا گیا ہے، جو پہلے ایک مسلمان کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں، کیونکہ جب تک وہ خود نہ سمجھ لے گا اوروں کو کیا سمجھائے گا؟ وہ باتیں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پہچانو، اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دنیا میں رہنے کے سارے سامان کر دیئے، اس کے بعد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر سرخرو ہونے کیلئے دنیا میں وہ کام کرو جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور ان کاموں سے رُک جاؤ جن سے اس نے روکا ہے۔

شانِ نزول

ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے کچھ لوگ جو اُن میں بڑے مالدار تھے، اور بااثر سمجھے جاتے تھے، جمع تھے اور آپ انہیں اسلام کی خوبیاں اس ارادے سے سمجھا رہے تھے کہ شاید ان کی سمجھ میں آجائے اگر یہ اسلام میں داخل ہو گئے تو ان کی دیکھا دیکھی سارے مسلمان ہو جائیں گے اور اس طرح اسلام کو قوت حاصل ہو جائے، آپ ان سے گفتگو میں مصروف تھے کہ ایک نابینا صحابی جنہیں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہتے تھے، آپ کے پاس بے دھڑک چلے آئے اور آتے ہی کہنے لگے: اے اللہ کے پیغمبر! مجھے وہ باتیں بتایئے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلائی ہیں، تاکہ میں ان کو سمجھ کر ان پر عمل کروں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرخرو ہوں، وہ اسلام قبول کر چکے تھے

اور اب اس کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے تھے، ایسے موقعہ پر ان کا آنا آپ ﷺ کو ناگوارا ہوا، کیونکہ انہوں نے آتے ہی اپنی باتیں شروع کر دیں اور اس سے ان باتوں کا جو آپ قریش کے سرداروں سے کر رہے تھے، سلسلہ ٹوٹ گیا، اس بات سے آپ ﷺ کے چہرے مبارک سے ناراضگی ظاہر ہوئی، اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

آیاتھا ۴۲ — سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۱

سورۃ عبس مکی ہے اس میں بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

اصلاح کہاں سے شروع ہو؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰىٓ ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ
تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا (۱) کہ آیا اسکے پاس نابینا (۲) اور کس نے بتلایا آپ کو یہ شاید وہ

يَزَّكّٰىٓ ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵
پاک ہو جاتا (۳) یا نصیحت سنتا پس کام آتی اسکے نصیحت (۴) بات یہ ہوئی کہ جو کوئی بے پروائی کرتا ہے (۵)

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَ اَمَّا مَنْ
سو! آپ اس کی فکر میں ہے (۶) اور نہیں آپ پر لازم کہ وہ پاک نہیں ہوتا (۷) اور یہ بات کہ جو

جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَ هُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰
آیا آپ کے پاس دوڑتا (۸) اور وہ خوف رکھتا ہے (۹) سو! آپ سے اس توجہ ہٹاتے ہیں (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: آپ نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا۔(۱) اس وجہ سے کہ آپ کے پاس ایک نابینا آیا۔(۲) اور آپ کو کیا خبر شاید وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا۔(۳) یا سوچتا تو اس کے کام آتا آپ کا سمجھانا۔

(۴)وہ جو پروانہیں کرتا۔(۵)سو! آپ اس کی فکر میں ہیں۔(۶)اور حالانکہ آپ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ کفر اور شرک سے پاک کیوں نہیں ہوتا۔(۷)اور جو آپ کے پاس آیا دوڑتا ہوا۔(۸)اور وہ ڈرتا ہے۔(۹)سو! آپ اس سے بے توجہی کرتے ہیں۔(۱۰)

لفظی تحقیق: تَصَدّٰی: درپے ہوا۔ ماضی کا صیغہ ہے"تَصَدّٰی" سے جس کا مادہ ص۔ د۔ ی ہے، "صَدّٰی" کے معنی کسی کام کی طرف ہمہ تن توجہ کرنا،"تَصَدّٰی" کسی کام کے پیچھے پڑ جانا۔ تَلَهّٰی: اعراض کیا۔ "تَلَهّٰی" سے ماضی کا صیغہ ہے جس کا مادہ ل۔ ہ۔ و ہے"لَهو" کے معنیٰ کھیل کے ہیں،"تَلَهّٰی عنه" کسی سے منہ موڑ کر اور اپنے کام میں لگ گیا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: آپ کے پاس جب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا آئے تو آپ کی پیشانی پر بل پڑ گیا، کیونکہ آپ اس وقت قریش کے بڑے لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے، اس وقت اس نابینا کا آنا اور اپنی بات کہنی شروع کر دینا، آپ کو ناگوار ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ: آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کے آنے سے حرج ہوا؟ شاید اسے آپ کی باتوں سے دل و جان کی پاکیزگی نصیب ہو جاتی یا قرآن کی آیتیں سنتا اور سمجھتا تو اسے اس سے نفع پہنچتا، آپ ان کے سمجھانے میں لگے ہوئے ہیں، جو آپ کی پروا نہیں کرتے اور برائیوں سے پاک صاف ہونا نہیں چاہتے اور نہ صحیح بات سمجھنا چاہتے ہیں، آپ کے اوپر ان کا سمجھانا ضروری نہیں، وہ برائیوں میں لت پت رہنا چاہتے ہیں تو رہنے دو، آپ پر کوئی الزام نہیں، لیکن جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر آپ کے پاس دوڑا ہوا آتا ہے اور آپ کی نصیحت ماننے کو تیار ہے، آپ کا اس سے منہ موڑنا مناسب نہیں۔

شانِ نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی کا نقل کیا گیا ہے، اس میں بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نابینا ہونے کے سبب یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ

آپ ﷺ کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہو کر پیغمبر ﷺ کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔

"ابن کثیر" کی ایک روایت میں ہے کہ جس وقت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پیغمبر ﷺ اس وقت مکہ کے سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے، یہ سردار عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل ابن ہشام اور پیغمبر ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پیغمبر ﷺ کو اس موقع پر عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا اس طرح آجانا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرنے کے سوال پر فوری جواب کیلئے اصرار کرنا ناگوار ہوا، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پکے مسلمان اور ہر وقت حاضر رہنے والے تھے، کسی دوسرے وقت میں بھی سوال کر سکتے تھے، ان کے سوال کا جواب بعد میں دینے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا، بخلاف قریش کے سرداروں کے کہ نہ یہ لوگ ہر وقت آپکی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ پہنچایا جا سکتا ہے، اس وقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے جس سے انکے ایمان لانے کی توقع کی جا سکتی تھی، اور ان کی بات کاٹ دیجاتی تو ایمان ہی سے محرومی ان کی ظاہر تھی، ان حالات کی وجہ سے پیغمبر ﷺ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے رُخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور تبلیغ کی جو گفتگو قریش کے سرداروں کے ساتھ جاری تھی، اس کو جاری رکھا، اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت "سورۃ عبس" کی آیتیں اتری جس میں آپ کے اس طرزِ عمل پر آپ کو تنبیہ کی گئی۔

یہ نابینا شخص حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ کے مؤذن تھے، آپ ﷺ سے رشتہ داری بھی تھی، یہ اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خالہ کے بیٹے تھے، ان کی صلاحیت کا یہ حال تھا کہ پیغمبر ﷺ سفر پر تشریف لے گئے تو اپنے بعد دو دفعہ انہیں مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا، اس نابینا شخص کے متعلق حضرت شیخ الاسلام تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آپ زِرہ پہنے ہاتھ میں جھنڈا لئے قادسیہ کی جنگ میں شریک ہوئے، اور اسی معرکہ میں شہید ہوئے، باوجود نابینا ہونے کے آپ نے بہادری دِکھائی۔

قرآن کا مقصد

وقف لازم

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬

بات یہ نہیں تحقیق وہ تو نصیحت نامہ ہے (۱۱) پس جو چاہے پڑھے اسے (۱۲) بیچ ورقوں کے عزت والے (۱۳)

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ⑭ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ⑯ قُتِلَ

بلند رکھے ہوئے بہت پاک صاف (۱۴) بیچ ہاتھوں لکھنے والوں (۱۵) بلند مرتبہ نیکوکار کے (۱۶) مارا جائے

الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ⑰ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ⑱ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ

آدمی کیا ہی ناشکرا ہے وہ (۱۷) سے کس چیز پیدا کیا اسے (۱۸) سے ایک قطرہ

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ⑳ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ㉑

پیدا کیا اسے پس ٹھیک کیا اسے (۱۹) پھر راہ آسان کر دی اس کیلئے (۲۰) پھر مردہ کیا اسے پھر قبر میں رکھوایا اسے (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ: یوں نہیں یہ قرآن کی آیتیں تو نصیحت ہے۔(۱۱) پھر جو چاہے اسے پڑھے۔(۱۲) لکھا ہے عزت والے ورقوں میں۔(۱۳) اونچے رکھے ہوئے نہایت ستھرے۔(۱۴) ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔(۱۵) جو بڑے درجہ والے نیکوں کار ہیں۔(۱۶) مارا جائے آدمی کیسا ناشکرا ہے۔(۱۷) کس چیز سے اسے بنایا۔(۱۸) ایک منی کے قطرے سے بنایا ہے پھر اندازہ پر رکھا اسے۔(۱۹) پھر اسکی راہ آسان کر دی۔(۲۰) پھر اسے مردہ کیا پھر اسے قبر میں رکھوایا۔(۲۱)

لفظی تحقیق: سَفَرَةٍ: لکھنے والے۔"سافر" کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے س۔ف۔ر سے "سفر" کے معنی لکھنا "سافر" لکھنے والا۔ بَرَرَةٍ: نیک کام کرنے والے۔"بار" کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے ب۔ر۔ر سے۔"بر" کے معنی نیک کام کرنا اسی سے "بر" صفت مشبہ ہے جس کی جمع "ابرار" ہے اور "بار" اسم فاعل ہے جس کی جمع "بَرَرَةٍ" ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ قرآن اس لئے نہیں ہے کہ اس کے سنانے کے لئے کسی کی خوشامد کی جائے، اسے آپ ہر ایک کو سناؤ، بلکہ جو اس کے سننے کیلئے خود دوڑا آئے، اسے خوب اچھی طرح سناؤ اور مطلب سمجھاؤ، کیونکہ اسے اس سے فائدہ پہنچنے کی امید ہے، آپ کا کام اسے قرآن سنانا اور سمجھانا ہے، جو اسے سننا اور سمجھنا چاہتا ہے جو نہیں چاہتا وہ جانے اور اس کا کام، آپ اسے چھوڑو، آپ تو اس کی طرف توجہ کرو جو اسے کان لگا کر سنے اور اس پر عمل کرنا چاہے، قرآن کو ہرگز کسی کے سر پر زبردستی ڈالنا مقصود نہیں، یہ تو سارے انسانوں کیلئے نصیحت نامہ اور ہدایت نامہ ہے، جس کا جی چاہے اس سے نصیحت اور ہدایت حاصل کرے، یہ بڑی مقدس اور پاک صاف کتاب ہے اور مقدس ورقوں پر لکھی ہوئی لوح محفوظ میں موجود ہے، وہاں سے اسے فرشتے نقل کرتے ہیں جو بڑے نیک اور معزز ہیں اور پھر اسے ہمارے پیغمبر تک پہنچاتے ہیں، یہ انسان کی بدنصیبی ہے کہ اس کی قدر نہ کرے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک منی کے قطرے سے پیدا کیا پھر ایک وقت مقررہ کے بعد ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کیلئے پیدائش کا راستہ آسان کردیا اس میں بڑی بڑی صلاحیتیں رکھ دیں ہیں، پھر اسے مرکر قبر میں جانا ہے، اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہئے۔

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ: یہ نصیحت بلند عزت والے صحیفوں میں لکھی ہوئی لوحِ محفوظ میں ہے، "مُکَرَّمَةٍ" کے معنی عزت والے صحیفے، قرآن پاک کی ہر سورة صحیفہ ہے۔

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ: بلند ہیں اور پاک ہیں، بلند اس اعتبار سے کہ جو شخص ان پر ایمان لائے گا، بلند اخلاق والا بن جائے، اور پاکیزہ اس وجہ سے کہ ان پر ایمان لانے والا خدا کی وحدانیت کو پہچان لیگا۔

بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ: ایسے لکھنے والے ہاتھوں میں ہیں جو بزرگ ہیں اور بڑے نیک ہیں، اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کو لاتے ہیں، اور وہ لکھتے ہیں، دنیا میں جن کے پاس یہ قرآن پاک آتا ہے، ان کا

بھی فرض ہے کہ وہ بھی پاک صاف ہوکر اس کو لیں، انہیں چاہئے کہ وہ خدائی سفیر بن کر اس کی پاکیزہ کتاب کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں، یہ کام پاکیزہ اخلاق کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ: ایسا انسان مارا جائے یہ کس قدر ناشکر گزار ہے، یہاں انسان سے مراد کافر اور مشرک انسان ہے، "قُتِلَ" مجہول کا صیغہ ہے، بددعا یا زجر و توبیخ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جب لفظ "قُتِلَ" استعمال کیا جاتا ہے، تو اس کا مطلب ہوتا ہے، خدا کرے یہ مارا جائے، تباہ و برباد ہو، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو بددعا کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو مالک ہے جس کو جب چاہے ہلاک کر دے، یہ محض ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ ایسا شخص تباہ کرنے کے لائق ہے کہ کس قدر ناشکر گزار ہے کفر و شرک پر اڑا ہوا ہے، قرآن پاک جیسی پاکیزہ کتاب سے منہ موڑتا ہے، جو انسان کو اس کے ضروری کاموں سے آگاہ کرتی ہے، اسے توحید اور ایمان کی دولت سے مالا مال کرتی ہے، اونچے اخلاق کی تعلیم دیتی ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، قرآن پاک ایک بہت بڑی روحانی نعمت ہے، لہٰذا انسان کو شکر گزار بننا چاہئے، ناشکری نہیں کرنی چاہئے۔

فَاَقْبَرَهٗ: کے معنی پھر اس کو قبر میں داخل کیا، یہ بھی ایک انعام ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے عام جانوروں کی طرح نہیں رکھا کہ مر گیا تو وہیں زمین پر سڑتا اور پھولتا پھٹتا رہے، بلکہ اس کا اکرام یہ کیا گیا کہ اس کو نہلا کر نئے اور پاک صاف کفن میں احترام کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ میت کو دفن کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کو پہچانو

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ

پھر جب چاہے گا دوبارہ زندہ کر دیگا اسے (۲۲) خبردار ابھی تک نہیں پورا کیا اسنے جو حکم دیا اسے (۲۳) پس چاہئے کہ دیکھے

الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿٢٤﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ

انسان طرف کھانے کی اپنے (۲۴) کہ ہم نے اوپر سے ڈالا پانی ایک طریقہ سے (۲۵) پھر

شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَّ عِنَبًا وَّ

چیرا ہم نے زمین کو ایک طریقہ سے (۲۶) پھر اُگایا ہم نے میں اس غلہ (۲۷) اور انگور اور

قَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَّ فَاكِهَةً

ترکاری (۲۸) اور زیتون اور کھجور (۲۹) اور باغات گھنے (۳۰) اور میوہ

وَّ اَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

اور چارہ (۳۱) فائدہ کیلئے تمہارے اور مویشیوں کے تمہارے (۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اٹھا نکالے گا اسے۔ (۲۲) ہرگز نہیں پورا کیا اس نے جو حکم دیا تھا۔ (۲۳) پس! چاہئے کہ دیکھے انسان اپنے کھانے کو۔ (۲۴) کہ ہم نے اوپر سے گرتا ہوا پانی ڈالا۔ (۲۵) پھر زمین کو پھاڑ کر چیرا۔ (۲۶) پھر اس میں اناج اگایا۔ (۲۷) اور انگور اور ترکاری۔ (۲۸) اور زیتون اور کھجوریں۔ (۲۹) اور گنجان باغ۔ (۳۰) اور میوہ اور گھاس۔ (۳۱) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے کام چلانے کو۔ (۳۲)

لفظی تحقیق: **قَضْب:** ترکاری۔ وہ درخت جس کے پتے خوب پھیلے ہوئے ہوں۔ یہاں مراد انسان کے کھانے کی ترکاریاں ہیں۔ **غُلْب:** گنجان (گھنے)۔ اغلب اور غُلْبَاء کی جمع وہ باغ جو درختوں سے بھرا پڑا ہو، گھاس، چراگاہ۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پانی کے ایک قطرے سے پیدا کیا اور اس کی تمام قوتیں اور سارے اعضاء ایک اندازے کے مطابق اپنی اپنی جگہ درست بٹھادیے، پھر اس کے لئے ہر کام کا راستہ آسان

کر دیا، مرنے کے بعد اس کی لاش کو بے حرمتی سے بچانے کیلئے قبر میں رکھنے کی ہدایت کر دی، اس کے بعد جب وہ چاہے گا، اسے دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کریگا، ابھی اسے دوبارہ زندگی عطا کرنے کا وقت نہیں آیا ہے کیونکہ ابھی دنیا کے قائم رکھنے کا مقصد پورے طور پر حاصل نہیں ہوا، اور وہ مقصد یہ ہے کہ جس انسان کی قسمت میں ہدایت حاصل کرنا ہو، وہ یہاں سے حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کو اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر آسانی سے پہچان سکتا ہے، آدمی اپنے کھانے پینے کے سامان ہی کی طرف دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے قاعدے کے ساتھ پہلے مینہ برسایا، پھر زمین کو چیر کر اس میں سے غلہ پھل ترکاریاں اُگائیں، زیتون اور کھجور جیسی کارآمد چیزیں پیدا کیں، درختوں سے بھرے میوہ دار باغ بنائے، چراگاہیں چارہ سے بھر دیں، تاکہ انسان اور دوسرے جانور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھائیں پئیں اور زندہ رہیں۔

كَلَّا: خبردار! لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ: اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا، انسان نے اس کو پورا نہیں کیا، اسے چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا، اس کی کتاب پر ایمان لاتا، اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا کرتا، مگر افسوس انسان نے ایسا نہیں کیا، اسے چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا، وہ اپنی پیدائش پر ہی غور کرتا تو اسے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انسان کو کس کمال تک پہنچایا؟

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ: انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف ہی دیکھ لے کہ کوئی شخص اکیلا اپنے لئے خوراک تیار نہیں کر سکتا، خوراک کو پہنچانے کیلئے بے شمار چیزیں کام کرتی ہیں، تب جا کر انسان کو ایک لقمہ خوراک یا ایک گلاس پانی ملتا ہے، اگر انسان کو کہا جائے کہ اسباب کے دائرے میں رہ کر ذرا اپنے لئے روٹی تیار کر لو تو وہ صبح سے شام تک کام کرنے کے باوجود روٹی مہیا نہ کر سکتے، باقی ضرورتیں تو اس کے علاوہ ہیں، کوئی شخص ہل چلائے، بیج ڈالے فصل پکنے تک اس کی حفاظت کرے، پانی لگائے، وقت پر فصل کاٹے، غلہ کو پیس کر آٹا تیار کرے، پھر روٹی پکانے کے آلات مہیا کرے۔ تو یہ اس قدر مشکل کام ہے کہ کوئی شخص خود اپنے لیے روٹی مہیا کرنے پر قادر نہیں ہے، چہ جائیکہ وہ اپنے لئے اسی طرح کپڑا مہیا کرے، سواری اور دیگر

ضروریات کا انتظام کرے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ایسا انتظام کر دیا کہ مختلف قوتیں اپنے اپنے مقام پر کام کر رہی ہیں، کوئی فصل اُگاتا ہے، کوئی آٹا پیستا ہے، کوئی آلات مہیا کرتا ہے، کوئی روٹی پکاتا ہے، تو اس طرح گویا سارے سبب مل کر انسان کی خوراک کا ذریعہ بنتے ہیں۔

قیامت کیسی ہوگی؟

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَ
پس جب آئے گی کان پھوڑنے والی (۳۳) جس دن بھاگے گا آدمی سے بھائی اپنے (۳۴) اور

اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ
ماں اپنی سے اور باپ اپنے سے (۳۵) اور اپنی ساتھ والی (بیوی) سے اور بیٹوں اپنوں سے (۳۶) واسطے ہر آدمی کے میں سے ان

يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ
اس دن ایسی حالت ہوگی جو پھنسائے گی اسے (۳۷) کتنے ہی چہرے اس روز چمکتے (۳۸) ہنستے

مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا
خوشیاں مناتے (ہوں گے) (۳۹) اور کتنے ہی چہرے اس دن پر ان غبار ہوگا (۴۰) چھا رہی ہوگی ان پر

قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع ۲/۴
سیاہی (۴۱) وہ لوگ وہ ہیں اللہ کے نہ ماننے والے بدکار (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب چیخ آئے گی قیامت کی۔ (۳۳) جس دن کہ بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے۔ (۳۴) اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ (۳۵) اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔ (۳۶) ان میں سے ہر انسان کو اس دن ایک فکر لگا ہوئی ہوگی جو اس کے لئے کافی ہے۔ (۳۷) کتنے چہرے اس دن روشن ہوں گے۔

(۳۸) ہنستے خوشیاں کرتے ہوں گے۔(۳۹) اور کتنے چہرے اس دن (ہوں گے) جن پر غبار ہوگی۔(۴۰) ان پر سیاہی چڑھی آتی ہوگی۔(۴۱) یہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹ ہیں۔(۴۲)

لفظی تحقیق: **الصَّآخَّةُ:** زور کی کڑک (چیخ)۔ اسم ہے ص۔خ۔ۃ سے "**صخ**" کے معنی زور کی چیخ یا کڑک جس سے کان بہرے ہو جائیں یہاں قیامت مراد ہے جس میں ایسے زور کی کڑک ہوگی کہ کان کے پردے پھٹ جائیں گے۔ **مُسْفِرَةٌ:** روشن، چمکتے۔ اسم فاعل مونث ہے "**اسفار**" سے اس کی ماضی "**اسفر**"، اسکے معنی ہیں چمکنا۔ **مُسْفِرَةٌ** کے معنی چمکتے ہوئے، **اَلْفَجَرَةُ:** "**فاجر**" کی جمع ہے گناہوں میں پھنسا رہنے والا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دنیا میں جو تمہارے عیش وآرام کا انتظام کیا گیا ہے، یہ عارضی ہے اور اس لئے کیا گیا ہے کہ تم آخرت کی تیاری کرو، دنیا ایک دن ختم ہو کر رہے گی اور قیامت قائم ہوگی، جس دن پہلا صور پھونکا جائے گا، اس کی آواز ایسی سخت ہوگی کہ کانوں کو بہرا کر دیگی، اس کے ساتھ اس زور کا زلزلہ آئے گا کہ زمین پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، کچھ بھی نہ رہے گا، پھر ایک مدت کے بعد دوسری بار صور پھونکا جائے گا، جس سے سب انسان دوبارہ زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور میدانِ حشر میں جمع ہوں گے، اس دن ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، کوئی کسی کو نہ پوچھے گا، بھائی، ماں، باپ، بیوی، بچے، سب ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن جب خاوند بیوی سے ملے گا تو کہے گا: تو جانتی ہے کہ دنیا میں میں تیرے ساتھ کتنا اچھا سلوک کرتا تھا، اور تمہارے حق میں کتنا بہتر خاوند تھا، بیوی اقرار کرے گی کہ ہاں! ایسا ہی تھا، خاوند کہے گا: پھر مجھے ایک نیکی دیدے تا کہ میں کامیابی حاصل کرلوں، بیوی کہے گی: بات تو معمولی ہے، اور دنیا میں تو نے مجھ پر احسان بھی بہت کئے مگر مجھے خود ڈر ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؛ اس لئے آج تمہیں نیکی دینا ممکن نہیں، اسی طرح باپ

اور بیٹے کے درمیان گفتگو ہوگی، اور وہ بھی ایک دوسرے سے بھاگیں گے، ایسا نہ ہو کہ دوسرا کوئی نیکی مانگ لے، ہر ایک کو اپنی اپنی فکر ہوگی۔

الغرض! قیامت بر پا ہو جانے کے بعد کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، سب ایک دوسرے سے بھاگیں گے، سب کو اپنی اپنی فکر ہوگی، ہر ایک ایسی حالت میں مبتلا ہوگا جو اسے دوسروں کی خبر گیری کرنے کی ہوش چھڑا دے گی، دوسری جگہ موجود ہے کہ اس دنیا میں جو بڑے بڑے سمجھے جاتے ہیں اور جن کی وجہ سے جائز اور ناجائز کام کیے جاتے ہیں، اس دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، ہاں! البتہ وہ متقی جن کا دوستانہ محض اللہ تعالیٰ کی خاطر تھا، وہ اس دن بھی قائم رہے گا، باقی سب اپنی اپنی فکر میں ہونگے، کوئی کسی کا حال نہیں پوچھے گا۔ اس دن نیک لوگ ہشاش بشاش ہوں گے اور ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے ہوں گے اور بدکار گنہگار لوگوں کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ: کہ ان کے چہروں پر گرد وغبار چڑھا ہوا ہوگا، جس طرح کوئی سفر میں جاتا ہے تو اس کا چہرہ گرد آلود ہو جاتا ہے، یعنی: چہرہ گرد سے بھر جاتا ہے، ان کی یہ حالت ہوگی، یہ لوگ ایمان اور توحید کے نور سے خالی ہونگے، ان کے چہروں سے نورانیت ختم ہو جائیگی۔

آخر میں سورۃ کا اصل مضمون بیان کرنے کے بعد دونوں فریقوں کا نتیجہ بھی بیان فرما دیا کہ: ایمان والوں کے چہرے روشن، ہنسنے والے اور خوش ہونگے، برخلاف اس کے کفر کرنے والوں کے چہرے سیاہ ہونگے، ان پر گرد وغبار چڑھا ہوا ہوگا، یہ وہی لوگ ہیں جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تھے، اور جنہوں نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا۔

سورۂ عبس سے سبق

یہ سورت ہمیں سکھاتی ہے کہ اسلام میں سب آدمی برابر ہیں اور ہر ایک کو حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ حاصل کرے، اسلام کی تعلیم دینے والوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کی خوشامد میں

نہ لگیں جو اپنے بڑے ہونے پر مغرور ہیں اور لوگ ان کی مالداری یا شہرت کی وجہ سے ان کی عزت کرتے ہیں، بلکہ جو شخص امیر ہو یا فقیر، دین کے علم کا سچے دل سے طلبگار ہو کر آئے، اس کی طرف توجہ کرنا ان کا فرض ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنوارنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کا مرتبہ اور یہاں کی عزت کسی کام کی نہیں، جب کہ وہ انسان کو مغرور بنا دے، اس کے ہاں تو عجز و انکساری کے ساتھ اس کے حکموں پر عمل کرنا دیکھا جاتا ہے، ایک مفلس اور نادار شخص جسے کوئی نہیں پوچھتا، اللہ کی فرماں برداری کر کے اس کے ہاں بڑا مرتبہ حاصل کرسکتا ہے، اور ایسے شخص کی مدد کرنا ان لوگوں کا سب سے پہلا کام ہے جو دین کے علم کے سمجھنے اور جاننے والے ہیں۔

اس سورت سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کا اصل کام دنیا میں قرآن حکیم کا سمجھنا ہے، جو شخص اپنی اصلی کامیابی چاہتا ہے تو وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ اس دنیا کی زندگی تھوڑے دن کی ہے، انسان اگر چاہے تو اس تھوڑی سی مدت میں ہمیشہ کی عیش اور آرام کی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرسکتا ہے جو مرنے کے بعد شروع ہوگی، انسان کو اس سورت میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے نطفہ سے پیدا کیا، پھر رفتہ رفتہ وہ نطفہ بڑھ کر انسان بنا، اور اس کی ساری جسمانی اور روحانی قوتیں مناسب طور پر ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئیں، اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے کھانے پینے کا سامان اس طرح کیا کہ آسمان سے مینہ برسایا جس کی بدولت زمین سے غلہ، پھل، میوہ، گھاس چارہ سب کچھ پھوٹ نکلا، اس کی مدد کیلئے مویشی پیدا کردیئے، غلہ، میوہ، ترکاری وغیرہ اس کے اپنے کھانے کے کام آیا اور گھاس، پھوس، چارے وغیرہ سے مویشیوں کا پیٹ بھرا، اسے چاہئے کہ اپنی پیدائش پر غور کر کے اور اپنی زندگی قائم رکھنے کا یہ سارا انتظام دیکھ کر اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کو پہچانے اور اس کے حکم کے مطابق دنیا کی زندگی بسر کرے۔ کیونکہ اسے ایک دن مرنا ہے، پھر ایک دن یہ زمین و آسمان سب فنا ہوجائیں گے اور یہ بنایا ہوا کارخانہ سب اُجڑ جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک وقت آئے گا کہ سب انسان دوبارہ زندہ ہو کر کھڑے ہوجائیں گے اور حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونگے، اس دن یہ دنیا کا مال کچھ کام آئے گا اور نہ اولاد نہ رشتہ

دار، دوست کچھ مدد کرسکیں گے، بلکہ ہر شخص ان سے بھاگے گا اس وقت اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار اچھے لوگ خوش ہونگے اور نافرمانوں کے چہروں پر دھول چھائی ہوگی۔

سورۃ التکویر کا خلاصہ

اس سورت میں انسان کو غفلت کی نیند سے چونکایا گیا ہے کہ اس دنیا کی زندگی ناپائیدار ہے جو ایک دن ختم ہوگی اور یہ سارا کارخانہ ٹوٹ پھوٹ جائیگا اور وہ باتیں سامنے آئیں گی جو اِس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں، اس دن سورج کی روشنی اور گرمی نام کو بھی نہ رہے گی، ستارے ماند پڑ جائیں گے۔ پہاڑ جگہ سے ہل کر اِدھر اُدھر روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، انسان کو نہ اپنا ہوش رہے گا نہ اپنے مال دولت کا، گابھن اونٹنیاں تک آوارہ پھر رہی ہونگی، حالانکہ اس وقت ان کی حفاظت خاص طور پر کی جاتی ہے، وحشی جانور جو آدمی سے بھاگتے ہیں پریشان ہوکر آبادی میں گھس آئیں گے۔ شیر، بکری، آدمی، بن مانس سب آپس میں گھل مل جائیں گے، سمندر کا پانی گرم آگ ہوجائے گا، آدمیوں کے ان کے اعمال کے مطابق گروہ بنادئے جائیں گے، زندہ گاڑی ہوئی لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ انہیں کس جرم میں جان سے مارا گیا، ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا، آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی اور اس کے اندر کی ساری چیزیں نظر آنے لگیں گی دوزخ کو دہکا دیا جائے گا، جنت کو قریب کردیا جائے گا اس وقت ہر شخص کو صاف صاف معلوم ہوجائے گا کہ وہ کیا لے کر حاضر ہوا۔

قیامت کے قائم ہونے کا یہ نقشہ کھینچ کر انسان سے کہا گیا ہے کہ جس طرح آسمان اور زمین کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں، اسی طرح انسان کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں، جس زمانے میں جیسا حال ہوتا ہے، اس کے مطابق ہدایت کا سامان کردیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی پیغمبر ان کو غلط راستے سے ہٹانے اور سیدھے راستے پر لانے کیلئے بھیج دیا جاتا ہے، ایک زمانے تک دنیا میں گمراہی کا اندھیرا چھایا رہتا ہے۔

سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت کی روشنی دے کر بھیجا گیا ہے کہ انسان کو سیدھی راہ سمجھا دیں، ان کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا، اس قرآن کو معمولی کتاب مت سمجھو، قرآن ایک بڑے معتبر، امانتدار، معزز

اور مکرم فرشتے کے ذریعے حضرت محمد ﷺ کے پاس بھیجا گیا ہے، اس میں وہ باتیں بتادی گئی ہیں، جس سے انسان بے خبر ہے، یعنی: ایک دن یہ دنیا فنا ہوجائے گی اور انسان کو دوسری مرتبہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، پھر اس کے ان کاموں کی جو اس نے دنیا میں کئے تھے، جانچ پڑتال ہوگی، جو قرآن کی ہدایت پر چلا ہوگا، اسے جنت ملے گی اور جنہوں نے اسے نہ مانا ہوگا اسے دوزخ میں جانا ہوگا، یہ قرآن دنیا بھر کے انسانوں کو یہی پیغام پہنچاتا ہے۔

ایاتہا — ۲۹ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتہا — ۱

سورۃ التکویر مکی ہے اس میں انتیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

قیامت کی تصویر (الف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَإِذَا الْجِبَالُ

جب سورج لپیٹ دیا جائے (۱) اور جب تارے ماند پڑ جائیں (۲) اور جب پہاڑ

سُيِّرَتْ ۝۳ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵

چلائے جائیں (۳) اور جب دس مہینہ کی گابھن اونٹنیاں آوارہ پھریں (۴) اور جب وحشی جانور گڈمڈ ہوجائیں (۵)

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَإِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَإِذَا

اور جب سمندر تنور کی طرح جھونکے جائیں (۶) اور جب لوگوں کی ٹولیاں بنادی جائیں (۷) اور جب

الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِأَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰

زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا (۸) کہ کس گناہ میں قتل کی گئی (۹) اور جب اعمال نامے پھیلائے جائیں (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: جب سورج کی دھوپ لپیٹ دی جائے۔(۱)اور جب تارے ماند پڑ جائیں۔(۲) اور جب پہاڑ چلائے جائیں۔(۳)اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں۔(۴)اور جب جنگل کے جانور گھل مل جائیں۔(۵)اور جب سمندر جھونکے جائیں۔(۶)اور جب لوگوں کے جوڑے بنادئے جائیں۔(۷)اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے۔(۸) کہ کس گناہ میں ماری گئی۔(۹)اور جب اعمال نامے کھولے جائیں۔(۱۰)

لفظی تحقیق: **كُوِّرَتْ**:لپیٹ دیا جائے۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے **تکویر** سے جس کا مادہ ک۔و۔ر ہے **كُوِّرَ** کے معنی پھیلی ہوئی چیز کو لپیٹ دینا۔**تکویر** کے بھی یہی معنی ہیں اور یہی اس سورت کا نام بھی ہے، مراد یہ ہے کہ سورج کی پھیلی ہوئی شعائیں لپیٹ کر تہہ کردی جائیں، اور اس کی روشنی جاتی رہے گی۔**عِشَارُ**: گابھن اونٹنیاں۔ وہ اونٹنی جس کو گابھن ہوئے دس مہینے ہو گئے ہوں اور بچہ جننے والی ہو یا جن چکی ہو، اس وقت اس کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔اور خاص طور پر اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔**وُحُوْشُ**:جنگلی جانور۔ وحش کی جمع ہے جو خود اسم جمع ہے اور جس کا مفرد وحشی ہے وہ جانور پرندے وغیرہ جو آدمی سے اور آپس میں بھی ایک دوسرے سے بھاگتے ہیں۔**سُجِّرَتْ**: ابلنے لگیں گے۔ ماضی مجہول ہے۔**تسجير** سے جس کا مادہ س۔ج۔ر ہے **سجر** کے معنی ایندھن ڈال کر آگ بھڑکانا، **تسجير** کے معنی جوش میں لانا، کھولانا۔**مَوْءٗدَةُ**: زندہ گاڑی گئی۔عرب میں یہ بری رسم پڑگئی تھی کہ بیٹی پیدا ہوجاتی تو اسکا بے رحم باپ اس جیتی جاگتی کو گڑھا کھود کر اس میں زندہ دبا دیتا تھا، کیونکہ وہ سمجھتا کہ یہ بچی تو شادی کر کے دوسرے کو دیجائیگی اور اسکو وہ اپنے لئے عیب سمجھتا تھا۔

تفسیر

حدیث میں پیغمبر ﷺ کا رشاد ہے کہ:”جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ ”سورۃ تکویر“ پڑھے“۔اس کے علاوہ سورۃ ” اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ “ اور بعض دوسری سورتوں کا بھی

ذکر آتا ہے، ان سورتوں کو پڑھ کر قیامت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: حضور! کیا بات ہے آپ پر بڑھاپا آرہا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ان سورتوں، ”سورۃ ھود، سورۃ واقعہ، سورۃ مرسلات، سورۃ نباء، سورۃ تکویر“، نے مجھے بوڑھا کردیا کہ ان میں قیامت کا حال پڑھکر مجھے فکر لاحق ہوجاتی ہے، گویا بڑھاپے کا آنا غم اور فکر کی وجہ سے ہے۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے، سورج کا یہ نظام قائم ہے، سورج اتنا مشہور اور اہم سیارہ ہے کہ دنیا کا نظام اسی سیارے کی گرد گھومتا ہے، ہم اسی نظامِ شمسی میں رہتے ہیں، سورج کا حجم اس قدر ہے کہ ماہرین فلکیات والے بتاتے ہیں کہ سورج کا حجم، زمین کے حجم سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے، چونکہ زمین سے بہت دور ہے؛ اسی لیے بظاہر چھوٹا نظر آتا ہے، سورج زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

قرآن پاک میں ”شِعْرٰی“ ستارے کا بھی ذکر ہے، فلکیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ سیارہ سورج سے بیس ہزار گنا بڑا ہے، عرب کے بعض پرانے مشرک اس ستارے کی پوجا کرتے تھے، اس میں خاص قسم کی روحانیت مان کر اس سے حاجتیں طلب کرتے تھے، ستاروں کے نام پر مندر بنائے ہوئے ہیں، کوئی زہرہ کا مندر ہے، کوئی سورج کا مندر ہے، پرانے بابلیوں کے ہاں اور مصریوں میں بھی ستارہ پرستی پائی جاتی تھی، ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں ستارہ پرست بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ یہ ستاروں کو معبود مان کر ان سے حاجت مانگتے تھے، آج کے ستارہ پرست بھی ستاروں میں روحانیت مانتے ہیں۔

قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو سورج کی روشنی ختم کردی جائے گی، جس طرح چادر لپیٹ دی جاتی ہے، سورج ایک ٹکیہ کی مانند رہ جائے گا، مگر بعد میں وہ بھی باقی نہیں رہے گا، یہ تو سورج کا حال ہوگا، زمین تو اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹا سیارہ ہے، اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قیامت کے روز زمین کی کیا حالت ہوگی۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ: اور جب گابھن اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی، عربوں کے نزدیک اونٹنیاں

بہت پسندیدہ مال ہوا کرتا تھا، ان کی معیشت اور کاروبار انہی پر منحصر تھا، اسے بوجھ لادنے اور گوشت کے لئے بھی استعمال کرتے تھے، خاص طور پر جب دس ماہ کی گابھن اونٹنی بچہ جننے کے قریب ہو، تو بہت بڑی جائیداد سمجھی جاتی تھی اور اس کی حفاظت کی جاتی تھی، مگر قیامت کے دن نفسانفسی کی یہ حالت ہوگی کہ گابھن اونٹنی جیسے قیمتی مال کی بھی کوئی پروانہیں کرے گا۔

وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ: اور جب وحشی جانور اکٹھے کئے جائیں گے، جنگلی جانور، مثلاً: شیر، ریچھ، بندر، ہاتھی وغیرہ بھاگ کر آبادیوں کی طرف آئیں گے، ان پر دہشت اور خوف کا یہ عالم ہوگا کہ جنگلی درندے انسانی بستیوں میں پناہ ڈھونڈیں گے، مگر کوئی کسی کا حال پوچھنے والا نہیں ہوگا، بعض اوقات سیلاب کے دوران لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے کہ سانپ اور انسان ایک ہی چھپر پر پناہ لیتے ہیں، کوئی کسی کو کچھ نہیں کہتا، ہر کسی کو اپنی جان کی فکر ہوتی ہے، قیامت کے روز انسانوں اور جانوروں کا یہی حال ہوگا کہ سب اکٹھے ہوجائیں گے۔

وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ: اور جب دریاؤں یا سمندروں کو گرم کیا جائے گا، جھونک دیا جائے گا، "تسجیر" کے دو معنی آتے ہیں، بھرنا یا پر کرنا اور گرم کرنا، قیامت کے روز دریا اور سمندر گرم کئے جائیں گے، اور وہ بھاپ بن کر اُڑ جائیں گے "وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ" اور جب نفسوں کو ملایا جائے گا، بعض فرماتے ہیں کہ: اس سے یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن روح اور جسم کو دوبارہ جوڑ دیا جائے گا۔

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ: اور جب زندہ دفن کی جانے والی بچیوں سے پوچھا جائیگا کہ انہیں کس گناہ میں قتل کیا گیا؟ عربوں کے بعض قبیلے عورتوں کو حقیر سمجھتے تھے، لہٰذا بچی پیدا ہونے پر بعض لوگ گھر سے ہی بھاگ جاتے تھے، وہ ایسی خوشخبری سننا ہی نہیں چاہتے تھے، اگرچہ تمام عربوں میں یہ رواج نہیں تھا، تاہم بعض جاہل لوگ اس قسم کی جہالت کے عادی تھے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بچی کی پیدائش کو عیب سمجھتے تھے، حالانکہ یہ حد درجے کی حماقت اور بیوقوفی تھی، آخر یہ بھی تو کسی عورت کے پیٹ سے ہی پیدا ہوئے تھے، اس کی بیوی بھی تو کسی کی بیٹی ہے، جب اپنے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے زندہ دفن محض اس لئے کر دیا کہ یہ کسی دوسرے کے گھر جائے گی، وہ

ہمارا داماد بنے گا جس کو وہ شرم کی بات سمجھتے تھے، یہ سب جہالت اور نادانی کی باتیں ہیں، جب قیامت آئے گی تو ناحق قتل کے متعلق پوچھا جائے گا، اس دن خود اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ ان بے گناہ بچیوں کو کیوں قتل کیا گیا؟

"طبرانی" کی روایت میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں میں نے تین سو ساٹھ بچیوں کی جان بچائی، مشرک ان کو زندہ دفن کرنا چاہتے تھے، مگر میں نے ہر بچی کے بدلے دو گابھن اونٹنیاں اور ایک اونٹ دے کر ان کی جان بچائی، حضور! یہ فرمائیں کہ اس عمل کا مجھے کوئی فائدہ ہوگا؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ کم فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کی وجہ سے اسلام کی توفیق بخشی، تو نے یہ نیکی کا کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ صلہ دیا۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ: جب اس لڑکی سے سوال کیا جائیگا جسکو زندہ دفن کر کے مار دیا گیا تھا، ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا، اس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود اس سے سوال کرنے کا یہ ہے کہ یہ اپنی بے گناہی اور مظلوم ہونیکی پوری فریاد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے تاکہ اسکے قاتلوں سے انتقام لیا جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ اس لڑکی کے بارے میں اسکے قاتلوں سے سوال کیا جائے گا کہ اس کو تم نے کس جرم میں قتل کیا؟

قیامت کی تصویر (ب)

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا الْجَنَّةُ

اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی (۱۱) اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی (۱۲) اور جب جنت

اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾

قریب لائی جائیگی (۱۳) جان لیگا ہر شخص کیا لایا وہ (۱۴) میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والوں کی (۱۵)

الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَا
چلنے والوں کی چھپ جانے والوں کی (۱۶) اور رات کی جب پھیل جائے (۱۷) اور صبح کی جب

تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾
وہ روشن ہو (۱۸) تحقیق یہ قرآن البتہ قول ایک پیغمبر عزت والے کا (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔(۱۱) اور جب دوزخ دہکائی جائے گی۔(۱۲) اور جب جنت پاس لائی جائے گی۔(۱۳) جان لے گا ہر شخص جو کچھ لے کر آیا۔(۱۴) سو! میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے ستاروں کی۔(۱۵) سیدھے چلنے والے ستاروں کی اور چھپ جانے والے ستاروں کی۔(۱۶) اور قسم ہے رات کی جب وہ پھیل جائے۔(۱۷) اور قسم ہے صبح کی جب وہ ظاہر ہو جائے۔(۱۸) بے شک یہ قول ہے عزت والے پیغمبر کا۔(۱۹)

لفظی تحقیق: كُشِطَتْ: کھال اتاری جائے۔ ماضی مجہول ہے۔ک۔ش۔ط سے "كُشِط" کھال اتارنا۔ اَلْخُنَّسِ: پیچھے ہٹنے والے۔ اَلْكُنَّسِ: چھپ جانے والے۔"کنس" کے معنی ہیں گھر میں گھس جانا، ان دونوں سے مراد تارے ہیں۔ عَسْعَسَ: پھیل جائے۔ کالی ہو جائے، رباعی ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن آسمان کا پردہ اُٹھایا جائے گا اور اس کے اندر سب چیزیں باہر نکل آئیں گی، دوزخ کو دہکایا اور بھڑکایا جائے گا، اور جنت کو قریب لایا جائے گا، اس وقت ہر انسان کو معلوم ہو گا کہ وہ دنیا سے اپنے ساتھ کیا سامان لایا ہے، جو یہاں کام آنے کے قابل ہے، قیامت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اسکی خبر قرآن میں دے دی گئی ہے، اور قرآن کی باتیں بالکل سچی ہیں، اس میں کوئی بات واقع کے خلاف نہیں کی گئی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ستاروں کی حرکتیں کبھی آگے بڑھنا، کبھی پیچھے ہٹنا، کبھی سیدھے چلنا، رات کا آنا، صبح کا آنا،

یقینی واقعات ہیں، اسی طرح وحی کا آنا بھی ایک یقینی واقعہ ہے، یہ قرآن وحی ہے ایک بڑے مرتبہ والے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر پر جسے بڑے مرتبے والے فرشتے جبرئیل نے پڑھ کر سنایا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ: میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والوں کی، "اَلْجَوَارِ" ان کی جو سیدھے چلتے ہیں "اَلْكُنَّسِ" ان سیاروں کی جو رُک جاتے ہیں۔ "خُنَّسِ" کا معنیٰ پیچھے ہٹ جانا۔ "اَلْجَوَارِ" جارية سے ہے، یعنی: جو سیدھے چلتے ہیں "اَلْكُنَّسِ"، یعنی: وہ سیارے جو ایک جگہ دبک جاتے ہیں، رُک جاتے ہیں، ٹھہر جاتے ہیں، "کنس" کناسہ سے ہے جو کہ جانور کی خواب گاہ کو کہا جاتا ہے، جب خرگوش یا دیگر جانور اپنی خواب گاہ میں آکر چھپ جاتے ہیں، آرام کرتے ہیں تو ان پر "کنس" کا لفظ بولا جاتا ہے۔ "وَالصُّبْحِ" اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لیتی ہے، اسی طرح جب سورج طلوع ہونے کے قریب ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں کناروں پر پھیل جاتی ہیں اور پھر پوری روشنی ظاہر ہوتی ہے، صبح کے سانس لینے کا یہی مطلب ہے۔

قرآن کا پیغام

ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

قوت والا نزدیک والے عرش کے مرتبہ والا (۲۰) بات مانی جاتی ہے اسکی وہاں امانتدار (۲۱)

وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾

اور نہیں ساتھی تمہارے دیوانہ (۲۲) اور البتہ تحقیق دیکھا اُس نے اس فرشتے کو کنارے صاف پر (۲۳)

وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ

اور نہیں وہ ساتھ غیب کے بتانے میں بخل کرنے والا (۲۴) اور نہیں یہ قرآن قول شیطان

رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

مردود کا (۲۵) پس کہاں جارہے ہوتم (۲۶) نہیں یہ قرآن مگر یاددہانی واسطے جہان والوں کے (۲۷)

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝٢٨

واسطے اسکے جو چاہے تم میں سے کہ سیدھا چلے (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ: قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا۔ (۲۰) رب کا مانا ہوا وہاں کا معتبر۔ (۲۱) اور تمہارا ساتھی (محمد) کوئی دیوانہ نہیں۔ (۲۲) اس نے اس فرشتہ کو دیکھا آسمان کے کھلے کنارے کے پاس۔ (۲۳) اور وہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں۔ (۲۴) اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔ (۲۵) پھر تم کدھر جا رہے ہو۔ (۲۶) یہ تو جہان بھر کے واسطے ایک نصیحت ہے۔ (۲۷) اس کے لیے جو کوئی تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔ (۲۸)

تفسیر

ایک موقع پر پیغمبر ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوت کا ذکر کیا ہے، ذرا بتاؤ کہ! تمہاری طاقت کتنی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی طاقت عطا کی ہے جس کا اندازہ لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی سے کیا جا سکتا ہے، لوط علیہ السلام کی قوم کے شرقِ اُردن میں چھ بڑے بڑے شہر تھے، جن کی مجموعی آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی، زمین تھی، باغات تھے، مگر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا، میں اپنے پر کے ایک ذرا سے کنارے سے پورے علاقہ کو اُٹھا کر اتنی بلندی پر لے گیا کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز آسمان پر سنائی دینے لگیں، پھر میں نے ان کو زمین پر پٹخ دیا۔

ذِىْ قُوَّةٍ: یہ قرآن کا قول ہے ایک کا۔ آگے اس کی صفت ایک تو یہ بیان فرمائی کہ وہ قوت والا ہے، دوسری یہ کہ عرش والے کے پاس وہ "مُطَاعٍ" ہے یعنی کہ: اسکے احکام عرش والے مانتے ہیں، تیسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک "اَمِيْنٍ" ہے، اس سے پیغام لانے اور پہنچانے میں کسی خیانت اور کمی زیادتی کا امکان نہیں، اس جگہ رسول سے مراد جبریل امین ہیں، کیونکہ رسول کا لفظ جیسے پیغمبر پر بولا جاتا ہے ایسے ہی فرشتوں کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے، اور آگے جتنی صفتیں رسول کی بیان کی گئی ہیں وہ سب جبریل امین پر بغیر کسی تکلف و تاویل

کے منطبق (فٹ) ہیں، آسمان والوں کے ہاں ان کے احکام کی پیروی کرنا لیلۃ المعراج کی حدیث ہے کہ جب جبرئیل امین پیغمبر ﷺ کو ساتھ لے کر آسمان پر پہنچے اور آسمانوں کے دروازے کھلوانے کا ارادہ کیا تو دروازوں پر مقرر فرشتوں نے ان کے حکم کی اطاعت کی اور امین ہونا جبرئیل علیہ السلام کا ظاہر ہے۔

وَ مَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ: تمہارے صاحب جن پر قرآن اترا ہے (نعوذ باللہ) کوئی دیوانے نہیں، مشرک اور کافر پیغمبر ﷺ کے متعلق کہتے تھے، آپ دیوانے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ بات کی تردید فرمائی، "سورۃ ن" اور بعض دوسری سورتوں میں آچکا ہے، کہ آپ کو دیوانہ کہنا محض تہمت ہے، اس میں کوئی حقیقت نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجے کی صلاحیت بخشی ہے، ایسی صلاحیت جو سارے جہان میں کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔

وَ مَا ھُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ: پیغمبر ﷺ کو جب کوئی غیب کی خبر معلوم ہوتی ہے تو وہ اس کو ظاہر کرنے میں بخل نہیں کرتے، بلکہ ٹھیک ٹھیک دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں۔

وَ مَا ھُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ: یہ شیطان مردود کی بات نہیں ہے، مشرک لوگ پیغمبر ﷺ پر الزام لگاتے تھے کہ آپ جنات سے کلام سیکھتے ہیں اور اسکو آگے قرآن کہہ کر پیش کرتے ہیں، یا جیسے عیسائی الزام لگاتے تھے کہ آپ نے یہ کلام کسی راہب سے سیکھا ہے، فرمایا: یہ شیطان کا کلام نہیں ہے، کیونکہ شیطان ہمیشہ برائی کی بات کرتا ہے، مگر قرآن پاک نہایت پاکیزہ تعلیم پیش کرتا ہے، یہ تو محض ان کا الزام ہے۔

اس تمام تر حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد تم کدھر جا رہے ہو؟ ذرا غور کرو! کیسی اُلٹی باتیں کر رہے ہو، قرآن پاک کی اصلیت یہ ہے کہ یہ تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے اور اس شخص کے لئے جو تم میں سے جو سیدھا چلنا چاہے، اسی کے ذریعے حقیقی ترقی کی منزلیں پائی جاسکتی ہیں، لہٰذا جو شخص سیدھے راستے پر آنا چاہتا ہے، اسے قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنا پڑے گا، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

قرآن سے فائدہ کون اٹھائے گا؟

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۠ ﴿۲۹﴾ ع۲

اور نہ چاہوگےتم مگر جبکہ چاہے اللہ پروردگار سارے جہاں کا (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اورتم جبھی چاہو گے جب اللہ تعالیٰ سارے جہان کا مالک چاہے گا۔(۲۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کر کے اس کی ہدایت کیلئے قرآن کریم بھیجا، اس سے فائدہ وہی اُٹھائیں گے، جن کو اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچانا چاہے۔

سورۃ الانفطار کا خلاصہ

اس سورۃ میں انسان کو قیامت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اس کو بتلایا گیا ہے کہ اس وقت کو مت بھولو جو یقیناً آ کر رہے گا، آسمان جس میں اِس وقت نہ کوئی پھٹن نظر آتی ہے، نہ دراڑ، اُس وقت بالکل پھٹ جائے گا اور اس پر جو یہ ستارے چمکتے دمکتے نظر آتے ہیں بکھر جائیں گے، سمندر اُبل پڑیں گے، اور جگہ چھوڑ کر آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے، زمین کے اندر کی سب چیزیں باہر نکل پڑیں گی مردے قبروں سے یا جہاں کہیں بھی ہوں گے باہر نکل آئیں گے۔

اس کے بعد انسان کو خبردار کیا گیا کے دنیا میں جو کام کرے گا اس کا نتیجہ اسے آخرت میں بھگتنا ہوگا، اسے یادرکھنا چاہئے کہ! وہ دنیا میں آپ ہی آپ نہیں آ گیا ہے، اس کا ایک پیدا کرنے والا ہے، اور وہی اس کی پرورش کرتا ہے، اس کے فرشتے اسکے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں اور جو کچھ انسان کہتا اور کرتا ہے، فوراً لکھ لیتے ہیں

اوراس کا اعمال نامہ تیار ہوتا رہتا ہے، قیامت میں اعمال نامہ ہر شخص کو اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا، اس وقت اسے صاف معلوم ہوجائے گا کہ اس نے وہ کام کیے جو اسے نہیں کرنے چاہئیں تھے، اور کیا کام چھوڑے جو اسے کرنے چاہئیں تھے اور دنیا میں اس کے بعد اس کے کاموں کا کیا اثر باقی رہا۔

قرآن مجید میں خوب کھول کر بتادیا گیا ہے کہ انسان کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے ، اس کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانے اور قرآن کے مطابق زندگی بسر کرے، قیامت کا یقین کرے اور اچھی طرح سمجھ لے کہ وہاں ہر شخص اپنا ذمہ دار آپ ہوگا۔کوئی کسی کو نہ پوچھے گا، وہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہ چلے گا، اس خیال میں نہ رہنا کہ وہاں تمہارے معبود تمہیں بچالیں گے یا تمہارے بڑے رشتہ دار تمہارے کسی کام آجائیں گے، وہاں تو کوئی کسی کو نہ پوچھے گا، بلکہ ایک دوسرے کو دور ہی سے دیکھ کر بھاگیں گے، غرض! کوئی شخص کسی کے کام نہ آئے گا، بلکہ اور کسی کے کام تو کیا آتا اپنی ہی نہ نبیڑ سکے گا، اس وقت ہر ایک فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔کوئی کچھ نہ کرسکے گا، منہ دیکھتے رہ جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ جسے اجازت دے گا وہ اللہ کے سامنے اس کے بندوں کی سفارش کرسکے گا، اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونگے۔

اٰیاتھا — ۱۹ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ۱

سورۃ الانفطار مکی ہے اس میں انیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

قیامت میں کیا ہوگا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ① وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ② وَ اِذَا

جب آسمان پھٹ جائے گا (۱) اور جب ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے (۲) اور جب

الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ
سمندر اُبل پڑیں گے(۳) اور جب قبریں کھول دی جائیں گی(۴) جان لے گا ہر شخص

مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ﴿۵﴾
جو آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا(۵)

بامحاورہ ترجمہ: جب آسمان پھٹ جائے گا۔(۱) اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔(۲) اور جب سمندر اُبل پڑیں گے۔(۳) اور جب قبریں کھول دی جائیں گی۔(۴) ہر شخص جان لے گا کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔(۵)

لفظی تحقیق: اِنْفَطَرَتْ: پھٹ جائے گی۔ اِنْتَثَرَتْ: پھیل جائے، بکھر جائے۔ فُجِّرَتْ: پھوٹ پڑے)۔ بُعْثِرَتْ: اکھاڑ کر پھینک دی جائے گی۔ "بُعْثِرَۃ" کھود کر اوپر تلے پھینک دینا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب یہ آسمان جسے تم صحیح سالم اپنے اوپر دیکھ رہے ہو، پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، اور یہ تارے جو تمہیں چمکتے ہوئے نظر آرہے ہیں ٹوٹ کر بکھر جائیں گے اور سمندر اور دریا جوش مار کر اُبل پڑیں گے، اور زمین پر پھیل جائیں گے، جب قبریں اُلٹ دی جائیں گی اور مردے باہر آپڑیں گے، اس وقت قیامت کا ظہور ہوگا اور انسان نے جو کچھ دنیا میں کیا تھا، سب اس کے سامنے آجائے گا، خواہ شروع عمر میں کیا ہو یا آخر میں، خواہ اس کا اثر بعد میں باقی رہا ہو یا نہ رہا ہو، سب ذرّہ ذرّہ معلوم ہو جائے گا۔

قیامت کے حالات کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو قیامت کی شدت کا احساس ہو سکے، گناہوں سے باز آجائیں اور آخرت کی فکر کریں۔

دنیا کے بنانے سے لے کر اب تک جتنے واقعات پیش آچکے ہیں یا آئندہ پیش آنے والے ہیں، ان میں قیامت کا واقعہ سب سے بڑا ہوگا، قیامت کے اثرات بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ! ہر شخص حساب

کے لیے تیار رہے۔

قرآن کریم کی تعلیم بھی یہی ہے کہ انسان قیامت کی سختی سے بچ جائے، قرآن پاک تذکرہ، یعنی: نصیحت ہے، لہٰذا جو شخص چاہے اس سے فائدہ اٹھالے، یہ اس کی اپنی مرضی ہے، کہ وہ قرآن پاک کی تعلیم سے کس حد تک فائدہ اُٹھاتا ہے، اسی تعلیم کو سامنے رکھ کر قیامت کیلئے تیاری کرنی ہوگی، اگر وہ اس کلام پاک سے توجہ ہٹائے گا تو بھٹک جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکے گا۔

اس سورت میں قیامت کا ذکر جن چیزوں کے حوالے سے کیا جا رہا ہے، ان میں سب سے پہلے آسمان کا ذکر ہے، "اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ" جب آسمان پھٹ جائے گا، چونکہ عام انسانوں کی ذہنیت اس قسم کی ہوتی ہے کہ کسی غیر معمولی واقعہ کو دیکھ کر فوراً متوجہ ہوتے ہیں؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان کے پھٹنے کا ذکر فرمایا، تاکہ لوگ توجہ کریں، غور وفکر کریں، اور حقیقت کو سمجھیں کہ جب قیامت کا پہلا صور پھونکا جائے گا، کوئی چیز ٹھکانے پر نہیں ٹھہر سکے گی، ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی، آسمان پھٹ جائے گا، اس دن فرشتے بھی اُتر پڑیں گے، حیرت انگیز منظر ہوگا، ہر طرف دہشت چھائی ہوئی ہوگی، اس دن سبھی خوفزدہ ہونگے۔

وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ: جب قبریں اُکھاڑ دی جائیں گی، اور ان میں دفن لوگوں کو نکالا جائے گا، ان پر خوف ودہشت چھائی ہوگی۔ پھر جس طرف سے آواز آرہی ہوگی، ان کو اس میدان کی طرف چلایا جائے گا، اور وہ اس طرح دوڑتے ہوئے جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانے کی طرف جاتا ہے۔

ہر جسم کا اسی روح کے ساتھ تعلق قائم ہوگا، جس کے ساتھ دنیا میں قائم تھا، کیونکہ اگر قیامت کے دن دنیا کی نسبت مختلف روحوں اور جسموں کو اکٹھا کیا گیا تو یہ سخت زیادتی ہوگی، دنیا میں انجام دی گئی نیکی یا بدی کی جزا وسزا صرف اسی صورت میں دی جاسکتی ہے، جب کہ قیامت کو انہیں جسموں اور روحوں کا تعلق قائم ہو، جن کا دنیا میں تھا، جب یہ کام مکمل ہو جائے گا، روح اور جسم کا ملاپ ہو جائے گا، ہر شخص جان لے گا، جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے۔

انسان اپنے رب کو بھول گیا

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِیْ
اے انسان! کس چیز نے دھوکا دیا تجھے تیرے رب کے بارے میں جو کریم ہے (۶) جس نے

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸
پیدا کیا تجھے پس ٹھیک کیا تجھے پس برابر کیا تجھے(۷) بیچ جس صورت جیسے چاہا جوڑ دیا تجھے(۸)

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰
ہرگز نہیں بلکہ جھٹلاتے ہو تم بدلے کے دن کو (۹) اور تحقیق پر تم مقرر ہیں البتہ نگہبان (۱۰)

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲
عزت والے لکھ لینے والے(۱۱) جانتے ہیں جو تم کرتے ہو (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا۔(۶) جس نے تجھے بنایا پھر تجھے ٹھیک کیا پھر برابر کیا۔(۷) جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔(۸) ہرگز نہیں! پر تم انصاف کے دن کے ہونے کو جھوٹ جانتے ہو۔(۹) تم پر تو نگہبان مقرر ہیں۔(۱۰) عزت والے لکھنے والے فرشتے۔(۱۱) جانتے ہیں وہ جو تم کرتے ہو۔(۱۲)

لفظی تحقیق: غَرَّ: دھوکے میں ڈال دیا۔ ماضی کا صیغہ ہے"غرور" سے جس کا مادہ غ۔ر۔ر ہے، سوی: جوڑا اور بندوبست کیا۔ماضی کا صیغہ ہے تسویۃ سے جو س۔و۔ی سے بنا ہے۔کل پرزے ٹھیک ٹھیک جگہوں پر بٹھانا۔عَدَلَ: برابر کرنا۔ ماضی کا صیغہ ہے، برابر کرنا، تا کہ کہیں کمی بیشی نہ رہے کہ مزاج میں اعتدال پیدا کیا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان اپنے پروردگار کی بابت اپنی غلط فہمی کی وجہ سے دھوکے میں پڑ گیا، کچھ لوگ تو کہنے

لگے کہ ہمارا کوئی رب ہے ہی نہیں ہمارے ساتھ تو جو کچھ ہو رہا ہے، خود بہ خود ہو رہا ہے، کچھ اپنی کمزوریاں دیکھ کر اتنا مان گئے کہ کوئی رب ہے، لیکن وہ ایک نہیں بہت سے ہیں، جو مل جل کر جہان کا کام چلا رہے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ: ایک تو ہے لیکن وہ بڑا رحم والا ہے، ہم جو چاہے کریں، وہ ہمیں معاف کردے گا، ان آیتوں میں بتلایا گیا ہے کہ سنو! تمہارا رب ایک ہے اور وہ کریم ضرور ہے لیکن وہ قادر اور حکیم بھی ہے، اس نے انسان کو صحیح سالم بنا کر بھیجا ہے لیکن ہر ایک کی شکل وصورت چال ڈھال الگ الگ رکھی ہے اس لیے ہر ایک کے کام جدا جدا ہیں اور ظاہر ہے کہ اسی لئے ہر ایک کا انجام دوسرے کے انجام سے مختلف ہوگا، چنانچہ ضروری ہوگیا کہ اس کے فیصلے کا ایک دن مقرر ہو اور امانتدار فرشتے مقرر کردئے جائیں کہ ہر انسان کے عمل ایک ایک کر کے لکھتے رہیں، سن لو کہ! اس کا انتظام ہوگیا ہے، وہ تمہارے کام جانتے ہیں اور انہیں فوراً لکھ لیتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ: اے انسان! رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکا دیا ہے، تیرا رب بڑا کریم ہے، اس نے تم پر بڑی مہربانیاں کی ہیں، مگر تو اس کے بارے میں دھوکے میں کیوں پڑا ہوا ہے؟ اس کے کرم کا تقاضا تو یہ تھا کہ تو اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کرتا مگر تو دھوکے میں پڑا ہوا ہے، تو سمجھتا ہے کہ تجھ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، تیرا وہ رب کریم ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں وجود کی نعمت اور خوبصورت شکل وصورت عطا کی، اس کے بغیر کوئی پیدا کرنے والا نہیں، وہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے نہ صرف پیدا کیا بلکہ تجھے ٹھیک ٹھاک کردیا، تمہیں تمام ظاہری اور باطنی قوتوں سے نوازا، تیرے تمام اعضاء کو برابر کیا، باقی تمام مخلوق سے الگ تھلگ مقام عطا کیا، تمہارے لیے تمام ضروری سامان مہیا کیا، انسانی جسم کیلئے خوراک، لباس، رہائش کیلئے مکان اور دوسری چیزیں عطا کیں، اس طرح انسان کی کو جن جن چیزوں کی ضرورت ہے سب کچھ مہیا کیا، مگر انسان پھر بھی بھٹک جاتا ہے، اپنے حقیقی سرپرست اور مالک الملک سے منہ پھیرتا ہے، پھر دوسروں کو اپنا رب بنالیتا ہے، اور شرک میں مبتلا ہوجاتا ہے، حالانکہ قرآن پاک کی تعلیم یہ ہے کہ حقیقی رب صرف اللہ تعالیٰ ہے، مسلمان خواہ کتنا امیر کبیر ہو، حتی کہ بادشاہ ہو، پھر بھی وہ بحیثیت انسان سب کے ساتھ برابر ہے، اگر

کسی پر اللہ تعالیٰ نے کرم نوازی کی ہے، اس میں کوئی کمال رکھا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی ہے۔

انسان کے بھٹک جانے کی مثال ایسی ہے، جیسے دنیا کا کوئی بااختیار بادشاہ ہو، اور اس کا شہزادہ غلط سوسائٹی کا شکار ہو کر گھر سے نکل جائے، دوسروں کو دوست و سرپرست بنالے، پھر زندگی کے کسی موڑ پر گھر واپس پلٹ آئے تو جب وہ باپ کے سامنے پیش ہوگا، تو اسے پتہ چلے گا کہ وہ کس طرح بھٹکتا رہا، حالانکہ یہاں سب کچھ موجود ہے، مال و دولت، اختیار، عہدہ، علم غرض ہر آسائش موجود ہے، مگر وہ کہے گا میں خواہ مخواہ بھٹکتا رہا، ان حالات میں بیٹے کو کتنی ندامت اور پشیمانی ہوگی۔ اس مقام پر یہی بات سمجھانا مقصود ہے کہ انسان اپنے حقیقی سرپرست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جب دوسروں کے ہاں بھٹکتا رہے گا، تو قیامت کے دن اسے سخت ندامت اُٹھانی پڑے گی، اس دن اسے معلوم ہوگا کہ اس نے کتنا نقصان اُٹھایا ہے۔

فرمایا: اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے رب سے مغرور کردیا، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں ٹھیک ٹھاک بنایا، تمہارے اعضاء درست کیے یہی نہیں بلکہ پھر جس طرح چاہا، ویسی ہی شکل وصورت بنادی، پھر آپس میں بھی ایسا فرق قائم کردیا کہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی الگ الگ پہچان میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، ہر شخص آسانی سے پہچانا جاتا ہے، ہر چہرے میں ایسا فرق رکھ دیا ہے کہ آپس میں خلط ملط نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں کے باوجود تو کس بات پر مغرور ہو رہا ہے؟۔

كَلَّا: خبردار! بلکہ تم انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہو، تم سمجھتے ہو کہ یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے گا، ہرگز نہیں بلکہ وہ دن تو آکر رہے گا، اور تمہیں اپنے عملوں کا حساب چکانا ہی ہوگا۔

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ: ایک نظام کے تحت اپنے کام میں مصروف ہیں، وہ کسی کو رُسوا نہیں کرتے، بڑی عزت والے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی برائی کرتا ہے تو فرشتے لکھنے میں انتظار کرتے ہیں، شاید یہ شخص توبہ کرلے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے، اگر وہ استغفار کرلے تو وہ گناہ نہیں لکھتے، اور اگر اس پر اصرار کرے تو ایک ہی برا عمل لکھا جاتا ہے، برخلاف اسکے اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے، تو دس گنا لکھا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک

میں ہے کہ اگر کوئی شخص نیک کام کا ارادہ کرتا ہے، اور وہ کام نہیں کر پاتا تو بھی اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے، بہر حال انسان کے ہر اچھے یا برے عمل کو محفوظ کیا جاتا ہے۔

انسان جو بھی بات منہ سے نکالتا ہے نگران فرشتے اس کو محفوظ کر لیتے ہیں اور ایک دن وہ سارا ریکارڈ انسان کے سامنے پیش ہونے والا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ کراماً کاتبین کے اس اہم کام کے پیش نظر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کراماً کاتبین کی عزت کیا کرو، وہ ہر حالت میں تمہارے ساتھ ہوتے ہیں، مگر تین حالتیں ایسی ہیں کہ وہ انسان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں، بول و براز کے وقت، ہمبستری کے وقت اور جب کوئی کپڑے اُتار کر غسل کرتا ہے، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ننگا رہنے سے پرہیز کرو، کیونکہ ایسا کرنے سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، انسان کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں، اس کے باوجود فرشتوں کے ذریعے ریکارڈ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے روز انسان کسی بات کا انکار نہ کر سکے۔

فیصلے کا دن

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾

تحقیق نیک لوگ البتہ میں ہونگیں جنت (۱۳) اور تحقیق بدکار البتہ میں ہونگے دوزخ (۱۴)

يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ

داخل ہوں گے اس میں دن جزا کے (۱۵) اور نہیں وہ سے اس غائب ہونے والے (۱۶) اور

مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ

کس نے بتایا آپ کو کیا ہے دن جزا کا (۱۷) پھر کس نے بتایا آپ کو کیا ہے دن

الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۗ وَ الْاَمْرُ
جزا کا (۱۸) وہ دن کہ نہ مالک ہوگا کوئی شخص واسطے کسی شخص کے کسی چیز کا اور حکم

يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾ ع
اس دن واسطے اللہ کے (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بے شک نیک لوگ جنت میں ہوں گے۔(۱۳) اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہونگے۔(۱۴) ڈالے جائیں گے اس میں انصاف کے دن۔(۱۵) اور وہ اس سے چھپنے ہونے والے نہ ہوں گے۔ (۱۶) اور آپ کو کیا خبر ہے کہ انصاف کا دن کیسا ہے؟ (۱۷) پھر بھی آپ کو کیا خبر کہ انصاف کا دن کیسا ہے؟ (۱۸) جس دن کوئی شخص بھی کسی شخص کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس دن اللہ تعالیٰ کا ہی چلے گا۔ (۱۹)

لفظی تحقیق: اَبْرَارٌ: نیک لوگ۔ "بر" کی جمع ہے، فُجَّارٌ: بدکار لوگ) "فاجر" کی جمع ہے اس کی جمع "فجرۃ" بھی ہے، یَصْلَوْنَ: جلیں گے۔ مضارع کا صیغہ ہے ص۔ل۔ی۔ "صلی النار" کے معنی آگ میں جلنا، جھلسنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو لوگ دنیا میں نیک ہونگے، وہ قیامت کے دن جنت میں ہونگے اور جو لوگ دنیا میں بدکار ہونگے وہ قیامت کے دن دوزخ میں ہونگے، جہاں وہ اس کی گرمی اور تپش میں جلیں گے، لیکن نہ اس سے نکل سکیں گے اور نہ دم بھر کیلئے اس سے جدا ہو سکیں گے، ہمیشہ اسی میں رہیں گے یہ سب کچھ قیامت میں ہوگا، جس کی بابت تفصیل کے ساتھ کچھ زیادہ نہیں بتایا جا سکتا، مختصر یہ کہ! وہ بڑا ہولناک اور ڈراونا منظر ہوگا، ہر طرف مصیبت ہی مصیبت نظر آئے گی، اتنا اور سن لو! وہاں کوئی کسی کے کام نہ آ سکے گا، کوئی کسی کو ذرّہ بھر بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا، وہاں فقط اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلے گا اور کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔

لکھے ہوئے ریکارڈ کے علاوہ قیامت کے دن ہر عمل پر گواہی بھی پیش ہوگی، انسان کے اپنے اعضاء اس

کے خلاف یا اس کے حق میں گواہی دیں گے، اس کے علاوہ باہر کی چیزیں بھی گواہی دیں گی، منجملہ ان کے فرشتے بھی شہادت دیں گے کہ اس شخص نے فلاں اچھا یا برا کام کیا تھا، تو گویا انسان کا ہر قول اور فعل مکمل طور پر محفوظ ہے، یہ سارا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا ہے کہ ہر نیک و بد کو اس کے کئے کی جزا یا سزا مل سکے، چنانچہ فرمایا: یاد رکھو! نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے ایک قانون بنا دیا کہ ہر نیکوکار جسے ایمان کی دولت نصیب ہوگی، جس نے اچھے عمل کئے، وہ مرنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں میں رہیں گے، اور جسے ایمان کی دولت نصیب نہ ہوگی اور برے عمل کئے، وہ مرنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔

وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ: جہنم سے رہا بھی نہیں ہوسکیں گے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس میں پڑے رہیں گے، جو لوگ کفر و شرک کی وجہ سے دوزخ میں گئے ہیں تو وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے، ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ: آپ کو کس نے بتلایا کہ يَوْمُ الدِّيْنِ کیا چیز ہے اور قیامت کو يَوْمُ الدِّيْنِ کیوں کہتے ہیں؟ پھر تاکیداً فرمایا: پھر بتلائیں کہ: يَوْمُ الدِّيْنِ کیا چیز ہے، مخاطب کو متوجہ کرنے کیلئے یہ ایک طریقہ ہے کہ بات دُہرائی جائے، تاکہ مخاطب اچھی طرح متوجہ ہوجائے۔

پھر اس سوال کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرمایا: یہ وہ دن ہوگا کہ جس دن کوئی شخص دوسرے کیلئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اس دن ہر کوئی اسقدر بے بس ہوگا کہ بات کرنے کی طاقت بھی نہیں ہوگی، اس دن بولنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی، کوئی کسی کے کام نہیں آسکے گا، تمام چیزوں کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا، اس دنیا میں جو اختیارات عارضی طور پر بھی دے دیے گئے ہیں وہ سب کے سب لے لئے جائیں گے اور حکومت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔

ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حقیقی حکومت دنیا اور آخرت میں اللہ ہی کی ہے، حقیقی سرپرست اور مالک وہی ذات ہے، تمام انبیاء علیہم السلام اسی بات کی تعلیم دیتے رہے، لوگ اپنی بدبختی کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوجاتے

ہیں، اگر انسان اپنی حیثیت کو پہچان لے، اپنی پیدائش پر ہی غور کر لے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا سرپرست نہ بنائے، انسان کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ دنیا کی زندگی تو محض امتحان تھا، حقیقی مالک تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ تھا اور یہاں بھی وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

سورۃ المطففین کا خلاصہ

اس سورت میں ایک ایسی برائی کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں انسان خودغرضی اور لالچ کی وجہ سے پھنس جاتا ہے، پہلے زمانہ میں یہ برائی نمایاں طور پر مدین والوں میں ظاہر ہوئی، وہ لوگ ناپ تول میں دوسروں کیلئے کمی کرتے تھے، خود لیتے تو ٹھیک بلکہ کچھ زیادہ ناپ کر لیتے اور دوسرے کو دیتے تو کچھ کم دیتے، حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ ایسی بے انصافی سے وہ دنیا کی کسی بڑی آفت میں پھنس سکتے ہیں، کیونکہ اس سے انسان کی اجتماعی زندگی کا بگڑ جانا یقینی ہے اور یہی زندگی انسان کیلئے دنیا تک موجود تھی، قرآن کی اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ اس میں دنیا کے ساتھ آخرت کی خرابی بھی ہے، قیامت کے دن ایسا کرنے والے سخت مصیبت میں پھنسیں گے، جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اس کا جواب دینا ہوگا، بتاؤ! تم نے دنیا میں ایسا کیوں کیا تھا؟ کیا تمہیں قرآن میں بتایا نہیں گیا تھا کہ برے کام کی سزا مرنے کے بعد دوزخ میں جانا ہے؟

اس سورت میں جنت اور دوزخ کا حال بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جنت میں وہ جائیں گے جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر برے کام چھوڑے ہونگے اور اچھے کام اختیار کیے ہونگے، جنت کی زندگی میں آرام ہی آرام ہے، دُکھ اور رنج کا وہاں کچھ کام نہیں اور دوزخ کی زندگی میں دکھ اور رنج کے سوا کچھ نہیں اور آرام اور اطمینان کا وہاں نام نہیں۔

آیاتہا — ۳۶ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْن مَكِّيَّةٌ رکوعاتہا — ۱

سورۃ المطففین مکی ہے اس میں چھتیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

خودغرضی بری چیز ہے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲
خرابی ہے گھٹانے والوں کی (۱) وہ کہ جب ماپ کریں سے لوگوں تو پورا پورا لیں (۲)

وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ
اور جب ماپ کردیں انہیں یا تول کردیں انہیں تو گھٹا کردیں (۳) کیا نہیں یقین رکھتے یہ لوگ

اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ
کہ وہ اُٹھائے جانے والے ہیں (۴) واسطے ایک دن بڑے کے (۵) جس دن کہ کھڑے ہونگے لوگ

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶
سامنے پروردگار جہانوں کے (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہلاکت ہے گھٹانے والوں کیلئے۔(۱) جولوگوں سے ماپ کرلیں تو پورا بھرلیں۔ (۲) اور جب انہیں ماپ کر یا تول کردیں تو گھٹا کردیں۔(۳) کیا یہ لوگ خیال نہیں رکھتے کہ انہیں اس بڑے دن کے واسطے۔(۴) اُٹھنا ہے۔(۵) جب لوگ جہان کے مالک کے سامنے کھڑے ہونگے۔(۶)

لفظی تحقیق: اَلْمُطَفِّفِيْنَ: کم کر کے دینے والے۔ "اَلْمُطَفِّفِ" کی جمع ہے جو "تطفیف" سے اسم فاعل ہے، "طف" کے معنی ہیں کم ہوجانا، "تطفیف" کم کرنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جولوگ خودتو دوسروں سے اپنا حق پورا پورا وصول کرتے ہیں، لیکن دوسروں کو دیتے ہیں تو ناپ تول میں کمی کردیتے ہیں، ان لوگوں کا انجام اچھا نہیں، وہ بڑی مصیبت میں پھنسیں گے، ان کے حق میں بہتر یہی ہے کہ ناپ تول کے معاملہ میں انصاف سے کام لیں، خوددوسروں سے لیتے وقت پورا پورا لیتے ہیں تو دوسروں کو بھی دیتے وقت پورا پورا دیں، ان لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مرکر دوبارہ جینا ہوگا اور سب لوگ اُٹھ کر اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوں گے، اور ان سے پوچھا جائے گا کہ وہ اپنے ہی نفع کے خیال میں کیوں پھنسے ہوئے تھے اور دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا خزانہ بھرنے کی فکر میں ہر وقت کیوں لگے رہتے تھے؟ کیا انہیں خبر نہیں کہ اس جہان کا پیدا کرنے والا جیسے تمہارا رب ہے، ایسے ہی وہ سارے جہان کا بھی رب ہے، اگر دنیا میں تم دوسروں پر زیادتی کروگے تو قیامت میں تم سے اس کا حساب لیا جائے گا کہ تم نے بے انصافی سے کیوں کام لیا؟ اور یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم چاہے جو کچھ کریں، کوئی ہم سے پوچھنے والا نہیں؟ یہ ہے قرآن مجید کی تعلیم کا خلاصہ، یعنی: اللہ تعالیٰ سے ڈر کر برے کاموں سے بچو، ورنہ وہ اس کی سخت سزا دے گا۔

یہ حقوق العباد، یعنی: بندوں کے حق کا معاملہ ہے، کسی کا نقصان کرنا، کسی کا حق دبانا حرام ہے، اپنا حق پورا پورا وصول کرلینا اور جب دوسروں کی باری آئے تو ڈنڈی مار جانا، یہ قطعی حرام ہے، اور ایسی کمائی حرام کی کمائی ہے، حدیثِ قدسی میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے آدم کے بیٹے! جس طرح تم دوسروں سے اپنا حق پورا پورا لینا پسند کرتے ہو، اسی طرح ان کا حق بھی پورا پورا ادا کرو، جب کوئی عقلمند آدمی سودا طے ہوجانے کے بعد کسی کمی کو برداشت نہیں کرتا، تو پھر اسے دیتے وقت بھی اسی اُصول پر قائم رہنا چاہئے، فرمایا: اے آدم کے بیٹے! جس طرح تم اپنے لئے انصاف پسند کرتے ہو، اسی طرح دوسروں کے لئے بھی انصاف ہی پسند کرو، جب تم اپنے ساتھ ظلم و زیادتی کو پسند نہیں کرتے تو دوسروں کیلئے کیسے کرتے ہو؟ تو گویا "تطفیف" کا معنی کمی کرنا ہے۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے اور تاجروں سے فرمایا: تمہیں دو چیزوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، جن کی وجہ سے تم سے پہلے کئی امتیں تباہ ہوئیں، منجملہ ان کے ایک اور مدین والوں کا حال تو قرآن پاک میں موجود ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس بیماری میں اور بھی کئی امتیں تباہ ہوئیں، عذاب میں مبتلا ہو کر ختم ہوگئیں، فرمایا: وہ باتیں کیا ہیں وہ ماپ اور تول ہیں، جب ان اُمتوں نے ماپ اور تول میں کمی کی تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے اور وہ قومیں تباہ ہوئیں؛ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دیکھو! کسی کا حق مت ضائع کرو، کسی کا مال دھوکے سے ہضم کرنا، ماپ تول میں ڈنڈی مارنا حرام ہے۔

تجربات سے ثابت ہے کہ تاجروں کی عام ذہنیت یہ ہے کہ خود زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جائے اور دوسروں کو کم سے کم دیا جائے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اے تاجرو! جب تم تجارت کرتے ہو، تو شیطان بھی حاضر ہوتا ہے اور جھوٹ بھی، تاجر لوگ رقم میں کمی کرتے ہیں، فرمایا: اپنی تجارت اور کمائی کے ساتھ صدقے کو ملاؤ، محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ جھوٹ بول کر اور شیطان کے پیچھے چل کر تھوڑا سا صدقہ دے دو تو بات ٹھیک ہو جائیگی، ایسا ہرگز نہیں! بلکہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرو کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو، کاروبار میں جھوٹ نہ بولا جائے، اور کوئی خرابی نہ آئے، اس کے باوجود ان جانے میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کیلئے صدقہ دو، دوسری طرف جو صحیح تجارت کرنے والے لوگ ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی بہت تعریف فرمائی ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا حق ضائع نہیں کرتے، جھوٹ نہیں بولتے، جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تجارت میں جھوٹی قسم کھائی، اس کی کمائی سے برکت اُٹھ گئی، سودا تو بے شک چل گیا، مگر ساری برکت اُڑ گئی، یہ جھوٹی قسم سودے کو چلا دیتی ہے مگر برکت کو ختم کر دیتی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچے اور امانتدار تاجروں کا حشر نبیوں، شہیدوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوگا، یہ لوگ اتنے اُونچے درجے پر ہوں گے، تجارت کا پیشہ ایک عظیم پیشہ ہے، خود اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کرتے رہے، تاہم اس میں خرابی یہ ہے کہ عام تاجرانہ ذہنیت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ نفع کماؤ، حلال و حرام کی

کوئی تمیز نہیں، ایسے تاجروں کی مذمت کی گئی ہے، اس بری ذہنیت کی وجہ سے یہ لوگ دنیا میں تباہ و برباد ہوتے ہیں، طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوتے ہیں، البتہ جو لوگ اپنی کمائی میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں غریبوں، مسکینوں کا خیال رکھتے ہیں وہ بڑی حد تک بچے رہتے ہیں، لہٰذا پورا لینا اور پورا دینا بہت اچھا کام ہے۔

فرمایا: ماپ تول میں کمی کرنے والے، کیا خیال کرتے ہیں کہ ان کا حساب نہیں ہوگا؟ کہ مرنے کے بعد وہ دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے، کیوں نہیں ان کو ایک بڑے دین اٹھایا جائے گا وہ بڑا دن قیامت کا دن ہوگا، جس دن وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، اور ان کا حساب ہوگا، اس روز جب لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونگے، وہ رب جو تمام جہانوں کا رب ہے، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشیر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بشیر! اس دن کیا کرو گے جب اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونا پڑے گا، اس دن بڑی تلخی ہوگی، لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہونگے، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! اللہ تعالیٰ ہی مدد فرمائے، ان مشکل گھڑیوں کو آسان فرمادے، ورنہ انسان کے بس کی یہ بات نہیں ہے؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب بستر پر لیٹو تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کی تنگی اور بے چینی سے پناہ مانگو، دوسری دعا میں آتا ہے، اے اللہ! میں دنیا کی تنگی سے اور خاص طور پر قیامت کی تنگی سے تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔

"مسلم شریف" کی رویت میں آتا ہے کہ لوگ کھڑے ہونگے اور سورج ایک یا دو میل کے فاصلے پر ہوگا، ایسی تپش ہوگی کہ لوگوں کو پگھلا رہی ہوگی، پسینہ کسی کے ٹخنوں تک ہوگا، کسی کی کمر تک اور کسی کو پسینہ کی لگام لگائی ہوئی ہوگی، یعنی: ہونٹوں تک پسینا ہوگا، بہر حال! ایسے تاجر جو خود زیادہ نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو ان کا جائز حق بھی پورا نہیں دینا چاہتے، کیا ان کو یہ خیال نہیں ہے کہ ایک دن وہ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہونگے، انہیں اپنے عمل کا حساب دینا ہوگا، اس وقت ایسے لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟

" **تطفیف** "صرف ناپ تول ہی میں نہیں بلکہ حقدار کو ان کے حق سے کم دینا، خواہ کسی چیز میں ہو "**تطفیف**" میں داخل ہے، قرآن وحدیث میں ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ عام طور سے

معاملات کالین دین انہی دوطریقوں سے ہوتا ہے، انہی کے ذریعہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حقدار کاحق ادا ہوگیا یا نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ مقصود اس سے ہر ایک حقدار کاحق پورا پورا دینا ہے، اس میں کمی کرنا حرام ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کیساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کاحق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے، اسکا یہی حکم ہے، خواہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے، ہر ایک میں حقدار کے حق سے کم دینا اس آیت کی رو سے حرام ہے۔

"موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ" میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع وسجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا بلکہ جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے تو اس کو فرمایا: تو نے اللہ کے حق میں "**تطفیف**" یعنی: کمی کر دی، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے، یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا "**تطفیف**" کرنے کا مجرم ہے، اسی طرح بندوں کے حق میں جو شخص مقرر حق سے کم کرتا ہے، وہ بھی "**تطفیف**" کے حکم میں ہے، مزدور، ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے، اس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے، وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے، اس میں سستی کرنا بھی تطفیف ہے، اس میں عام لوگوں میں یہاں تک کہ اہلِ علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا۔

بدکاروں کا انجام (الف)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا

ہرگز نہیں تحقیق اعمال نامہ بدکاروں کا البتہ میں ہونگے سجین (۷) اور کس نے بتایا آپ کو کیا ہے

سِجِّيْنٌ ۝۸ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۰

سجین (۸) ایک دفتر ہے لکھا ہوا (۹) خرابی ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے (۱۰)

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ وَ مَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا
جو جھٹلاتے ہیں دن بدلے کا (۱۱) اور نہیں جھٹلاتا کوئی اسے مگر

كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾
ہر شخص حد سے نکل جانے والا گنہگار (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ ہرگز نہیں! بے شک گنہگاروں کا اعمال نامہ سجین میں ہے۔(۷) اور آپ کو کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟(۸) اور ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔(۹) اس دن ہلاکت ہے جھٹلانے والوں کیلئے۔(۱۰) جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے۔(۱۱) اور اسے وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے نکلنے والا گنہگار ہے۔(۱۲)

لفظی تحقیق: سِجِّیْنٌ: دفتر محفوظ۔ اسم ہے س۔ج۔ن سجن کے معنیٰ قید خانے کے ہیں، مَرْقُوْمٌ: نشان لگا ہوا۔ اسم مفعول ہے: ر۔ق۔م سے یہاں رقم کے معنی ہیں کوئی خاص علامت لگا دینا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ تمہارا خیال بالکل غلط ہے کہ ہم چاہے جو کچھ کریں، کوئی پوچھنے والا نہیں، ہرگز ایسا خیال مت کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو، وہ برابر لکھا جا رہا ہے اور وہی تمہارا اعمالنامہ ہے، ہر برے شخص کا اعمال نامہ اس کے مرنے کے بعد ایک دفتر میں محفوظ کر دیا جاتا ہے، جس کا نام "سجین" ہے، اس اعمال نامہ پر ایک خاص علامت یا مہر لگا دی جاتی ہے، جس سے وہ فوراً پہچان لیا جائے گا۔

قیامت کے دن یہ اعمال نامہ نکال کر اسے دے دیا جائے گا، اس دن لوگوں کی بہت بری گت بنے گی جو پیغمبروں کی باتوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں اور جزا سزا کے دن کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ قیامت یونہی جھوٹ موٹ کی گھڑی ہوئی بات ہے یاد رکھو، قیامت کو کوئی سمجھ دار سنجیدہ آدمی نہیں جھٹلائے گا، بلکہ جس کا دماغ چل گیا ہوگا اور جس کی عقل فکر کی مقرر حدوں کو توڑ کر باہر نکل چکی ہوگی، بدکاری کو وہ اپنا شغل بنا چکا ہوگا، اور گناہوں میں پھنسا رہتا

ہوگا وہ جھٹلائے گا۔

كَلَّآ : ہرگز نہیں! ان لوگوں کے تمام گمان غلط ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں، اصل بات یہ ہے، بیشک فاجروں کا اعمال نامہ البتہ "سِجِّيْنٍ" میں ہے، کتاب کا معنی نوشتہ، یالکھی ہوئی چیز اور یہاں مراد اعمال نامہ ہے، فاجر کے معنی گنہگار کے ہیں، اور یہ دو قسم پر ہیں: مؤمن بھی فاجروں کی فہرست میں آجاتے ہیں، جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے اسے توڑتے ہیں، اور جو لوگ سرے سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہی نہیں، وہ تو فاجر ہیں ہی، تو فرمایا: فاجروں کا اعمال نامہ "سجین" میں ہے، اب رہا لفظ "سجین" تو اس کا مادہ "سجن" ہے، اور "سجن" عربی میں قید خانے کو کہتے ہیں، اس میں تنگی یا پستی کا معنی پایا جاتا ہے؛ اسی لئے کہتے ہیں کہ "سجین" ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ جب روح جسم سے جدا ہوتی ہے تو سب سے پہلے اسکی حاضری "علیین یا سجین" میں ہوتی ہے، اگر نیک روح ہے تو وہ "علیین" میں جاتی ہے اور اگر کافر، منافق، فاجر ہے تو اسکی روح "سجین" میں حاضر کی جاتی ہے، اس حاضری کے بعد برزخ کے معاملات پیش آتے ہیں، تو فرمایا: فاجروں کے اعمال نامہ "سجین" میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟ پھر خود ہی بتایا، ایک دفتر ہے لکھا ہوا کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ " کا معنیٰ مہر لگائی ہوئی تحریر ہے، یعنی: بدکاروں کے تمام عمل جو بھی انہوں نے اپنی پوری زندگی میں انجام دیئے، انہیں لکھ کر مہر لگادی جاتی ہے، اب ان میں کسی کمی زیادتی یا خلط ملط یا ضائع ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا، وہ بالکل محفوظ ہوجاتا ہے، اور قیامت کے روز پیش کردیا جائے گا۔

بدکاروں کا انجام (ب)

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ

جب پڑھی جائیں سامنے اسکے آیتیں ہماری کہے کہانیاں ہیں پہلوں کی (۱۳) ہرگز نہیں بلکہ

رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ
زنگ لگ گیا ہے پر دلوں انکے وہ جو تھے کمائی کرتے (۱۴) ہرگز نہیں تحقیق وہ سے

رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾
رب اپنے اس دن البتہ روک دیے جائیں گے (۱۵) پھر تحقیق وہ البتہ گرنے والے ہیں دوزخ میں (۱۶)

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾
پھر کہا جائے گا یہ ہے وہ کہ تھے تم جسکو جھٹلاتے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جائیں تو کہتا ہے کہ یہ تو کہانیاں ہیں پہلوں کی۔(۱۳) کوئی نہیں پر زنگ بن گیا ہے ان کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے۔(۱۴) کوئی نہیں وہ اس دن اپنے رب سے روک دیے جائیں گے۔(۱۵) پھر یقیناً وہ دوزخ میں گرنے والے ہیں۔(۱۶) پھر کہا جائے گا یہ تو وہی چیز ہے جسے تم جھوٹ جانتے تھے۔(۱۷)

لفظی تحقیق: رَانَ: زنگ ہو کر جم گیا۔ ماضی کا صیغہ ہے، ر۔ی۔ن۔ "رین" کے معنیٰ میل، زنگ۔

تفسیر

جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، حالانکہ ان آیتوں میں ایک طرف عقیدے کی پاکیزگی کا ذکر ہوتا ہے تو دوسری طرف قیامت کا بیان ہوتا ہے، ایمان کی فکر کرنی چاہئے کہ اس کا ذہن، روح اور دل پاک رہے، شرک اور کفر کی گندگی سے پاک ہو، اور ساتھ یہ تنبیہ ہوتی ہے کہ حساب کا ایک دن مقرر ہے، قیامت آنے والی ہے، حساب کتاب سے کوئی بھی بچ نہیں سکے گا، نیز: یہ بھی دیکھو کہ! تم سے پہلے جن لوگوں نے قیامت کا انکار کیا، ان کا کیا حشر ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کا یہ حال سمجھانے کیلئے بیان کیا ہے کہ جس طرح وہ لوگ حساب کتاب سے نہ بچ سکے اسی طرح تم بھی نہیں بچ سکو گے،

انہوں نے بھی ہماری آیتوں کا انکار کیا، وہ بھی توحید کے منکر تھے، کفر اور شرک میں مبتلا تھے، تو جس طرح ان لوگوں پر طرح طرح کے عذاب آئے، اسی طرح تم پر بھی آسکتے ہیں، یہ قرآن پاک محض قصے کہانیاں نہیں ہیں، بلکہ یہ تو نصیحت ہے، اور پہلے لوگوں کے حالات عبرت کی خاطر بیان کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اس بات کا ذکر کیا ہے، اس میں عقل رکھنے والوں کیلئے عبرت کا سامان ہے کہ نافرمانی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح ذلیل وخوار کیا، اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا عذاب ہے، یہ تو بعد میں آئے گا، ایسے لوگوں کا جو حال ہوا، اسی سے عبرت پکڑو۔

اصل خرابی ان منکروں میں یہ ہے کہ کفر اور شرک کی وجہ سے ان کے دلوں کو زنگ لگ گیا ہے، اس وجہ سے یہ لوگ جھٹلاتے ہیں کہ دلوں پر زنگ چڑھ جانے کی وجہ سے ان کی صلاحیت ہی خراب ہوگئی ہے، یہ حق بات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور کہتے ہیں: کوئی قیامت نہیں ہے، کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: انسان جب پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر توبہ کرے تو وہ داغ دُھل جاتا ہے، اور دل صاف ہوجاتا ہے، اور اگر توبہ نہ کرے، معافی نہ مانگے اور دوسرے گناہ کا ارتکاب کرے تو سیاہ نقطہ بڑھ جاتا ہے، اس طریقہ سے جوں جوں کوئی شخص گناہ کرتا رہتا ہے، اس کا دل سیاہ ہوتا رہتا ہے۔

كَلَّآ: ایسا ہرگز نہیں! جو یہ سمجھ رہے ہیں، بلکہ بے شک یہ لوگ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے اور یہ سب سے بڑی سزا ہوگی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، کافر اور مشرک اس سے محروم رہیں گے، بعض رویات میں آتا ہے کہ کافر لوگ تمنا کریں گے کاش! ہم اپنے مالک کو ایک نگاہ دیکھ لیتے، مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی، پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے جو کہ تمام تکلیفوں اور پریشانیوں کا گھر ہے، پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جس کا تم انکار کرتے تھے، کہتے تھے کوئی دوزخ نہیں ہے، یہ سب ڈھکوسلے ہیں، طرح طرح کی باتیں بناتے تھے۔

فائدہ!

بعض مفسرین نے فرمایا کہ: یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے؛ اسی لئے دنیا کے عام کافر اور مشرک چاہے کتنے ہی کفر وشرک میں مبتلا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق غلط عقیدے رکھتے ہوں، مگر اتنی بات سب میں برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت سب کے دلوں میں ہوتی ہے اور اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اس کی رضا کے لئے عبادتیں کرتے ہیں، طریقہ غلط ہوتا ہے اس لئے جنت تک نہیں پہنچیں گے، مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر کافروں میں حق تعالیٰ کی زیارت کا شوق نہ ہوتا تو ان کی سزا میں یہ نہ کہا جاتا کہ وہ زیارت سے محروم رکھے جائیں گے، کیونکہ جو شخص کسی کی زیارت کا طالب ہی نہیں بلکہ منکر ہے، اس کے لئے یہ کوئی سزا نہیں کہ اس کو اس کی زیارت سے محروم رکھا جائے۔

نیکوں کا انعام

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝۱۸ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝۱۹

ہرگز نہیں تحقیق اعمال نامہ نیکوں کا البتہ میں ہے علیین (۱۸) اور کس نے بتایا آپ کو کیا ہے علیین (۱۹)

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۲۰ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۲۱ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ

ایک دفتر ہے لکھا ہوا (۲۰) دیکھتے ہیں اسے اللہ کے مقرب بندے (۲۱) تحقیق نیک لوگ البتہ میں ہونگے

نَعِيْمٍ ۝۲۲ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝۲۳ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ

نعمتوں (۲۲) پر مسہریوں بیٹھے دیکھتے ہوں گے (۲۳) پہچانیں گے آپ میں چہروں ان کے

نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝۲۴

تروتازگی نعمت کی (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہرگز نہیں! بے شک نیکوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے۔(۱۸) اور آپ کو کیا خبر علیین کیا ہے؟(۱۹) ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔(۲۰) جسے نزدیک والے (فرشتے) دیکھتے ہیں۔(۲۱) بے شک نیک لوگ آرام میں ہیں۔(۲۲) مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہونگے۔(۲۳) آپ ان کے چہروں پر آرام و آسائش کی تازگی پائیں گے۔(۲۴)

لفظی تحقیق: **علییون:** ایک بلند مقام ہے۔ جو بہت بلندی پر واقع ہے، اور جہاں نیک لوگوں کے اعمال نامے محفوظ ہیں۔ **نَضْرَةَ:** رونق۔ تازگی بشاشت۔ اسم ہے ن۔ض۔ر سے "**نعیم**"، خوشحالی، آرام کی زندگی اسم ہے۔ "**نَضْرَةَ النَّعِيْمِ**" خوشی کی زندگی کی رونق۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: برے اور اچھے کبھی برابر نہیں ہوسکتے، بروں کا حال تو تم سن چکے اب اچھے لوگوں کا حال سنو، ان کے اعمال نامے "علیین" میں محفوظ ہیں۔ لیکن آپکو کیا خبر کہ "علیین" کیا ہے؟ سنو! وہ ایک دفتر ہے جہاں نیک لوگوں کے اعمال نامے حفاظت سے رکھے جاتے ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کے فرشتے انہیں دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور وہ وہیں حاضر رہتے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نیک بندے راحت اور آرام سے مسندوں اور مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور جنت کے خوبصورت منظر دیکھ رہے ہونگے، ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے ہونگے، ہر شخص جو انہیں دیکھے گا ان کے چہرے کی رونق اور بشاشت ہی سے پہچان لیگا کہ وہ دل میں بہت خوش اور مگن ہیں، ان کی حالت ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوگی جو دنیا میں برے کاموں میں عمر بھر پھنسے رہے، انہیں یہ چین یہ آرام یہ راحت کہاں نصیب ہوگی، جنت کا خوشنما منظر اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ان کی آنکھوں سے چھپا ہوگا، اچھے لوگ ان سب کا لطف اُٹھا رہے ہونگے۔

كَلَّآ: ہرگز نہیں! یعنی: یہ لوگ قیامت اور عمل کے بدلے کو جھٹلاتے ہیں، ایسی بات ہرگز نہیں ہے یہ محض

ان کا غلط خیال ہے، اصل بات یہ ہے کہ بے شک نیکوکاروں کا اعمال نامہ "علیین" میں ہے، اور آپ کو کیا معلوم کہ "علیین" کیا ہے؟ ایک دفتر ہے مہر لگا ہوا، جہاں پر مقرب فرشتے حاضری دیتے ہیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: "علیین" ایک بہت بڑا دفتر ہے، جہاں تمام نیک لوگوں کے اعمال نامے رجسٹروں میں درج ہوتے ہیں، حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نیک آدمی کی روح جسم سے الگ ہوتی ہے تو اللہ کے حکم سے فرشتے اس روح کو "علیین" کے مقام پر لے جاتے ہیں، بعض مرفوع روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی نیک شخص کی روح کو فرشتے لے کر چلتے ہیں تو اس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت ہو لیتی ہے، ہر آسمان سے گذرتے وقت اس آسمان کے مقرب فرشتے بھی شامل ہو جاتے اور اس طرح یہ پوری جماعت "علیین" میں پہنچتی ہے جہاں مرنے والے کا اعمال نامہ درج ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان انعامات کا ذکر ہے جو نیک لوگ اللہ تعالیٰ کو ملنے والے ہیں، اس کے متعلق فرمایا: سن لو! بے شک نیک لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ہونگے، ظاہر ہے کہ اس مقام پر پہنچنا ہی کامیابی کی نشانی ہے۔

جنت میں داخلے کے بعد وہاں کے درجے عملوں کے عتبار سے ہونگے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے سو (۱۰۰) درجے ہیں، ہر درجہ دوسرے سے اتنا بلند ہے، جتنا زمین سے آسمان، ایمان والوں کیلئے ویسے ہی درجے ہونگے جیسے: ان کے عمل ہونگے؛ اسی لیے فرمایا کہ: نیک لوگ نعمتوں میں ہونگے اور تختوں پر بیٹھ کر نظارے دیکھیں گے، صوفے سیٹ لگے ہوئے ہونگے اور نیک لوگ ان پر آرام سے بیٹھے ہونگے، ان کے چہروں سے نعمتوں کی تروتازگی ظاہر ہوگی، نورانیت اور چمک دمک ہوگی۔

"سجین" اور "علیین" کے بارے میں مختلف حدیثیں آئی ہیں، "سجین" اور "علیین" کی تفسیر میں جن روایتوں کا ذکر ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی روحیں "سجین" میں رہتی ہیں جو ساتویں زمین میں ہے اور مؤمنین کی روحیں "علیین" میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اور بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی روح جہنم میں اور مؤمنین کی روح جنت میں رہیں گی، اور بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

مؤمنین وکافر دونوں کی روحیں اپنی اپنی قبروں میں رہتی ہیں، جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب مومن کی روح کو آسمان میں فرشتے لیجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: میرے اس بندے کا اعمال نامہ "علیین" میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو، کیونکہ اس کو میں نے زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد اسی میں لوٹاؤں گا اور پھر اسی زمین سے ان کو دوبارہ زندہ کر کے نکالونگا، اس حکم پر فرشتے اسکی روح کو قبر میں لوٹا دیتے ہیں، اسی طرح کافر کی روح کیلئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور یہی حکم ہوگا کہ اس کو اس کی قبر میں لوٹا دو۔

امام ابن عبدالبر نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ سب کی روحیں مرنے کے بعد قبر ہی میں رہتی ہیں، ان میں پہلی اور دوسری روایتوں میں جو یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعض سے مومنوں کی روح کا "علیین" میں رہنا معلوم ہوتا ہے، اور بعض سے جنت میں رہنا، غور کیا جائے تو یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ علیین بھی ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اور جنت کا بھی یہی مقام خود قرآن کریم سے ثابت ہے، اس میں تصریح ہے کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے اور سدرہ کا ساتویں آسمان میں ہونا حدیث سے ثابت ہے، اسلئے روحوں کی جگہ جب "علیین" ہوئی تو وہ جنت کے متصل ہے اور ان روح کو جنت کے باغات کی سیر نصیب ہے اسلئے ان کا مقام جنت بھی کہا جاسکتا ہے۔

اسی طرح کافروں کی روحیں "سجین" میں ہیں اور وہ ساتویں زمین میں ہے اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ دوزخ بھی ساتویں زمین میں ہے اور "سجین" والوں کو جہنم کی تپش اور ایذائیں پہنچتی رہیں گی؛ اسلئے انکا ٹھکانہ دوزخ میں کہدینا بھی صحیح ہے، البتہ اوپر جس روایت میں روح کا قبروں میں رہنا معلوم ہوتا ہے، بظاہر پچھلی دونوں روایتوں سے بہت مختلف ہے، یہ بات کچھ دور نہیں کہ اصل ٹھکانہ روحوں کا "علیین" اور "سجین" ہی ہوں مگر ان روحوں کا ایک خاص تعلق قبروں کیساتھ بھی قائم ہو، اس تعلق کی حقیقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

اچھے لوگوں کی مہمانی

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكَ
پلائے جائینگے سے خالص شراب مہر لگی ہوئی (۲۵) مہر جس کی مشک کی لگی ہوئی ہوگی اور طرف اسی کی

فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا
پس چاہیے کہ آگے بڑھیں آگے بڑھنے والے (۲۶) اور ملاوٹ اس کی سے تسنیم کی (۲۷) جو ایک چشمہ ہے

يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ
پیتے ہیں سے جس اللہ کے مقرب بندے (۲۸) تحقیق جو لوگ گنہگار تھے وہ سے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾
ان جو ایمان لائے تھے ہنسی کرتے (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ان کو مہر لگی ہوئی خالص شراب لائی جائے گی۔(۲۵) اس کی مہر کستوری کی ہوگی، اسکی کی طرف بڑھنا چاہیے بڑھنے والوں کو۔(۲۶) اور اس میں تسنیم کی ملاوٹ ہے۔(۲۷) جو ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے پئیں گے۔(۲۸) یہ گناہ گار لوگ ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے۔(۲۹)

لفظی تحقیق: خِتٰمُہٗ: مہر لگانے کا مسالہ۔ عموماً موم یا لاکھ لگا کر اس پر مہر جماتے ہیں، جنت کی شراب کی بوتلوں کے منہ پر کستوری رکھ کر مہر جمائی ہوئی ہوگی۔ تَنَافِسُ: کے معنی ہیں نفیس چیز کے لینے میں مقابلہ کرنا، تَسْنِيْمٍ: جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: نیک لوگ جنت کے خوشنما منظروں کے نظارے سے مسندوں پر بیٹھے لطف اُٹھا رہے ہوں گے، وہاں ان کو پینے کے لیے پاکیزہ شراب دی جائے گی جس کی بوتلوں پر مشک سے مہریں جمائی گئی ہوں گی اور

اس میں تسنیم کا پانی ملایا گیا ہوگا، یہ جنت میں ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگ پانی پییں گے، اسی کا پانی اس شراب میں ملا کر ان نیک لوگوں کو پلایا جائے گا، یہ خاص قسم کی شراب ہوگی، یہ دنیا کی شراب کی طرح نہ ہوگی جس کے پینے سے بسا اوقات سر بھاری ہوجاتا ہے، ہوش وحواس قائم نہیں رہتے، مگر بہشت کی شراب میں مزہ ہوگا، اس میں بدمزاجی کی کوئی بات نہیں ہوگی، نہ اس کے استعمال سے کسی قسم کی تکلیف کا کوئی خطرہ ہوگا۔

جو نفیس چیزوں کی طرف رغبت کرنے والے ہیں، انہیں چاہیے کہ جنت کی شراب حاصل کرنے کیلئے دل وجان سے کوشش کریں، یعنی: دنیا میں ایمان لا کر نیک کام کریں اور برے کام چھوڑ دیں، آگے بروں اور اچھوں کا ایک اور حال بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہے کہ: برے لوگ دنیا میں اچھوں کی ہنسی اُڑاتے ہیں اور انہیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جن مجرموں کا ذکر کیا ہے ان سے مراد مکہ کے کافر اور مشرک ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے، اور ان پر ہنستے تھے۔

دنیا میں بروں کا طرزِ عمل

وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى

اور جب گزرتے ہیں انکے پاس ایک دوسرے کو آنکھ کے اشارے کرتے ہیں (۳۰) اور جب واپس آتے ہیں طرف

اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ

والوں گھر اپنے تو واپس آتے دل لگی کرتے (۳۱) اور جب دیکھتے ہیں انہیں کہتے ہیں بیشک یہ لوگ

لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ

البتہ گمراہ ہیں (۳۲) حالانکہ نہیں بھیجے گئے وہ اوپر ان کے نگران (۳۳) پس آج وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

ایمان لائے کافروں پر ہنستے ہیں (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ: اور جب مسلمانوں کے پاس ہو کر نکلتے ہیں تو آپس میں آنکھ مارتے ہیں۔ (۳۰) اور جب اپنے گھر لوٹتے ہیں تو باتیں بناتے لوٹتے ہیں۔ (۳۱) اور جب انہیں دیکھتے ہیں کہتے ہیں یہ لوگ بے شک بہک رہے ہیں۔ (۳۲) حالانکہ انہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ (۳۳) سو! آج ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے۔ (۳۴)

لفظی تحقیق: یَتَغَامَزُوْن: ایک دوسرے کو آنکھ سے اشارے کرتے ہیں) فَكِهِيْنَ: ہنسی اُڑاتے۔ "فکہ" کی جمع ہے دل لگی کرنیوالا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ دنیا دار گنہگار لوگ جب دنیا میں ان دیندار پرہیزگار لوگوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو آنکھوں کے کنارے سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں اور اشارے کرتے ہیں کہ ان بے وقوف لوگوں کو ذرا دیکھنا کہ نماز، روزے وعظ ونصیحت ہی میں پھنسے رہتے ہیں اور کھیل تماشہ، تفریح، ہنسی دل لگی، ناچنا گانا، حسینوں میں دِل بہلانا سب کچھ چھوڑ رکھا ہے، بھلا دیکھو تو سہی! جب دنیا میں یہی مزے چھوڑ بیٹھے تو اور کیا رکھا ہے جس کیلئے جینے کی تمنا کریں؟

ان دنیاداروں سے یہ تو پوچھو کہ تم ان لوگوں کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ کیا تمہیں دنیا میں ان پر انسپکٹر مقرر کیا گیا ہے کہ ان کی نگرانی کرو، اور ان سیدھے سادے لوگوں کو جو کسی کی برائی میں نہیں پڑتے، گمراہ اور احمق بتاؤ، قیامت کے دن ایماندار پرہیزگار کی باری آئے گی اور وہ ان کافروں پر ہنسیں گے۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْن: یہ خوش حال کافر لوگ، غریب دینداروں کے قریب سے گذرتے

تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں دیکھو! یہ پھٹے پرانے لباس والے جنت کے والی جارہے ہیں، حوروں کے خاوند جارہے ہیں، نہ انکے پاس کھانے پینے کا سامان ہے، نہ ان کے پاس سواریاں ہیں، مالی حالت نہایت کمزور ہے، اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم کامیاب ہیں اور جنت کے وارث ہیں۔

مجرموں کی دوسری صفت یہ بیان کی ہے کہ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں، تو باتیں بناتے ہوئے لوٹتے ہیں، یہ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہوئے اور خوش طبعی کرتے ہوئے گھروں کو جاتے ہیں کہ ان کے پاس تو سب کچھ موجود ہے، مگر مؤمنین کے پاس کچھ نہیں، ان کا مذاق اُڑاتے ہیں، جب یہ لوگ ایمان والوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تو گمراہ لوگ ہیں، جو جنت کی تیاری کررہے ہیں، ہماری طرح مال و دولت نہیں سمیٹتے، حالانکہ کمال یہی ہے کہ مال و دولت جمع کرو، اور عیش و آرام کی ازندگی بسر کرو، مگر یہ تو بھکے ہوئے لوگ ہیں جو دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑے ہوئے بیٹھے ہیں۔

عملوں کا بدلہ

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ ع ۲ / ۴

پر مسندوں بیٹھے دیکھتے ہونگے (۳۵) تحقیق بدلہ دیا گیا کافروں کو اس کا جو وہ تھے کرتے (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ نیک لوگ مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہونگے۔ (۳۵) (کہا جائیگا) کافروں نے اپنے کئے کا بدلہ پایا ہے جو وہ کرتے تھے۔ (۳۶)

لفظی تحقیق: ثُوِّبَ: بدلہ دیا گیا۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، "تثویب" سے جس کا مادہ ث۔و۔ب ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دنیا میں انکار کرنے والے ایمان والوں کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے اور ایمان والے صبر سے

برداشت کرتے تھے۔ قیامت کے دن ایمان والے لوگ کافروں کی ہنسی اُڑائیں گے، اور کہیں گے کہ کیا تم نے ہماری ہنسی اُڑانے کا مزہ چکھا؟ کافر لوگ اپنے کیے پر پشیمان ہونگے، اور پچھتائیں گے کہ کاش! ہم نے ان ایمان والوں کا کہنا مان لیا ہوتا، دنیا میں ان ہی جیسے ہوجاتے تو آج یہ برا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا؟

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائینگے: کیا کافروں کو ان کاموں کا بدلہ دے دیا گیا، جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے؟ تم نے اپنی کرتوتوں کا انجام دیکھ لیا یا نہیں؟ تم دنیا میں کفریہ اور شرکیہ کام کرتے تھے، مذاق اُڑاتے تھے آج اس کا مزاہ چکھ لیا تم نے؟ یقیناً ان کا انجام ان کے سامنے ہوگا اور ان کو اپنے کیے کا بدلہ ان کو مل کر رہے گا۔

اس سورت میں ہر انسان کو صاف طور پر بتادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض کام برے ہیں، ان سے بچنا چاہیے اور بعض کام اچھے ہیں، انسان کو چاہئے کہ انہی کاموں کو اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھے ہیں، اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے، اسے فرشتے برابر لکھ رہے ہیں، جب وہ مرجائے گا تو اس کا اعمال نامہ ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا جائے گا، وہ محفوظ جگہ بروں کے لیے "سجین" اور اچھوں کے لیے "علیین" مقرر کردی گئی ہے، ہر ایک کے اعمال نامے پر ایک خاص نشانی لگی ہوئی ہوگی جس سے وہ صاف پہچان لیا جائے گا، اور قیامت کے دن ہر ایک کو اس کا اپنا اعمال نامہ دے دیا جائے گا۔

پھر اس کے عملوں کا حساب لیا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ! تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیوں کی تھی؟ تمہیں تو اس کے پیغمبروں نے صاف صاف بتادیا تھا کہ ایک دن ہر ایک کے اعمال کی پوچھ گچھ ہوگی، برے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے اور اچھے جنت میں مزے اُڑائیں گے، جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

اٰیاتھا — ٢٥ سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاق مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ١

سورۃ الانشقاق مکی ہے اس میں پچیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

زمین اور آسمان کا فنا ہو جانا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ② وَ اِذَا

جب آسمان پھٹ پڑے گا (١) اور کان لگائیگا طرف رب اپنے کے اور اسی لائق ہے (٢) اور جب

الْاَرْضُ مُدَّتْ ③ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ④ وَ اَذِنَتْ

زمین پھیلا دی جائے گی (٣) اور ڈال دے گی جو میں اس ہے اور خالی ہو جائے گی (٤) اور کان لگائے گی

لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ⑤ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ

طرف رب اپنے کے اور وہ اسی لائق ہے (٥) اے انسان! تحقیق تو مشقت اُٹھانیوالا ہے طرف رب اپنے کے

كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ⑥

طرح طرح کی پس ملنے والا ہے اس سے (٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب آسمان پھٹ جائے گا۔ (١) اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور آسمان اسی لائق ہے۔ (٢) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ (٣) اور نکال ڈالے گی جو اس میں ہے، اور خالی ہو جائے گی۔ (٤) اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور زمین ہے بھی اسی لائق۔ (٥) اے انسان! تجھے اپنے رب تک پہنچنے میں سراسر تکلیف اُٹھانی ہے پھر اس سے ملنا ہے۔ (٦)

لفظی تحقیق: اَذِنَتْ: سن لیا۔ ماضی مؤنث ہے اَذِنَ سے جس کے معنٰی ہیں کان لگا کر سننا۔ حُقَّتْ:

لائق۔ ماضی مجہول مونث ہے۔ ح۔ق۔ق سے حق مصدر کے معنی واجب کر دینا، مقرر کر دینا، "حُقَّتْ" مقرر کر دی گئی وہ زمین اسلئے کہ سنے۔ کدح: مشقت اٹھانا۔ "کَادِحٌ" اسی سے اسم فاعل ہے، محنت مشقت کرنے والا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یاد رکھو کہ! ایک وقت آنے والا ہے جب یہ آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، کیونکہ اس کے موجود رہنے کی حاجت نہیں رہے گی اور اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا کہ پھٹ جا، اور وہ اسی لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانے، اور پھر زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا، تاکہ اس میں اگلے پچھلے تمام انسان سما سکیں، جتنی چیزیں اس کے اندر ہیں سب باہر نکل پڑیں گی اور وہ خالی ہو جائے گی، پہاڑ، ٹیلے وغیرہ سب مٹ کر برابر ہو جائیں گے، زمین کی بابت یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ اس کے حکم کی تعمیل کرے گی، اور اس کا کام یہی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرے، اے انسان سن لے کہ! تجھے دنیا میں محنت اور مشقت کی زندگی بسر کرنی ہے، خواہ وہ محنت اور مشقت اللہ تعالیٰ کے حکموں کے بجالانے میں ہو یا اپنی خواہشوں کے پورا کرنے میں ہو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم تیرے لیے صادر ہو چکا ہے کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہے اور تجھے اس کا پھل مل کر رہے گا۔ جو تو نے دنیا میں کیا۔

اور زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا، جیسے کپڑے کو کھینچ کر تان دیا جاتا ہے، زمین اپنے اندر کی تمام چیزیں باہر نکال دے گی، اس سے پوچھا جائے گا یہ کیا ہے؟ تو وہ جواب دے گی کہ رب تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ میں خالی ہو جاؤں۔

وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ: "مُدَّ" کے معنی کھینچنے اور دراز کرنے کے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے روز زمین کو اس طرح کھینچ کر پھیلایا جائے گا جیسے: چمڑے (یا ربڑ) کو کھینچ کر بڑا کر دیا جاتا ہے، مگر اسکے باوجود میدانِ حشر جو اس زمین پر ہوگا اس میں ابتداءِ دنیا سے قیامت

تک کے تمام انسان جمع ہونگے۔ ہر انسان آخرت میں اپنے رب سے ملنے والا اور حساب کے لئے اسکے سامنے پیش ہونے والا ہے۔

اعمال نامہ کی تقسیم

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا
پس　جو　دیا گیا　اعمال نامہ اپنا　دائیں ہاتھ اپنے میں (۷)　پس عنقریب　حساب لیا جائے گا اس سے　حساب

یَّسِیْرًا ۝۸ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹ وَ اَمَّا مَنْ
آسان (۸)　اور　لوٹے گا　طرف　لوگوں اپنے کے　خوش خوش (۹)　اور　وہ　جو

اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱
دیا گیا　اعمال نامہ اپنا　پیچھے　پیٹھ اپنی کے (۱۰)　پس عنقریب　پکارے گا وہ　موت کو (۱۱)

وَّ یَصْلٰی سَعِیْرًا ۝۱۲
اور　داخل ہوگا　آگ میں (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔سو! جس کو اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا۔ (۷) تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ (۸) اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر پھر آئے گا۔ (۹) اور جسے اس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے ملا۔ (۱۰) سو! وہ موت موت پکارے گا۔ (۱۱) اور آگ میں پڑے گا۔ (۱۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان کو دنیا میں اس کا خیال رکھنا چاہیے، کہ وہ یہاں محنت و مشقت کرتا کرتا آخر کار مرجائے گا اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا اور اپنے رب کے سامنے حساب کے لئے پیش ہوگا اور جو کچھ اس دنیا میں کیا ہوگا وہ سارے کا سارا باقاعدہ لکھا ہوا اس کو دے دیا جائے گا، یہ اس کا اعمال نامہ ہوگا، جو کسی کے

داہنے ہاتھ میں سامنے سے ملے گا اور کسی کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، کیونکہ اعمال نامہ بانٹنے والے اس کے سامنے آکر اس کی صورت تک دیکھنا پسند نہ کریں گے، پیچھے سے آکر اس کے ہاتھ میں پکڑا کر چلے جائیں گے۔

جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا وہ اسے پڑھ کر خوشی سے پھولے نہ سمائے گا اور مسکراتا ہوا خوشی خوشی اپنے ساتھیوں اور مسلمان بھائیوں کے پاس اپنی خوشی کا حال سناتا ہوا آئے گا، گھر والوں سے مراد جنت کی حوریں ہیں جو وہاں اسکے اہل ہونگے، اور یہ ممکن ہے کہ جب کامیابی ہوگی تو دنیا کی عادت کے مطابق اسکی خوشخبری سنانے ان کے پاس جائے، لیکن جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے پکڑایا جائے گا، وہ موت کو پکارے گا کہ آکر اس کا خاتمہ کردے، تاکہ اس کی جان آفتوں سے چھوٹے جو اسے اپنے اُوپر پڑتی نظر آرہی ہوں گی، لیکن وہاں موت کہاں؟ وہاں تو اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

جسے اپنا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں مل گیا اور ظاہر ہے کہ دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ اُسے ملے گا، جس نے توحید، ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کیا ہوگا، عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس سے حساب میں نوک جھونک کی گئی، وہ ہلاک ہوگیا، اُمّ المؤمنین نے عرض کیا کہ حضور! "حِسَابًا یَّسِیْرًا" کیا ہے؟ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: حساب کتاب کا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوجانا ہی عرض ہے اور یہی حساب یسیر ہے، جس شخص سے پوچھ لیا گیا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ وہ مناقشے میں آگیا، ایسا شخص بچ نہیں سکے گا، آسان حساب یہ ہے کہ بس حساب پیش ہوگیا کچھ نوک جھونک نہیں کی گئی، جان بچ گئی۔

بعض اوقات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں یہ دعا فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا: کہ اے اللہ! میرا حساب آسان لینا۔

اس کے بعد دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا کہ: جسے اس کا اعمالنامہ پیٹھ پیچھے سے دیا گیا، پس! وہ پکاریگا ہلاکت

کو وہ کہے گا، کاش! موت ہی آجائے جو بالکل فنا کر دے اور اس حساب سے بچ جائے، دوسری جگہ فرمایا کہ: ایک ہلاکت کو نہ پکارو تمہارے لیے بہت سی ہلاکتیں ہیں، ایسا شخص جہنم میں داخل ہوگا۔

منکروں کی حالت

اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾

تحقیق وہ تھا میں اہل وعیال اپنے خوش وخرم (۱۳) تحقیق اسنے گمان کیا تھا کہ ہرگز نہ واپس جائے گا (۱۴)

بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾

ہاں ہاں تحقیق رب اس کا تھا اسے دیکھنے والا (۱۵) پس کچھ نہیں قسم کھاتا ہوں میں شفق کی (۱۶)

وَ الَّيْلِ وَ مَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ

اور رات کی اور جو سمٹ آئے (۱۷) اور چاند کی جب وہ مکمل ہوجائے (۱۸) البتہ ضرور چڑھو گے تم

طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾

درجہ پر سے ایک درجہ (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا۔ (۱۳) اس نے خیال کیا تھا کہ وہ آخرت کی طرف پھر کر نہ جائے گا۔ (۱۴) کیوں نہیں! اس کا رب اسے دیکھنے والا ہے۔ (۱۵) سو! قسم شام کی سرخی کی۔ (۱۶) اور رات کی اور وہ جو چیزیں اس میں سمٹ آتی ہیں۔ (۱۷) اور چاند کی جب پورا بھر جائے۔ (۱۸) کہ تم کو چڑھنا ہے سیڑھی بہ سیڑھی۔ (۱۹)

لفظی تحقیق: يَحُوْرَ: لوٹے گا۔ مضارع کا صیغہ ہے ح۔و۔ر سے "حُوْر" کے معنی بہت سے ہیں یہاں لوٹنا، واپس جانا مراد ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ وہی تو ہے کہ دنیا کے اندر اپنے گھر والوں میں خوش وخرم رہتا تھا، آخرت کا خیال تک دل میں نہ لاتا تھا، اور اگر کوئی اس سے کہتا کہ دنیا میں اس قدر مت پھنسو کہ آخرت کو بھول کر بھی یاد نہ کرو، تو کہتا میاں جانے بھی دو، آخرت کیا چیز ہے؟ دیکھتے نہیں! دنیا میں کیا کیا مزے ہیں، اس کے دل میں یہ بیٹھ گیا تھا کہ مرکر دوبارہ زندہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کتاب کے لئے پیش ہونا ایک وہمی بات ہے؛ اس لیے وہ دنیا میں جو چاہتا تھا کرتا تھا۔

اے انسان! اچھی طرح سن لے کہ تو ضرور اللہ تعالیٰ کے رُوبرو حساب دینے کھڑا ہوگا، تیرا رب ترے سب کام دیکھ رہا ہے اور تیرے سارے حالات سے باخبر ہے، اس نے فیصلہ کر دیا ہے کہ برے کام کرنے والوں کو سزا دی جائے گی اور اچھا کام کرنے والے ہمیشہ راحت اور آرام سے رہیں گے۔ ہرگز یہ مت خیال کر کہ اس اَدلتی بدلتی دنیا میں تیرا حال ایک سا رہے گا، کیا دیکھا نہیں کہ دن ختم ہو کر شام آتی ہے، شفق کی سرخی پھیلتی ہے، پھر رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے، پھر چاند نکلتا ہے پہلے چھوٹا سا نظر آتا ہے، پھر بڑھ کر پورا ہو جاتا ہے، اور اسی طرح گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، اسی طرح اے انسانو! تم بھی مختلف حالات میں گزرو گے، بچپن جوانی، بڑھاپا، موت تو سب جانتے ہیں یہ بھی جان لو کہ بعد میں حالات بدلیں گے، انسان سب کے سب پھر زندہ کئے جائیں گے اور پھر ان حالات میں سے گزریں گے جو ذکر کئے گئے۔

فرمایا: اسی طرح تم ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر چڑھو گے، یا ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوگے، جس طرح اس دنیا کی زندگی مختلف دوروں سے گذری، اسی طرح مرنے کے بعد کئی منزلیں طے کرنا ہوں گی، انسان کی پیدائش اور اسکی مختلف حالتیں خود قرآن پاک نے بیان فرمائیں، شروع میں انسان کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، اسے ماں کے پیٹ میں ایک نطفہ کی شکل میں داخل کیا، پھر چالیس دن تک اس میں تبدیلی آتی رہی،

چالیس دن کے بعد وہ گوشت میں تبدیل ہوا، مزید چالیس دن کے بعد ہڈیاں وغیرہ بن گئیں اور اس کے بعد روح پڑ گئی اور زندہ انسان بن گیا، اس کو غذا ماں کے خون سے ملتی ہے، پھر جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی خوراک ماں کی چھاتیوں میں مقرر کر دیتا ہے، پھر بچپن کا زمانہ آتا ہے، کھیل کود میں مشغول ہوتا ہے، پھر شعور کا زمانہ آتا ہے، انسان تعلیم و تربیت میں لگ جاتا ہے، اب اسے ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے، پھر جوانی میں پہنچتا ہے، شادی ہوتی ہے، بال بچے ہوتے ہیں اب مکان کی فکر ہے، اولاد کی پرورش کی ذمہ داری ہے، اس کے بعد بڑھاپا آ جاتا ہے، طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہونے لگتی ہیں، انسان کمزور ہو جاتا ہے، اور آخر ایک دن قبر میں پہنچ جاتا ہے، تو گویا انسان اس دنیاوی زندگی میں اتنے طبقات (حالات) پر سے گذرتا ہے۔

ایمان کیوں نہیں لاتے؟

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَ إِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا

پس کیا ہوا انہیں کہ نہیں ایمان لاتے (۲۰) اور جب پڑھا جاتا ہے پر ان قرآن تو نہیں

يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَ اللّٰهُ أَعْلَمُ

السجدۃ ۱۳

سجدہ کرتے (۲۱) بلکہ جنہوں نے انکار کیا وہ جھوٹا بتاتے ہیں (۲۲) اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾

اسے جو محفوظ کیے ہوئے ہیں (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ پھر کیا ہوا ہے انہیں کہ یقین نہیں لاتے۔ (۲۰) اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جائے وہ سجدہ نہیں کرتے۔ (۲۱) بلکہ وہ لوگ جو کافر ہیں جھٹلاتے ہیں۔ (۲۲) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ اپنے باپ دادوں سے کفریہ اور شرکیہ باتیں سن کر محفوظ رکھتے ہیں۔ (۲۳)

لفظی تحقیق: يُوعُونَ: حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں۔ مضارع کا صیغہ ہے، "ایعاء" جس کا مادہ

و۔ع۔ی ہے۔"وعی" اور"ایعاء" دونوں کے معنی سمیٹ کر رکھنا ہیں۔ یہاں اس سے ان کے برے خیالات مراد ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب زمانہ کی حالت اُلٹی بدلتی دیکھ کر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کی بھی حالتیں اسی طرح بدلتی رہتی ہیں اور بدلیں گی تو پھر انہیں یقین کیوں نہیں آتا کہ جیسے بچپن کے بعد جوانی، جوانی کے بعد بڑھاپا اور بڑھاپے کے بعد موت آتی ہے، ایسے ہی موت کے بعد قبر، حشر نشر، حساب کتاب، اعمال کی جانچ، پل صراط سے گزرنا، یہ سارے مرحلے پیش آئیں گے اور ہر ایک مرحلہ کے بعد دوسرا مرحلہ پیش آئے گا، کوئی وجہ نہیں کہ یہ قرآن کی خبروں کو سچا نہ مانیں، وہ جو اِن مرحلوں سے گزرنے کے لیے تیاری کرنا سکھاتا ہے، اسے دل وجان سے مانیں، بجائے ماننے کے یہ لوگ قرآن کی ہدایت کے خلاف چلتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں جھکتے اور اسے سجدہ نہیں کرتے، بلکہ بعض انکار کرنے والے تو قرآن مجید کو نعوذ باللہ جھوٹا تک کہنے سے نہیں چوکتے، ان کے دلوں میں جو باپ دادا سے سن کر برے جذبات اور خیالات بھرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے، ان کے برے عملوں کی انہیں یقیناً سزا ملے گی۔

لَا يَسْجُدُوْنَ: کا لفظی ترجمہ ہے، سجدہ نہیں کرتے، مگر اس مقام پر مراد عاجزی ہی ہے، یعنی: یہ لوگ تلاوت قرآن کے وقت عاجزی نہیں کرتے، حالانکہ انہیں اپنے خدا کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیے۔

احکام ومسائل

قرآن پاک میں چودہ مقامات ایسے ہیں کہ جب یہ آیات تلاوت کی جائیں تو پڑھنے اور سننے والوں سب پر سجدہ کرنا واجب ہوجاتا ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، البتہ امام مالکؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے سنتِ موکدہ قرار دیتے ہیں، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ایسے مقامات پر سجدہ نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے سخت ملامت کی ہے، لہٰذا اس وعید کے پیشِ نظر اس حکم کی ضرور تعمیل کرنی چاہئے۔

نہ ماننے والوں کی سزا

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۴ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
پس خوشخبری سنائیں انہیں　عذاب　دکھ دینے والے کی (۲۴)　مگر　وہ لوگ　جو ایمان لائے　اور　کام کیے انہوں نے　اچھے

ع ۲ ۲۰

لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۲۵
انکے لئے　ثواب ہے　نہ　ختم ہونے والا (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ (۲۴) سوائے ان کے جو لوگ یقین لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے ان کے لئے بے انتہا ثواب ہے۔ (۲۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان لوگوں کو خوشخبری سنا دو کہ دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا پھل مرنے کے بعد آخرت میں ضرور مل کر رہے گا، کسی کا کوئی عمل بیکار نہیں جائے گا، برے کام کرنے والے دکھ بھرا عذاب اٹھائیں گے، اور ایمان لا کر اچھے کام کرنے والے بہت اچھا بدلہ پائیں گے جو کبھی ختم ہونے کا نام نہ لے گا،" سورۃ الانشقاق" ختم ہوئی۔

اس سورۃ میں انسان کو بتایا گیا ہے کہ دنیا کا حال ایک جیسا نہیں رہتا ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، آخر کار ایک دن سب کچھ ختم ہو جائے گا، اس کے بعد انسان کو پھر زندہ کیا جائے گا اور اس کے کاموں کا حساب لیا جائے گا، بدکار لوگ دوزخ میں سخت عذاب بھگتیں گے اور نیکوکار جنت میں جائیں گے، جہاں وہ ہمیشہ آرام سے رہیں گے۔

سورۃ البروج کا خلاصہ

اس میں ان لوگوں کو دھمکی دی گئی ہے جو مسلمانوں کو ستاتے تھے اور مسلمانوں کو دلاسا دیا گیا ہے، اس میں

یمن کے شہر نجران کے یہودی بادشاہ ذونواس کے حال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس نے ایک خندق کھود کر اس میں آگ دہکائی اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والوں کو اس میں ڈال کر جلا دیا، انہوں نے جلنا منظور کیا، لیکن اپنا دین نہ چھوڑا، آخر یہ بادشاہ تباہ ہوا اور بعد میں اس کے ملک، یعنی: یمن پر حبش کے بادشاہ کا قبضہ ہوگیا، جو "عام الفیل" تک رہا، (عام الفیل وہ سال ہے جس میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے) ذونواس اور یہودی لوگ خندق کے پاس بیٹھے ایمان دار عیسائیوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے کہ وہ آگ بھڑک کر سارے شہر میں پھیل گئی اور سب کو جلا کر خاک کر دیا۔

اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے مکہ کے کافروں کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے مردوں اور عورتوں کو صرف ان کے ایمان کی وجہ سے ستانا، ستانے والوں کی تباہی کا سبب ہوتا ہے، دنیا میں اگر بچ بھی گئے تو مرنے کے بعد آخرت میں وہ دوزخ کی آگ میں جلیں گے، اور ایمان والے صبر و تحمل کے ساتھ اپنے ایمان پر قائم رہنے کی بدولت جنت میں داخل ہو کر ہمیشہ آرام کی زندگی بسر کریں گے، اس کے بعد تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے وہ بڑی قدرت والا ہے؛ اس لئے اس کا حکم مانو، جو اس قرآن میں موجود ہے۔

آیاتها — ۲۲ | سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها — ۱

سورۃ البروج مکی ہے اس میں بائیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

ستانے والے تباہ ہوئے!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ﴿۱﴾ وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ﴿۲﴾ وَ شَاهِدٍ

قسم آسمان والے برجوں کی (۱) اور دن وعدہ کئے ہوئے کی (۲) اور حاضر ہونے والے کی

وَّ مَشْهُوْدٍؕ۝۳ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِۙ۝۴ النَّارِ ذَاتِ

اور جس میں حاضر ہوتے ہیں(۳) مارے گئے والے خندق (۴) جو آگ تھی والی

الْوَقُوْدِۙ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَیْهَا قُعُوْدٌۙ۝۶ وَّ هُمْ عَلٰى مَا یَفْعَلُوْنَ

ایندھن (۵) جب وہ پر اس کے بیٹھے تھے(۶) اور وہ پر اس جو کرتے تھے

بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُهُوْدٌؕ۝۷

ساتھ ایمان والوں کے دیکھ رہے تھے(۷)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے! ستاروں والے آسمان کی۔(۱) اور قسم ہے! اس (قیامت کے) دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔(۲) اور قسم ہے! حاضر ہونے والے (جمعہ کے دن) کی اور قسم ہے اس (عرفے کے دن) کی جس میں حاضری ہوتی ہے۔(۳) خندقوں والے مارے گئے۔(۴) کہ وہ ایندھن والی آگ تھی۔(۵) جب کہ وہ (ظالم) اس (آگ) کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔(۶) اور وہ ایمان والوں کے ساتھ جو زیادتیاں کر رہے تھے ان کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے۔(۷)

لفظی تحقیق: ذَاتِ الْبُرُوْجِ: برجوں والا۔ بُرُوْجِ، برج کی جمع ہے، برج بلند عمارت یا کسی عمارت کا اُٹھا ہوا علیحدہ حصہ، یہاں آسمان کے وہ ۱۲ حصے مراد ہیں جن میں سے سورج سال بھر میں گزرتا ہے اور ہر برج میں سے گزرنے کی مدت ایک مہینہ ہوتی ہے۔ اَلْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ: سے قیامت کا دن مراد ہے۔ شَاهِدٍ: حاضر ہونے والا ہے۔ مراد جمعہ کا دن ہے، جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے پاس آموجود ہوتا ہے، مَشْهُوْدٍ: جس میں حاضری دی جاتی ہے۔ اس سے مراد عرفہ کا دن ہے، یعنی: ۹، ذی الحجہ جس میں حج کے لئے دنیا بھر کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔

تفسیر

آسمان، قیامت، جمعہ اور عرفہ کی قسم سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ ہر جگہ اور ہر زمانے کا مالک ہے؛ اس

لئے اس کا نافرمان کبھی اور کہیں نہیں بچ سکتا، چنانچہ یمن کا یہودی بادشاہ اور اس کے درباری جنھوں نے ایماندار عیسائیوں کو جلانے کے لئے خندقیں کھود کر اس میں بہت سا ایندھن جلا کر آگ دہکائی تھی، تباہ و برباد ہوئے، یہ لوگ خندق کے اردگرد بیٹھے ان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے، اور اپنی طاقت اور اختیار کا نتیجہ دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے، نجران کے ان یہودیوں کو سزا دے رہے تھے جو ایک عیسائی راہب کے سمجھانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے اور اوروں کو بھی سمجھاتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم سے فائدہ اُٹھاؤ، وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر نہ مانتے تھے اور طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا تھے، نجران یمن کے علاقے میں تھا، اور یمن کے یہودی بادشاہ ذُونواس کے ماتحت تھا؛ اس لئے اس نے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو یہ سزا دی، تاکہ ان کو دیکھ کر لوگ ڈر جائیں اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے تقریباً ۷۰ سال پہلے یہ واقعہ پیش آیا، یمن میں ذُونواس نامی بادشاہ تھا، جو کافر و مشرک تھا، بعض کہتے ہیں: مجوسی تھا، تاہم یہ ایران کے بادشاہ کے ماتحت تھا، اور اس کی حیثیت وائسرائے کی طرح تھی، اپنے علاقے میں بااختیار تھا، اس کے ہاں ایک جادوگر تھا، جسے حکومت میں بڑا عمل دخل تھا، بادشاہ اس سے مشورہ کرتا تھا، اور اس کے مطابق کام انجام دیتا تھا، اس زمانے میں اکثر بادشاہ جادوگروں یا نجومیوں کی خدمات حاصل کرتے رہتے تھے، جو اپنے فن کے مطابق حکمرانوں کو مشورہ دیتے تھے، جس طرح آج کل فنی مشورے ڈاکٹروں، انجینئروں یا سائنس دانوں سے لیے جاتے ہیں، اس زمانے میں جادوگر قسم کے لوگ حکومت کے مشیر ہوتے تھے۔

یمن کے بادشاہ کا جادوگر جب بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ کوئی قابل اور ذہین لڑکا تلاش کرو، جسے میں اپنا فن سکھا دوں، جو میرے بعد تمہارے کام آئے، چنانچہ اس کام کے لئے ایک ہوشیار لڑکا چن کر کے جادوگر کے حوالے کیا گیا، جس نے جادوگر سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، اتفاق ایسا ہوا کہ جس راستے پر ہو کر لڑکا جادوگر کے پاس جاتا تھا، اس راستے میں کسی راہب کا عبادت خانہ تھا، وہ راہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح دین پر

تھا، لڑکا اس کے پاس آنے جانے لگا، حتی کہ اس کا دین قبول کرلیا، راہب نے اس کی تربیت اتنی اچھی کی کہ وہ بچہ صاحبِ کرامت بن گیا، ایک دن ایسا واقعہ پیش آیا کہ ایک شیر یا بڑے ناگ نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا، جس کی موجودگی میں لوگوں کو اس راستے سے گذرنا ناممکن تھا، لوگ سخت پریشان تھے، اس لڑکے کو علم ہوا تو اس نے بڑا پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے یہ شیر یا بڑا ناگ ہلاک ہو جائے اور پھر ایسا ہی ہوا، اس کے پتھر سے وہ ہلاک ہو گیا اور اس کرامت کی وجہ سے بچہ بڑا مشہور ہو گیا کہ یہ کوئی بڑا علم جانتا ہے، اسی دوران ایک اندھا شخص اس لڑکے کے پاس آیا اور اس سے آنکھیں اچھی کرنے کی درخواست کی، لڑکے نے کہا: آنکھیں اچھی کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، اگر تو اس پر ایمان لے آئے تو میں تیرے حق میں دعا کروں گا، اللہ تعالیٰ تمہیں بینائی عطا کر دے، وہ اندھا شخص ایمان لے آیا لڑکے نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھوں والا کر دیا، اس کرامت کے ظاہر ہونے سے وہ اور زیادہ مشہور ہوا اور اس نے اس طریقے سے تبلیغ شروع کر دی، وہ ہر کسی سے یہی کہتا کہ میری تو کچھ طاقت نہیں، کام کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔

ہوتے ہوتے یہ خبر بادشاہ تک پہنچی، بادشاہ نے اس لڑکے کو بلا کر کہا کہ تم اب جادو میں ماہر ہو گئے ہو، اور علم حاصل کر لیا ہے، پہلے تو لڑکے نے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی مگر پھر بھی اصل بات ظاہر ہو گئی، لڑکے نے صاف صاف کہہ دیا، جادو وغیرہ کچھ نہیں، نفع ونقصان کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے، یہ سن کر بادشاہ سخت ناراض ہوا، اس راہب اور اس اندھے کو بلا لیا، جو لڑکے کی دعا سے آنکھوں والا ہو گیا تھا، پہلے تو انہیں ڈرایا دھمکایا، اور پھر ان دونوں کو قتل کر دیا، لڑکے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو پہاڑ پر لے جاؤ، اگر یہ اپنا دین چھوڑ دے تو اسے چھوڑ دینا، ورنہ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دینا، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جو لوگ لڑکے کو گرانے کیلئے پہاڑ پر لے گئے تھے وہ خود زلزلے سے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس آ گیا، اس واقعہ سے بادشاہ کو سخت رنج ہوا۔

اس کے بعد اس نے اپنے ملاحوں کو حکم دیا کہ لڑکے کو کشتی میں سوار کر کے سمندر کے گہرے پانی میں لے جاؤ، اور اسے اپنا دین چھوڑنے کو کہو، اگر وہ اس پر تیار نہ ہو تو سمندر میں ڈبو دو، اللہ تعالیٰ کی مدد نے وہاں بھی اسکی

مدد کی اور ملاح خود ڈوب گئے اور لڑکا پھر بچ کر زندہ واپس آ گیا، اس لڑکے کو ہلاک کرنے کے لیے جب بادشاہ کی کوئی تدبیر کارآمد ثابت نہ ہوئی، تو اس لڑکے نے خود بادشاہ کو تجویز پیش کی کہ اگر تو مجھے ضرور ہلاک کرنا چاہتا ہے، تو مجھے کسی اونچی جگہ پر کھڑا کر کے مجھ پر تیر چلاؤ۔ اور تیر چلانے والا تیر چلاتے وقت زبان سے یہ الفاظ ادا کرے، "بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ "یعنی: اس بچے کے رب کے نام پر تیر چلاتا ہوں، چنانچہ اس تجویز پر لڑکے کو بلند جگہ پر لٹکا کر تیر چلایا گیا، جو اسکی کنپٹی پر لگا اور وہ شہید ہو کر اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا، یہ نظارہ ہزاروں آدمی دیکھ رہے تھے، وہ سب کے سب ایمان لے آئے، بادشاہ یہ حالت دیکھ کر بھڑک اُٹھا، کہ لوگ دھڑا دھڑ ایمان لا رہے ہیں، اور بادشاہ کا غصہ اور بڑھتا جا رہا تھا، اس نے کھڈے یا خندقیں کھدوائیں، ان میں آگ جلائی اور ہزاروں کی تعداد میں ایمان والوں کو ان بڑے بڑے آگ کے گڑھوں میں پھینک کر زندہ جلا دیا۔ "مسلم شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ ان میں ایک ایماندار عورت بھی لائی گئی، جس کی گود میں دودھ پیتا بچہ تھا، آگ کے شعلے دیکھ کر عورت جھجکی، تو اللہ تعالیٰ نے اس دودھ پیتے چھوٹے بچے کو بولنے کی طاقت دی اور وہ کہنے لگا: اے ماں! صبر کر نا تم حق پر ہو، گھبرانا نہیں اگرچہ آگ میں ڈال دی جاؤ۔

صاحبِ کرامت لڑکے کی شہادت کے بعد جو واقعہ پیش آیا، اُس کا کچھ حصہ "ترمذی شریف" میں موجود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی ضرورت کے تحت اُس جگہ کو کھودا گیا، جہاں وہ لڑکا دفن تھا، دیکھنے والے کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے وہ لڑکا اپنی جگہ پر صحیح سلامت بیٹھا تھا، اور اس کا ہاتھ اس کی کنپٹی پر تھا، جہاں اُسے تیر لگا تھا، جب لوگ اس کا ہاتھ زخمی جگہ سے ہٹاتے تو اس کے زخم سے خون جاری ہو جاتا اور جب اس کا ہاتھ چھوڑ دیتے تو ہاتھ خود بخود اُسی جگہ پر واپس چلا جاتا، بعض نے ذکر کیا ہے کہ لڑکے کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی، جس پر یہ الفاظ لکھے تھے "رَبِّيَ اللّٰهُ" میرا رب اللہ ہے، یمن کے عامل نے اس واقعہ کی اطلاع خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھجوائی تو آپ نے جواباً حکم بھیجا کہ اس لڑکے کو فوراً اُسی جگہ پر دفن کر دو، جہاں وہ پہلے تھا، چنانچہ ایسے ہی کیا گیا، کہتے ہیں کہ اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا، یہ ہے وہ تاریخی واقعہ جس کی متعلق اللہ تعالیٰ نے اس

سورت میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ: قسم ہے ستاروں والے آسمان کی، یہ ستارے دیکھ رہے ہیں کہ کس قدر ظلم ہورہا ہے، ستر ہزار انسانوں کو آگ کے گڑھوں میں ڈال دیا گیا، یہ ظلم وزیادتی کی انتہا ہے؛ اسی لیے سورت کے دوسرے حصے میں فرمایا کہ: اگر تم اس قدر بدامنی اور ظلم وستم کروگے تو آپ کے رب کی پکڑ بھی بڑی سخت ہے جو اس کی پکڑ میں آگیا تو پھر بچ نہیں سکے گا، اور اس بات پر دن بھی گواہ ہے اور وہ قیامت کا دن ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے یہ بدامنی خود گواہ ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے، عمل کا بدلہ ایک دن ضرور ملے گا۔

وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ: اور قسم ہے حاضر ہونے والے کی اور قسم ہے اس کی جس کے پاس حاضری ہوتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے "شاہد" سے مراد جمعہ کا دن ہے، جو ہر شہر میں آتا ہے، اور ایمان والوں کو کہیں دور نہیں جانا پڑتا، اور "مشہود" سے مراد عرفہ کا دن، یعنی: نویں ذوالحجہ ہے، جہاں دنیا کے کونے کونے سے حج کے لیے آنے والے اس مقام پر حاضر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بے شمار فرشتے بھی وہاں حاضر ہوتے ہیں، مطلب یہ کہ یہ سب چیزیں اس بات پر گواہ ہیں کہ ظلم کا نتیجہ خطرناک ہوگا، ایمان والوں کو آگ کی خندقوں میں ڈالنے والوں نے ظلم کیا تھا اس کا نتیجہ بھی یہی ہوا، خندقوں والے مارے گئے یا قتل کیے گئے، یعنی: جن لوگوں نے ایمان والوں کو ناحق آگ کے گڑھوں میں پھینکا تھا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکے، چنانچہ وہ آگ ان خندقوں سے نکل کر انہیں لوگوں پر پلٹ پڑی، جب وہ اس بھڑکتی ہوئی آگ کا مشاہدہ کرنے کے لیے اس پر، یعنی: اس آگ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، اور وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ کی جانے والی زیادتی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، کہ کس طرح ان کو پکڑ پکڑ کر آگ میں جھونکا جا رہا تھا۔

ایمان کی وجہ سے دشمنی

وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۟ۙ﴿۸﴾

اور نہیں بدلہ لیا انہوں نے سے ان مگر اسکا کہ ایمان لائے ساتھ اللہ جو زبردست خوبیوں والا ہے (۸)

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
اور وہ جسکے لیے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ اوپر ہر

شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۟ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ
چیز کے نگاہ رکھنے والا ہے(۹) تحقیق جنہوں نے مصیبت میں ڈالا ایمان والے مردوں اور عورتوں کو

ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا
پھر نہ توبہ کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ ان سے صرف اس لئے بدلہ لیتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے جو زبردست تعریفوں والا ہے۔(۸) جس کی بادشاہی آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔(۹) تحقیق جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو دین سے بچلائیں (کنفیوژ کریں) اور پھر توبہ نہ کریں۔

لفظی تحقیق: **نَقَمُوْا:** بدلہ، یعنی: انتقام لیا۔ **فَتَنُوْا:** آفت میں ڈالا۔ ماضی کا صیغہ ہے، ف۔ت۔ن سے فتن اور فتون کے معنٰی مصیبت میں پھنسانا آزمائش میں ڈالنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: وہ یہودی ان لوگوں کو جو آگ میں ڈال کر جلا رہے تھے: اس لیے نہیں کہ انہوں نے کوئی جرم کیا تھا، ایسی سزا تو باغیوں کو بھی نہیں دیجاتی، وہ تو اُنہیں صرف اس لیے زندہ جلا رہے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ: ان ظالموں نے ایمان والوں سے ایمان لانے کا بدلہ لیا، اور کوئی وجہ نہ تھی سوائے اس کے وہ عزیز اور حمید جیسی صفات کے مالک رب العزت پر ایمان لائے۔

جو یقیناً اس کا حق رکھتا ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ قوی اور زبردست ہے اور اس کے اندر ساری خوبیاں موجود ہیں، آسمان میں اور زمین میں اسی کی بادشاہت ہے، ہر چیز اس

کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی سب کا مالک اور ہر چیز کے حالات سے خوب واقف ہے اور وہ ہر بات اور ہر کام کو دیکھ رہا ہے، ایسے باخبر مالک ومختار کے ماننے والوں پر ایسا ظلم کرنا خالی نہیں جاسکتا، وہ ان ظالموں سے ضرور بدلہ لے گا، چنانچہ ان ظالموں کو اس نے اسی آگ سے تباہ وبرباد کردیا۔

مکہ کے مشرکوں کو بتلایا جارہا ہے کہ اسی طرح اب بھی وہ ظالموں کو برباد کردے گا، اچھی طرح سن لو! اگر تم لوگ ان ایمان والے مردوں اور ایمان لانے والی عورتوں کو دُکھ پہنچاؤ گے، اور اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے تو وہ تمہیں بھی تباہ وبرباد کردیگا۔

ایمان والوں کے دشمنوں کا انجام

فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝١٠ اِنَّ الَّذِيْنَ
پس انکے لیے عذاب ہے دوزخ کا اور انکے لیے عذاب ہے جلنے کا (۱۰) تحقیق وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک کام انکے لیے باغ ہیں بہتی ہیں سے نیچے ان کے

آیۃ ١٢ الْاَنْهٰرُ ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝١١ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝١٢
نہریں یہ ہے کامیابی بڑی (۱۱) تحقیق پکڑ رب آپ کے کی البتہ سخت ہے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے عذاب ہے جلنے کا۔ (۱۰) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے بھلائیاں کیں ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ ہے ان کے لیے بڑی کامیابی۔ (۱۱) بیشک آپ کے رب کی پکڑ زبردست ہے۔ (۱۲)

لفظی تحقیق: حَرِيْقِ: سوزش۔ تپش۔ یہ حاصل مصدر ہے "احتراق" سے جو ح۔ ر۔ ق۔ سے بنا ہے۔ "حرق" کے معنیٰ جلانا۔ "احتراق" جلنا۔ بَطْشَ: گرفت پکڑ۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو ایمانداروں کو محض ان کے ایمان کی وجہ سے دکھ پہنچائیں گے، اور باوجود سمجھانے کے ان کے ستانے سے باز نہ آئیں گے، وہ مرنے کے بعد دوزخ کا عذاب بھگتیں گے، عذاب میں ہر طرح کی تکلیف داخل ہے، سانپ، بچھو، طوق زنجیریں، کھولتا ہوا گرم پانی، غساق، یعنی: پیپ وغیرہ اور آگ میں جلنا وغیرہ، ایسے فسادیوں کو اپنے فساد پھیلانے کا نتیجہ دنیا میں بھی ملے گا، جیسا کہ خندق میں جلانے والوں کو ملا جن کا اوپر بیان ہوا، اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقینی اور طے شدہ بات ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دل سے اپنا معبود اور رب مان کر اسکے حکموں پر چلیں گے اور اچھے کام کریں گے، ان کو مرنے کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہاں ہرے بھرے پھلے پھولے باغوں میں محلوں کے اندر رہیں گے، جن کے درختوں اور محلوں کے نیچے نہریں ہر طرف بہتی ہوگی اور ہر طرف بہار ہی بہار نظر آئے گی، درحقیقت جن کو جنت نصیب ہوگی یقیناً وہ اپنی مراد کو پہنچ گئے اور انہوں نے سب سے بڑی کامیابی حاصل کر لی، دنیا میں جتنے سرکش لوگ اپنی دُھن میں مست ہیں اور پیغمبر کے سمجھانے پر کان نہیں دھرتے، وہ کان کھول کر سن لیں کہ! اللہ تعالیٰ کے برابر کسی میں قوت اور طاقت نہیں اس کے نافرمان اس کی سخت پکڑ سے نہیں بچ سکتے اور نہ ان کی پکڑ سے کوئی انہیں چھڑا سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ: اس آیت میں ان ظالموں کی سزا کا بیان ہے جنہوں نے مسلمانوں کو صرف انکے ایمان کی وجہ سے آگ کی خندق میں ڈال کر جلایا تھا، اور سزا میں دو باتیں ارشاد فرمائیں: ایک یہ کہ ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے، دوسری یہ کہ ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے ہی جملے کا بیان اور تاکید ہو اور معنی یہ ہوں کہ جہنم میں جا کر اس کو ہمیشہ آگ میں جلتے رہنے کا عذاب ملے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے جملے میں ان کی اسی دنیا میں سزا کا ذکر ہو، جو آگ اُنہوں نے ایمان والوں کو جلانے کے لئے لگائی تھی وہ اتنی بھڑک اُٹھی کہ خندق کی حدود سے نکل کر شہر میں پھیل گئی۔

"فتح الرحمن" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے ظلم کے بدلے میں جب اللہ تعالیٰ کا غضب آیا تو خندقوں کی وہی آگ جس میں ہزاروں ایمان والے ہلاک ہو گئے تھے، اس قدر پھیلی کہ بادشاہ اور اس کے سرداروں کے تمام گھر جلا کر راکھ کر دیئے، بے شمار لوگ مارے گئے، اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے، اس آگ نے جلا دیا، صرف بادشاہ یوسف ذونواس بھاگ نکلا اور آگ سے بچنے کیلئے دریا میں چھلانگ لگا دی، اور اس میں ڈوب کر مر گیا۔

ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا: یہ عذاب ان لوگوں پر آیا جنہوں نے اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہو کر توبہ نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ⑬ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ⑭ ذُو
تحقیق وہ وہی ابتداء کرتا ہے اور وہی لوٹاتا ہے (۱۳) اور وہ ہے بخشنے والا محبت والا (۱۴) والا

الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ⑮ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ⑯ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ
عرش شان والا (۱۵) کر گزرنے والا جو چاہے (۱۶) کیا آئی آپ تک بات

الْجُنُوْدِ ⑰ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ⑱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ⑲
لشکروں کی (۱۷) فرعون اور ثمود کی (۱۸) بلکہ وہ جنہوں نے کفر کیا میں جھٹلانے (۱۹)

وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ⑳
اور اللہ سے پیچھے ان کے گھیرے ہوئے ہے (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ: بے شک وہی پہلے بناتا ہے اور وہی دوبارہ بنائے گا، (یعنی: پہلے بھی اسی نے پیدا کیا اور مرنے کے بعد دوبارہ بھی وہی زندہ کرے گا)۔ (۱۳) اور وہی ہے (ایمان والوں کو) بخشنے والا محبت کرنے والا۔ (۱۴) عرش کا مالک بڑی شان والا۔ (۱۵) جو چاہے کر ڈالنے والا۔ (۱۶) کیا آپ کو فرعون اور ثمود کے لشکروں کی بات پہنچی؟ (۱۷، ۱۸) بلکہ کافر لوگ جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ (۱۹) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان

کے پیچھے سے گھیر رکھا ہے۔(۲۰)

تفسیر

ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ اچھی طرح سمجھ لو کہ !اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے، سب کچھ پہلی بار بھی اسی نے بنایا اور دوبارہ بھی وہی بنائے گا، وہ دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور آخرت میں بھی دے گا، پھر یہ بھی جان لو کہ وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے، وہی سب سے بڑے تخت و سلطنت کا مالک ہے، ہر چیز اسی کے قبضے اور اختیار میں ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں؛ اس لئے اس کی بخشش کی اُمید بھی رکھو اور اس سے ڈرتے بھی رہو، وہ بڑے بڑے سرکشوں کو ذرا سی دیر میں تباہ کر ڈالتا ہے، فرعون اور ثمود کا حال آپ نے سنا، وہ کتنے سرکش تھے، مگر اس کے سامنے کسی کی کچھ نہ چلی، کافر لوگ بڑی غلطی میں پھنسے ہوئے ہیں، وہ ہر وقت قرآن کی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلانے ہی میں لگے رہتے ہیں، لیکن وہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے گھیرے میں ہیں، اور اس کی سزا سے کہیں نہیں بچ سکتے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ: کیا آپ کے پاس فرعون اور ثمود کے لشکروں کی بات نہیں آئی؟ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کیا تو اس کے ساتھ بارہ لاکھ کا لشکر تھا، ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح ذلت کی موت مریں گے، فرعون کے علاوہ ثمود کی قوم میں بڑے بڑے انجینئر اور کاریگر تھے، تبوک سے لیکر وادیٔ قریٰ تک ان کے بڑے بڑے شہر آباد تھے، ان شہروں میں پتھروں کی بڑی بڑی عمارتیں بنائی گئی تھیں ، ان کے کھنڈرات آج بھی لوگ تبوک جا کر دیکھتے ہیں، ہزاروں سال کے بعد بھی اُن عمارتوں کے نقش و نگار دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے، اتنی عالیشان عمارتیں تھیں، زندگی کی تمام سہولتیں ان کو حاصل تھیں، مگر ان کا کیا حشر ہوا؟ جب زلزلہ آیا تو وہ اوندھے منہ گھٹنوں کے بل اوندھے منہ گر کر ہلاک ہوئے۔

مکہ کے کافروں کا حال بھی فرعون اور ثمود کی طرح ہوگا، یہ مکہ کے کافر بھی انہیں لوگوں میں شامل ہے، ان

کے متعلق فرمایا کہ: یہ لوگ جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو، اور قیامت کے آنے کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، مگر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ پیچھے سے گھیرنے والا ہے، ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے، یہ بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی حکمت کے ساتھ مہلت دے رکھی ہے۔

جھٹلانا بےکار ہے

ع ۱ (۱۲) ۱۰

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

بلکہ وہ قرآن ہے بزرگی والا (۲۱) میں لوحِ محفوظ (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔بلکہ وہ قرآن بڑی شان والا ہے۔(۲۱) لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا۔(۲۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ قرآن وہ کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے ان کے جھٹلانے سے قرآن کریم کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا، اس کی شان بہت بڑی ہے، اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، یہ تو لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جہاں سے کسی کی مجال نہیں جو اِسے مٹا سکے، اس پر جو لکھا گیا ہے وہ نہ کبھی مٹ سکتا ہے اور نہ کوئی اُسے مٹا سکتا ہے۔

اس سورت میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو سچے دل سے مان چکے، ان کے مخالف کبھی نہیں بچ سکتے، مخالف لوگ اس وجہ سے بے فکر ہو کر نہ بیٹھ جائیں کہ انہیں آزادی حاصل ہے، اور ان کے پاس قوت اور طاقت سب کچھ ہے، وہ جو چاہے کریں، کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، یہ صرف ان کا غلط خیال ہے، ان کو مہلت دی جارہی ہے کہ شاید سب نہیں تو کچھ ہی سنبھل جائیں، ورنہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا تو پھر وہ چھوٹ نہیں سکتے۔

سورۃ الطّارق کا خلاصہ

اس سورت میں انسان کو بتایا گیا ہے کہ دنیا میں وہ جو کچھ کرتا ہے، وہ لکھ لیا جاتا ہے، اور جب وقت آئے گا اور قیامت قائم ہوگی تو اس کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش کر دیا جائے گا، اگر قیامت میں شبہ ہو اور سمجھ میں نہ آئے کہ مرنے بعد انسان پھر کیسے پیدا ہوگا تو انسان کو اپنی پہلی پیدائش پر غور کرنا چاہئے کہ جس نے پہلی بار انسان کو نطفہ سے پیدا کر دیا، یقیناً اسی طرح وہ دوبارہ بھی اسے زندہ کرسکتا ہے، قیامت کے دن انسان کی ساری چیزیں جنہیں وہ چھپا کر رکھتا تھا، اور تمام باتیں جنہیں وہ چھپ کر کرتا تھا، بالکل ظاہر ہو جائیں گی اور مجرموں کو سزا سے بچانے کے لیے ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ملے گا۔ ارشاد ہے کہ: یہ قیامت کے آنے کی خبر جو قرآن میں دی گئی ہے، یہ کوئی جھوٹ موٹ کی بناوٹی بات نہیں ہے، بالکل قطعی اور فیصلہ شدہ بات ہے، اب ان کافروں سے جو تمہیں ستا رہے ہیں کہہ دو کہ تمہاری کچھ نہ چلے گی، تمہاری ساری تدبیریں بے کار ہو جائیں گی، اسلام کا بول بالا ہو کر رہے گا، اس وقت ان کافروں کو مہلت دو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

آیاتها — ۱۷ | سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها — ۱

سورۃ الطارق مکی ہے اس میں سترہ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

ہر شخص کی دیکھ بھال ہو رہی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۝۱ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجْمُ

قسم آسمان کی اور رات کو آنے والے کی (۱) اور کس نے بتایا آپ کو کیا ہے رات کو آنے والا (۲) تارا

الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ
چمکدار (۳) نہیں کوئی شخص مگر اوپر اسکے ایک نگہبان مقرر ہے (۴) بس چاہیے کہ دیکھے

الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ
انسان کس چیز سے پیدا کیا گیا (۵) پیدا کیا گیا سے ایک پانی اُچھلتے ہوئے (۶) جو نکلتا ہے

مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ﴿۷﴾
سے درمیان پیٹھ اور سینے کے (۷)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے! آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی۔(۱) اور آپ کیا سمجھے کہ اندھیرے میں آنے والا تارا کیا ہے۔(۲) وہ تارا ہے چمکتا ہوا۔(۳) کوئی جی نہیں جس پر ایک نگہبان نہیں۔(۴) اب انسان دیکھ لے کہ کس چیز سے بنا ہے۔(۵) بنا ہے ایک اُچھلتے ہوئے پانی سے۔(۶) جو نکلتا ہے پیٹھ اور چھاتی کے بیچ سے۔(۷)

لفظی تحقیق: طَارِقِ: اندھیرے میں آنے والا۔ دَافِقٍ: کودنے والا۔ اسم فاعل ہے، د۔ف۔ق "دفق" کے معنی ہیں کودنا۔ اچھلنا۔ تَرَآئِبِ: سینہ۔ "تَرِيْبَة" کی جمع ہے سینہ کے اوپر کے حصہ کو کہتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: آسمان کی طرف نظر کرو اور رات کے وقت چمکدار تاروں کے اپنے اپنے وقت پر نکلنے کو دیکھو تم کو ایک عجیب نظام نظر آئے گا، جس میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا، جیسے: اس آسمانی نظام کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح ہر ایک انسان کے ساتھ کچھ فرشتے رہتے ہیں جو اسے بلاؤں سے بچاتے ہیں اور اس کے عمل لکھتے ہیں، انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور دنیا میں اس کی حفاظت کا انتظام کیا، پھر مرنے کے بعد اسے وہ دوبارہ پیدا کرے گا، اور ہر ایک کے عمل کے مطابق اسے بدلہ دے گا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اندازہ اپنی پہلی پیدائش پر

غور کرنے سے معلوم کرسکتے ہو، انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے اور وہ انسان کے اندر اسی غذا سے پیدا ہوتا ہے، جو وہ کھاتا ہے، پھر مرد اور عورت کے ملنے سے کود کر مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے اور عورت کے رحم میں پرورش پاکر انسان بن جاتا ہے، یہ قاعدہ اللہ تعالیٰ نے عام انسان کے پہلی مرتبہ پیدا ہونے کا مقرر کیا، اسی طرح مرنے کے بعد دوسری بار پیدا ہونے کا قاعدہ بھی وہ مقرر کرسکتا ہے، اس میں شک شبہ کی کوئی بات نہیں، مرکر دوبارہ پیدا ہونے کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں، جنہوں نے اپنی پیدائش پر غور نہیں کیا، غور کرنے والے اس میں شبہ نہیں کرتے۔

رات کو آنے والے ستارے سے کونسا ستارہ مراد ہے، اس میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ستارے سے مراد زحل یا کوئی اور ستارہ ہے، جو رات کو نظر آتا ہے، رات کے وقت اس کی روشنی بھی ہوتی ہے، مگر طلوعِ آفتاب کے ساتھ ستارے کی روشنی ختم ہوجاتی ہے، ہاں! یہ بات قابل غور ہے کہ ستاروں کی روشنی ختم نہیں ہوتی وہ تو اپنی جگہ قائم رہتی ہے، مگر سورج کی تیز روشنی کے سامنے وہ نظر نہیں آتی، کسی بھی ستارہ کی روشنی ختم نہیں ہوتی بلکہ محفوظ رہتی ہے اور جب رات کا اندھیرا چھاجاتا ہے، تو پھر نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح سب عمل اس وقت بھی اعمال نامہ میں محفوظ ہیں، مگر ان کو ظاہر قیامت کے دن کیا جائے گا۔

انسان قیامت کا انکار کیسے کرسکتا ہے، جبکہ اس کی اپنی پیدائش اس بات پر دلیل ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، انسان کو غور کرنا چاہئے کہ اسکی پیدائش کس چیز سے ہوئی ہے، پھر خود ہی فرمایا انسان کو اُچھلتی ہوئی منی سے پیدا کیا گیا ہے، جو مرد کی پشت اور عورت کے سینے کے درمیان سے نکلتی ہے۔

نگراں فرشتہ جو اس کے سارے عملوں کی نگرانی کرتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے انجام پر غور کرے کہ دنیا میں وہ جو کچھ کررہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہے اور یہ محفوظ رکھنا حساب کے لئے ہے، جو قیامت میں ہوگا، اس لیے کسی وقت آخرت اور قیامت کی فکر سے غافل نہ ہو، اس کے بعد اس شبہ کا جواب ہے جو شیطان لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ مرکر مٹی اور ذرہ ہوجانے کے بعد پھر سب اجزاء کا جمع ہونا اور اسمیں زندگی

پیدا ہونا ایک بیکار خیال ہے، جواب میں انسان کی ابتدائی پیدائش پر غور کرنے کی ہدایت ہے کہ وہ کس طرح مختلف ذرّات اور مختلف مواد سے ہوتی ہے، جیسے پہلی دفعہ انسان کو پیدا کیا، اس کو اس پر بھی قدرت ہے کہ پھر اس کو دوبارہ زندہ کردے۔

اس کے بعد کچھ حال قیامت کا بیان فرما کر دوسری قسم زمین اور آسمان کی کھا کر غافل انسان کو یہ بتلایا گیا کہ جو کچھ اس کو آخرت کی فکر کی تلقین کی گئی ہے اس کو مذاق و دل لگی نہ سمجھے، یہ ایک حقیقت ہے جو سامنے آ کر رہے گی، آخر میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ کفر و شرک اور گناہ اگر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تو پھر دنیا ہی میں ان پر عذاب کیوں نہیں آجاتا، اس شبہ کا جواب دے کر اس پر سورت ختم کی گئی ہے۔

جو کہہ دیا گیا وہ اٹل ہے

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌؕ۝۸ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُۙ۝۹ فَمَا لَهٗ

تحقیق وہ پر دوبارہ لوٹانے اسکے البتہ قادر ہے (۸) جس دن جانچے جائینگے بھید (۹) پس نہیں واسطے اس کے

مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍؕ۝۱۰ وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِۙ۝۱۱ وَ الْاَرْضِ

کوئی قوت اور نہ مددگار (۱۰) قسم آسمان چکر کاٹنے والے کی (۱۱) اور زمین

ذَاتِ الصَّدْعِۙ۝۱۲ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌۙ۝۱۳ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِؕ۝۱۴

پھٹ جانے والے کی (۱۲) تحقیق وہ البتہ بات ہے فیصلے کی (۱۳) اور نہیں وہ ہنسی کھیل (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک وہ اس کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔ (۸) جس دن بھید جانچے جائیں گے۔ (۹) تو اس وقت انسان میں نہ کچھ زور ہوگا اور نہ اس کا کوئی مددگار۔ (۱۰) قسم ہے! بارش کے ساتھ بار بار چکر لگانے والے آسمان کی۔ (۱۱) اور زمین پھٹ جانے والی کی جو بیج نکلنے کے وقت پھٹ جاتی ہے۔ (۱۲) بے شک یہ دوٹوک بات ہے۔ (۱۳) یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں۔ (۱۴)

لفظی تحقیق: سَرَآئِرُ: بھید۔ سَرِيْرَةٌ کی جمع ہے، (اندر چھپی ہوئی چیز) ذَاتِ الرَّجْعِ: بار بار لوٹنے والا۔ جس کے چکر کاٹنے سے موسم کی تبدیلی ہوتی ہے، بارش آتی ہے۔ ذَاتِ الصَّدْعِ: پھٹ جانے والی۔ جس کے پھٹنے سے غلہ اُگتا ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس نے پہلے پیدا کر دیا وہ یقیناً دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے، کیونکہ کسی چیز کو پہلی مرتبہ بنانا زیادہ مشکل ہے، جب ایک دفعہ بن گئی تو دوبارہ بنانا تو آسان ہے، بہرحال قیامت آنی ہے اور انسان دوبارہ پیدا ہو کر اپنے عمل کا حساب دینے اپنے رب کے سامنے ضرور حاضر ہوگا، سارے بھید ظاہر ہو جائیں گے، کوئی بات چھپی نہ رہے گی انسان بالکل بے بس ہوگا، جس کا جرم ثابت ہو جائے گا، اس کے لئے سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، اس میں نہ اپنا کچھ زور ہوگا اور نہ کوئی اس کا حمایتی اور مددگار، یہ باتیں جو انسان کو بتائی جا رہی ہیں، دنیا کے حالات کی تبدیلی پر غور کرنے سے اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بالکل سچ ہیں، جیسے آسمان کے حالات بدلنے سے بارش ہوتی ہے، اور زمین پھٹ کر اس میں سے غلہ، گھاس وغیرہ پھوٹ نکلتے ہیں، اسی طرح ایک دن حالات ایسے بدلیں گے کہ ہر چیز فنا کر کے دوبارہ پیدا کی جائے گی، یہ بات یقینی اور فیصلہ شدہ ہے کوئی ہنسی دل لگی کی بات نہیں ہے جو یونہی منہ سے نکل گئی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: راز کھول دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تبدیل نہیں ہو سکیں گے، پھر بعض راز انسان کے لیے زینت کا باعث بنیں گے، اسے خوشی ہوگی، اور بعض راز ایسے ہوں گے کہ ان کا اظہار انسان کے لیے شرم کا باعث ہوگا، بڑی رُسوائی ہوگی، مگر انسان خواہش کے باوجود انہیں تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہوگا، دنیا میں بعض اوقات چیزیں اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر دی جاتی ہیں، تحریریں اور تقریریں تبدیل کر لی جاتی ہیں، مگر وہاں پر کسی بات کو تبدیل کرنا انسان کے بس میں نہیں ہوگا، نہ انسان خود ایسی کسی طاقت کا

مالک ہوگا، اور نہ ہی اس سلسلے میں اس کا کوئی مددگار ہوگا جو اس کو چھڑا سکے، یا کسی راز کو تبدیل کر سکے، جو کچھ انسان اس دنیا میں عمل کر رہا ہے، اس کا ذرّہ ذرّہ محفوظ ہے، اور انسان کو اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

کافروں کی کچھ نہ چلے گی

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ

تحقیق وہ تدبیر کر رہے ہیں ایک تدبیر (۱۵) اور میں تدبیر کر رہا ہوں ایک تدبیر (۱۶) پس مہلت دیں کافروں کو

اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

مہلت دے انہیں تھوڑے دن (۱۷)

ع ۱۱

بامحاورہ ترجمہ: ۔ البتہ وہ ایک داؤ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ (۱۵) اور میں بھی انکی ناکامی اور سزا کیلئے ایک داؤ کرنے میں لگا ہوا ہوں۔ (۱۶) سو کافروں کو کچھ دن ڈھیل دے۔ (۱۷)

لفظی تحقیق: رُوَيْدًا: ٹھہر ٹھہر کر۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ قیامت کے منکر لوگ عملوں کے نتیجوں سے غافل ہو کر اسلام کی مخالفت میں جوڑ توڑ کر رہے ہیں اور اس کو ناکام بنانے کیلئے کوشش میں لگے ہوئے ہیں، بہر حال! یہ یاد رکھیں کہ میں بھی اپنی تدبیر کر رہا ہوں اور وہ خفیہ اپنا کام کر رہی ہے، ظاہر ہے کہ میری تدبیر کے آگے ان کی تدبیریں نہ چلیں گے اور انہیں سزا مل کر رہے گی؛ اس لئے ان کو تھوڑے دن اور مہلت دو، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ اس سورت میں اسلام کے مخالفوں کو بتایا گیا ہے کہ انسان ضرور دوبارہ پیدا ہوگا، اور اپنے عملوں کا بدلہ پائے گا۔

آپ کافروں کو ذرا ڈھیل دے دیں، انکی باتوں کی پرواہ نہ کریں، بلکہ ٹھیک طرح سے بات سمجھا دیں، انہیں تھوڑی سی مہلت دے دیں، تھوڑا وقت گذرنے دیں، انہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ تدبیر کس کی کامیاب

ہوئی؟ اور یہ کہ قرآن کا بتایا ہوا ہر کام سچا ہے، درست ہے اور عملوں کا بدلہ یقینی ہے۔
تو آپ ان کافروں (کی مخالفت سے گھبرائیں نہیں اور ان پر جلدی عذاب آنے کی خواہش نہ کیجئے، بلکہ ان) کو یوں ہی رہنے دیجئے، اور زیادہ دن نہیں بلکہ ان کو تھوڑے ہی دن رہنے دیجئے۔

سورۃ الاعلیٰ کا خلاصہ

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پیدا کی اور اس کی قابلیتوں کا اندازہ کیا، پھر جہاں تک اسے پہنچنا تھا، وہاں تک پہنچنے کی اسے راہ بتائی، جانداروں کے لئے چارہ اور غلہ پیدا کیا، پھر اسے خشک کر کے ذخیرہ کرنے کا راستہ کھولا، انسان کی ہدایت کے لئے قرآن مجید کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ یہ قرآن کریم ہم آہستہ آہستہ سارے کا سارا آپ کو پڑھا دیں گے اور آپ اس میں سے کوئی حصہ بھولنے نہ پائینگے، لیکن ہاں جو اللہ تعالیٰ بھلانا چاہے، وہ آپ بھول جائیں گے، کیونکہ اس کی آئندہ ضرورت ہی نہ پڑے گی، اللہ تعالیٰ تمام پچھلی اور کھلی مصلحتوں اور بھیدوں کو جانتے ہیں، وہ آپ کو ساری کام کی باتیں سہولت کے ساتھ کرنے کا طریقہ بتادیں گے، اب آپ وعظ و نصیحت ان لوگوں کو کرو، جن سے یہ امید ہے کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے، ہاں تبلیغ عام کرو، جس کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کا ڈر ہوگا، وہ آپ کا پیغام مانے گا، اور بد بخت اس سے دور رہے گا، جو نہ مانے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا، جہاں وہ نہ جئے گا اور نہ مرے گا، بلکہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا، انسان کو یہ پیغام پہنچادو کہ جس نے ستھرا اور پاکیزہ بن کر اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور نماز پڑھی، اس نے کامیابی حاصل کی، لیکن لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ دنیا ہی کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ آخرت کی زندگی بہتر اور پائدار ہے، یہی پیغام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں موجود ہے، اور سارے ہی پیغمبر اس کی تبلیغ کرتے چلے آئے ہیں۔

آیاتھا — ۱۹ سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ۱

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اس میں انیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَ الَّذِيْ

تسبیح کریں نام رب اپنے کے جو سب سے بلند ہے (۱) جس نے پیدا کیا پھر ہر جوڑ کو ٹھیک ٹھیک بٹھادیا (۲) اور جس نے

قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝٥

اندازہ ٹھہرایا پھر راہ دکھائی (۳) اور جس نے نکالا زمین سے چارہ (۴) پھر کر دیا اسے کوڑا سیاہ (۵)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر ہے۔ (۱) جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا۔ (۲) اور جس نے اندازہ ٹھہرایا پھر راہ بتائی۔ (۳) اور جس نے چارا نکالا۔ (۴) پھر کر ڈالا اس کو کوڑا سیاہ۔ (۵)

لفظی تحقیق: سَوّٰی: درست اور ٹھیک کیا۔ ماضی کا صیغہ ہے، تَسْوِيَة سے۔ قَدَّرَ: اندازہ لگایا۔ ماضی کا صیغہ ہے قدیر سے۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کی صلاحیت کا اندازہ کر کے اس کی مقدار مقرر کی۔ غُثَآءً: کوڑا کرکٹ۔ وہ خشک گھاس جسے پہانی بہالے جائے اور کونے میں اکٹھا کر دے۔ اَحْوٰی: سیاہی مائل سبز یا سرخ۔ حوی: سانولا رنگ۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذریعہ آپ کے ماننے والوں کو ارشاد ہے کہ: زبان سے کہو اور دل سے مانو کہ

اللہ تعالیٰ جو سب سے اوپر اور بلند ہے، ہر عیب اور کمی سے پاک ہے اور اس کا نام بڑا پاکیزہ ہے، وہی ہے جس نے سب کچھ بنایا اور ہر ایک مخلوق کے جوڑوں کو ٹھیک ٹھیک اپنی اپنی جگہ پر بٹھایا۔

پھر ہر ایک انسان کی حد اس کی صلاحیت کے اندازہ سے مقرر کی، اور ہر ایک کو اس کے کمال تک پہنچنے کا راستہ سمجھایا، ظاہر ہے کہ ہر ایک کے کمال کی حد اسکی قابلیت کے مطابق ہوگی، پھر یہ بھی اسی کا کام ہے کہ جانوروں کے لئے چارہ زمین سے اُگایا، پھر اس کو سکھا کر سیاہی مائل اور ہلکا پھلکا کر دیا، جیسے پانی کی رَو بہا کر اِدھر اُدھر لیجاتی ہے اور وہ اس کے اوپر جمع ہو جاتا ہے، اب چونکہ انسان کی قابلیت چاہتی تھی کہ اس کے لئے زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ واضح کیا جائے، اس لئے ہم نے اے ہمارے پیغمبر! آپ پر قرآن مجید اُتارا، اب ہم اسے آہستہ آہستہ آپ کو پڑھائیں گے اور اس کا ایک ایک حرف اور لفظ ہمیشہ کے لئے یاد ہو جائے گا، اور آپ اس میں سے کوئی چیز بھولنے نہ پائیں گے، مگر وہ بات جس کے یاد رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی، ہم اسے اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق بھلوا دیں گے۔

"مسند احمد" کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس سورتِ مبارکہ کو بہت محبوب جانتے تھے، صحیح روایتوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت اور اس کے بعد والی "سورۃ الغاشیۃ" جمعہ اور عیدین کی نماز میں بکثرت تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما، باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں، حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے، آپ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا، ان کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن اِمِ مکتوم رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے، حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جس دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، اُس دن اتنی خوشی ہوئی کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی، نیز: یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے میں نے "سورۃ الاعلیٰ" اور ایسی ہی

کئی سورتیں سیکھ لی تھیں، ان میں سے بعض سورتیں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے اور بعض حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے سیکھی تھیں۔

بہت سے بزرگ یہ سورت تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے اور ان کا فیض اور برکتیں حاصل کرتے تھے، بہرحال! یہ بڑی فضیلت والی اور بابرکت سورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اس کے تمام اعضاء اور جوڑوں کو برابر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اس طور پر پیدا کیا کہ اس سے بہتر ممکن نہیں تھا، نہ صرف انسان بلکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے، انسان کی بہترین شکل وصورت، درخت کے پتے، پھل اور پھول، ہر چیز اس کی قدرت اور کاریگری کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے اس کیلئے اندازہ ٹھہرایا، اس کے لئے تمام چیزیں مقرر کردیں، کیونکہ ہر چیز اس کے علم میں موجود ہے، اور پھر پیدا کرنے کے بعد انہیں یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ انسان کا جدھر دل چاہے، چلا جائے، بلکہ اُسے ہدایت بھی دی، اس کی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کی اور بتادیا کہ اس تک پہنچنے کا یہ صحیح راستہ ہے، اس پر چلوگے تو کمال کے درجہ تک پہنچ جاؤگے۔ اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کروگے تو گمراہی کے گڑھے میں جا گروگے۔

وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى: خدا کی ذات وہ ہے جس نے زمین سے چارا نکالا، جہاں پر جانور نظر آئیں، سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے چرنے کی جگہیں بھی بنائی ہیں، جانور خود تو اپنے لئے چارہ پیدا نہیں کرسکتے، یہ تو وہی مالک الملک ہے جس نے ہر جاندار کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے، جانوروں کی خوراک کے لئے چارا بھی زمین سے پیدا فرمادیا ہے اور یہ چارا اسی وقت کارآمد ہے جب تک سرسبز ہے، مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ خشک ہوجاتا ہے؛ اسی لئے فرمایا کہ: جب پیدا کیا تو یہ چارا سرسبز وشاداب تھا، پھر کچھ وقت کے بعد اُسے خشک بنادیا، پھر وہ سیاہی مائل ہوکر کوڑا کرکٹ بن گیا، پہلے تازہ تھا اور کارآمد تھا، اب مرجھا گیا اور کوڑے کا ڈھیر بن گیا۔

وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نباتات سے متعلق کچھ اپنی قدرت وحکمت کا بیان

فرمایا ہے کہ: زمین سے سرسبز گھاس نکالی، پھر اس کو خشک کر کے سیاہ رنگ کر دیا، وہ سرسبزی جاتی رہی، اس میں انسان کو اس کے انجام کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ جسم کی شادابی خوبصورتی اور چستی و چالا کی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، مگر انجام کار پھر اس سب کو ختم ہونا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں "سورۃ بقرہ" کی تلاوت کی تو ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ: اے معاذ! تم فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہو، "بقرہ" جیسی لمبی سورتوں کی بجائے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" اور اس جیسی دوسری سورتیں کیوں نہیں پڑھ لیتے، یہ کاروباری لوگ ہیں، کسان، کاشتکار، زمیندار ہیں، دن کے کام کاج سے تھکے ماندے آتے ہیں، انہیں لمبی سورتوں کے ذریعے مشقت میں نہ ڈالو۔

احکام و مسائل

مسئلہ:.... علماء نے فرمایا ہے کہ: تلاوت کرنے والا جب "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" کی تلاوت کرے تو چاہئے کہ یہ کہے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی" صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر، ابوموسیٰ اور عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی معمول تھا کہ جب یہ سورت شروع کرتے تو "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی" کہا کرتے تھے، یعنی: نماز کے سوا جب تلاوت کریں تو ایسا کہنا چاہئے۔

قرآن جوں کا توں باقی رہے گا

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ

ابھی ہم پڑھائینگے آپکو پس نہ بھولینگے آپ (۶) مگر جو چاہے اللہ تحقیق وہ جانتا ہے ظاہر کو

وَ مَا يَخْفٰى ؕ﴿۷﴾ وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚۖ﴿۸﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ

اور جو چھپا ہوا ہے (۷) اور بآسانی پہنچائینگے ہم آپکو طرف آسانی کی (۸) پس سمجھا دے اگر نفع دے

الذِّكْرٰی ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰی ﴿١٠﴾ وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾
سمجھانا (۹) عنقریب سمجھ لے گا وہ جو ڈرے گا (۱۰) اور دور رہے گا اس سے بڑا بدبخت (۱۱)

الَّذِیْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰی ﴿١٢﴾
جو داخل ہوگا آگ میں سب سے بڑی (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے۔(۶) مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے، وہ جانتا ہے کھلے اور چھپے کو۔(۷) آہستہ آہستہ پہنچائیں گے ہم آپ کو آسانی تک۔(۸) آپ سمجھا دیں اگر فائدہ کرے سمجھانا۔(۹) جس کو ڈر ہوگا آپ کی بات سمجھ جائے گا۔(۱۰) اور دور رہے گا اس سے بڑا بدقسمت۔(۱۱) وہ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا۔(۱۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ قرآن آپ کو ہم اس طرح پڑھائیں گے کہ یہ آپ کے دل میں بیٹھ جائے گا اور آپ اس میں سے کچھ بھولنے نہیں پائیں گے، سوا اس کے جسے ہم بھلانا چاہیں، سنو! اللہ تعالیٰ جس نے یہ قرآن اُتارا ہے، تمام کھلی ہوئی باتوں اور چھپے ہوئے بھیدوں کو جانتا ہے اور اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان کے لئے نفع پہنچانے والی بات کیا ہے؟ اور اسے نقصان پہنچانے والی بات کون سی ہے؟ چنانچہ ہم اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے آپ کے لئے آسانیاں پیدا کردیں گے اور آپ کے ذریعے سے انسانوں کے لئے ایک مکمل اور آسان طریقہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کا مقرر کردینگے، اب آپ ایسا کرو کہ جو لوگ آپ کی باتیں سننے کے لئے تیار ہوں، اور قرآن کی ہدایت سے پورا نفع اُٹھانا چاہتے ہوں، انہیں اس کی باتیں اچھی طرح سمجھا دیں اور ان پر عمل کرنا سکھا دیں، تاکہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بنیں اور لوگ ان کو دیکھ دیکھ کر قرآن کے مطابق چلنا سیکھیں، آپ کے وعظ و نصیحت سے وہ شخص فائدہ اُٹھائے گا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا، لیکن جس بدبخت کی قسمت میں ہدایت ہے ہی نہیں، وہ آپ کی نصیحت کی باتوں سے بھاگے گا اور ان سے چھپتا پھرے گا، یہی وہ شخص ہے جو مرنے کے بعد اپنے

کرتوتوں کی وجہ سے جہنم کی زبردست آگ میں گرے گا اور ہمیشہ اس میں جلتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو نازل فرما کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اس کتاب کو پڑھنے میں آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں، بلکہ ہم خود آپ کو اس طور پر پڑھا دیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں، آپ کو قرآن مجید کی ایسی تعلیم دیں گے، جو طبعی تقاضوں کو پورا کرے گا، اس کی ہر چیز آپ کو ذہن نشین کرا دیں گے، ایک دفعہ یاد کرا دینے کے بعد بھولنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا، سوائے اس چیز کے کہ اللہ تعالیٰ خود اسے بھلا دینا چاہے، اللہ تعالیٰ ایک حکم صادر کرتا ہے تو وہ اس کو واپس بھی لے سکتا ہے، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ کوئی حکم باقی نہ رہے تو وہ خود بخود بھلا دے گا، مگر اس کا قانون ہے کہ جب ہم کسی چیز کو منسوخ کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر چیز لے آتے ہیں، لہٰذا اس قانون کے تحت اگر خود اللہ تعالیٰ کسی چیز کی منسوخی چاہیں گے تو اُسے بھلا دیں گے، ورنہ قرآن پاک کی ہر ہر آیت کا پڑھانا اور یاد رکھوانا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ کھلی اور چھپی سب چیزوں کو جانتا ہے، یعنی جو کام انسان کھلے طور پر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے اور جو کام پوشیدہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے، وہ تو انسان کے دل کی نیت کو بھی جانتا ہے، ہر شخص کی استعداد اور صلاحیت تک کو جانتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ہم آسان کر دیں گے آپ کے لئے آسانی والی بات۔ یعنی آپ کے کام کو آہستہ آہستہ منزلِ مقصود (جنت) تک پہنچنے کے لئے آسان بنا دیں گے، پیغمبر کا کام تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانا ہے، جو لوگ اچھی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں، وہ پیغمبر کی دعوت کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ: آپ تبلیغ کرتے رہیں اور اس بات کی فکر نہ کریں کہ کوئی نصیحت پکڑتا ہے یا نہیں، "فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى" لفظی معنی ہیں: آپ نصیحت کریں، اگر نصیحت فائدہ کرے۔ عربی زبان والے جانتے ہیں کہ اس جملہ سے مراد یہ ہے "نفع دے یا نہ دے، آپ اپنا کام کرتے رہیں" تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہیں، آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ کے مخاطب نے تبلیغ کا فائدہ کیوں نہیں اُٹھایا؟ بلکہ آپ

سے صرف یہ سوال ہوگا کہ آپ نے نصیحت کی یا نہیں؟

اور اس نصیحت سے وہ الگ رہے گا جو بد بخت ہے، کیونکہ اس نے وقت پر خطرے کا احساس ہی نہیں کیا، اور اس سے بچاؤ کی تیاری نہیں کی، وہ دنیا کی لذّتوں میں لگا رہا اور نصیحت کی بات کو مذاق سمجھتا رہا، ایسا شخص کامیاب نہیں ہوگا۔

کامیابی کا راستہ

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ﴿۱۳﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾

پھر　نہ　مرے گا　میں اس　اور　نہ　جئے گا (۱۳)　تحقیق　کامیابی پائی　اسنے جو　پاک صاف ہوا (۱۴)

وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾

اور　یاد کیا　نام　رب اپنے کا　پھر نماز پڑھی (۱۵)　بلکہ　تم اختیار کرتے ہو　زندگی　دنیا کی (۱۶)

وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾

حالانکہ　آخرت　بہتر ہے　اور　باقی رہنے والی (۱۷)　یہی　ہے　البتہ میں　صحیفوں　پہلے (۱۸)

ع ۹ ۱۲ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾

صحیفے　ابراہیم　اور　موسیٰ کے (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اس دوزخ میں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔ (۱۳) بے شک کامیاب ہوا وہ شخص جس نے کفر و شرک سے پاکی حاصل کی۔ (۱۴) اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی۔ (۱۵) بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ (۱۶) حالانکہ آخرت کا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔ (۱۷) یہی لکھا ہوا ہے پہلے صحیفوں میں۔ (۱۸) حضرت ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ (۱۹)

تفسیر

ارشاد ہورہا ہے کہ: جو قرآن حکیم کے حکموں کو نہ مانے گا وہ سب سے بڑا بد بخت ہے، اس کا انجام یہ ہوگا کہ مرنے کے بعد وہ بڑی تیز دہکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا، پھر اس میں اس کو بہت بڑی سزا ملے گی، مصیبتوں اور دکھوں سے بھری ہوئی کوئی زندگی نہیں؛ اس لئے اس کا شمار زندہ لوگوں میں نہ ہوگا، لیکن ادھر اس کو موت بھی نہ آئے گی، تا کہ مر کر ہی مصیبتوں سے چھوٹ جائے؛ اس لئے اس کا شمار مُردوں میں بھی نہ ہوگا، غرض! دوزخ والے دوزخ میں نہ مریں گے، نہ جئیں گے، جب تک اس میں رہیں گے عذاب میں رہیں گے۔

پھر ارشاد ہے کہ: کامیاب یقیناً وہ شخص ہے جو ناپاکیوں سے الگ رہے اور بری عادتوں سے بھی بچا رہے، نماز سے پہلے غسل ضروری ہو تو غسل کرے، ورنہ وضو ہی کر کے پاک صاف ہو، اس کے بعد کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہے اور نماز پڑھے، جو آدمی پاکیزگی اور ستھرائی کا طریقہ اختیار کرے گا اور نماز پڑھتا رہے گا، وہ یقیناً آخرت میں کامیاب ہوگا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ لوگ آخرت کا خیال نہیں کرتے اور اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، لیکن جو آخرت چھوڑ کر اِسی کو اختیار کرتے ہیں وہ کیسے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، آخر میں ارشاد ہے کہ: یہی وہ پیغام ہے جو ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں درج تھا، اور یہی پیغام قرآن مجید میں موجود ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى: کا مطلب یہ ہے کہ کامیابی پا گیا وہ شخص جس نے اپنے باطن کو کفر، شرک، نفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک کر لیا، یہ طہارت کی منزل ہے، جس شخص کے دل میں کوئی بھی گندہ عقیدہ کسی کونے میں موجود ہو، اسے کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی، جب تک کسی شخص کے اندر گندہ عقیدہ موجود ہے، نہ اس کی عبادت قبول ہے اور نہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے، کیونکہ باطن ناپاک ہے اور کامیابی کے لئے ظاہری اور باطنی پاکیزگی پہلی شرط ہے، جو شخص ناپاک دل و دماغ کیساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کی کوئی عبادت قبول

نہیں فرمائیں گے، مطلب یہ کہ جب تک عقیدہ درست نہیں ہوگا، اس کا اندر پاک نہیں ہوگا، پھر عقیدے کی پاکیزگی کے ساتھ اخلاق کی پاکیزگی بھی ضروری ہے، کیونکہ اخلاق کا مرکز دل ہے، برا ارادہ، کھوٹی نیت، حسد، بغض، کینہ وغیرہ اخلاقی بیماریاں ہیں اور ان کا تعلق بھی اندر کی پاکی سے ہے، لہٰذا کامیابی حاصل ہونے کے لئے ان چیزوں سے پاک ہونا بھی ضروری ہے۔

ظاہری پاکیزگی میں جسم کی پاکیزگی ضروری ہے، فقہ اور حدیث کی کتابوں میں آپ پڑھتے ہیں، خون، پیپ، پیشاب پاخانہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ جہاں پر لگی ہوں، تو وہ ناپاک ہے، اس کی صفائی ضروری ہے، اس کے علاوہ جسم کی ناپاکی جنابت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ ظاہری طور پر کوئی گندگی نظر نہیں آتی، مگر اس سے سارا جسم ناپاک ہوجاتا ہے۔

الغرض! یہ تمام باتیں پہلے صحیفوں میں بھی ہیں جس کی قرآن پاک بھی انہیں تعلیم دیتا ہے، یہ وہی قدیم دین ہے جس کی سارے پیغمبر تعلیم دیتے رہے ہیں، طہارت کا اصول تمام پیغمبروں کی تعلیم کا حصہ رہا ہے، یہ اصول کسی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئے، ہماری شریعت کا بھی ایک پکا اصول ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے اور یہ کامیابی کا ضامن ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کا مضمون

آجری نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے کیسے اور کیا تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان صحیفوں میں عبرت کی مثالوں کا بیان تھا، ان میں سے ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: اے لوگوں پر زبردستی کرنے والے مغرور! میں نے تجھے حکومت اس لئے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال پر مال جمع کرتا چلا جائے، بلکہ میں نے تو تجھے حکومت اس لئے دی تھی کہ تو مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچنے دے، کیونکہ میرا قانون یہ ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا، اگرچہ وہ کافر

کی زبان سے نکلی ہو۔

اس سورت سے ہمیں یہ سبق سیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں اور اس پر ایمان لائیں، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اپنے لئے نمونہ قرار دیں، جو سراسر قرآن کی تعلیم کے مطابق ہے، اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً دنیا وآخرت دونوں میں کامیاب ہوں گے۔

سورۃ الغاشیہ کا خلاصہ

اس میں قیامت کے دن کے ہولناک واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، قیامت ایک مصیبت ہوگی جو ہر طرف چھا جائے گی اور سب کو ہر طرف سے ڈھانپ لے گی، انسانوں کے اس دن دو بڑے گروہ ہوں گے، ایک گروہ کے چہروں پر ذلت، مشقت اور تکان کے آثار ہوں گے، ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہوگا، جہاں وہ دہکتی ہوئی آگ میں جلیں گے اور کھولتے چشمے کا پانی پئیں گے، ان کے لئے کھانے کو کانٹے دار جھاڑیاں ہونگی، جن سے نہ وہ موٹے ہوں گے اور نہ ان کی بھوک بجھے گی۔

دوسرے گروہ کے چہرے خوشی اور بشاشت سے دمک رہے ہوں گے، اور وہ اپنے دنیا کے کاموں سے مطمئن اور خوش وخرم ہوں گے، وہ اونچے اونچے باغوں میں ہوں گے، جہاں کوئی بے ہودہ باتیں سننے میں نہ آئیں گی، چشمے ہر طرف سے بہہ رہے ہوں گے، اونچے اونچے تخت بچھے ہوں گے، لذیذ شربتوں سے بھرے پیالے ان کے سامنے رکھے ہوں گے، قالین برابر بچھے ہوں گے، مخمل کے گدے چاروں طرف پھیلے ہوں گے، اِس کے بعد انسان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو دیکھ کر اس کی قدرت اور حکمت کا اندازہ کرلے اور اُس کی عبادت میں مصروف ہوجائے، ان مخلوقات میں سے ایک اونٹ ہے، جسکے بغیر خشک ملکوں میں سفر اور بوجھ اٹھانے کا کام اب تک بھی مکمل نہیں ہوتا ہے۔

دوسری مخلوق آسمان ہے کہ جسے اُٹھا کر بغیر سہارے ہمارے سر پر کھڑا کردیا ہے، اور تعجب یہ ہے کہ جتنے

اونچے جاؤ، اتنا ہی اونچا نظر آتا ہے، جتنا تھا، پھر پہاڑوں کو دیکھو، جن کے کہیں خوشنما، کہیں ہولناک منظر دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور پھر زمین ہے جس کی عجائبات کا آج تک پورا اندازہ نہیں ہوسکا، ان چیزوں کو دیکھو اور ان سے پیدا کرنے والے کی عظمت کا اندازہ کرو۔

بہرحال: اے پیغمبر! آپ کا کام سمجھا دینا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے، آپ کو زبردستی بات منوانے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہے، جو منہ پھیرے گا اور انکار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے زبردست عذاب دے گا، آخر سب ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے اور ہم ہی ان کا حساب لیں گے۔

اٰیاتھا ۲۶ — سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۱

سورۃ الغاشیہ مکی ہے اس میں چھبیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

قیامت کے دن کیا ہوگا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲
کیا آئی پاس آپکے بات ڈھانپ لینے والی (۱) کتنے چہرے اس دن ذلیل ہونگے (۲)

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ
عمل کرنیوالے مشقت اُٹھانیوالے (۳) داخل ہونگے آگ دہکتی ہوئی میں (۴) پلائے جائینگے سے ایک چشمے

اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَ لَا
کھولتے ہوئے (۵) نہ ہوگا واسطے انکے کھانا مگر کانٹے دار جھاڑ کا (۶) جو نہ موٹا کرے اور نہ

يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝۹
بے پروا کرے سے بھوک (۷) کتنے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے (۸) اپنی کوشش سے راضی ہوں گے (۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کو کچھ خبر پہنچی اس ڈھانپ لینے والی کی (یعنی: قیامت کی)۔(۱) کتنے چہرے اس دن ذلیل ہوں گے۔(۲) عمل کرنے والے ہونگے، تھکے ہوئے ہوں گے۔(۳) دہکتی ہوئی آگ میں گریں گے۔(۴) پانی پئیں گے ایک کھولتے ہوئے چشمے کا۔(۵) ان کے پاس کوئی کھانا نہیں سوا کانٹے دار جھاڑ کے۔(۶) جو نہ موٹا کرے اور نہ بھوک مٹائے گا۔(۷) کتنے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔(۸) اپنی کمائی سے راضی ہوں گے۔(۹)

لفظی تحقیق: غَاشِیَۃِ: قیامت، اسم مؤنث ہے، غ۔ش۔ی سے، غَاشِیَان کے معنی اوپر سے ڈھانک لینا۔ عَامِلَۃٌ: کام میں پھنسے ہوئے۔ اسم فاعل مؤنث ہے ع۔م۔ل سے، یہاں عمل کے معنی کام کی مشقت میں پھنسا ہوا ہونا ہے۔ نَاصِبَۃٌ: تھک کر چور۔ اسم فاعل مؤنث ہے ن۔ص۔ب سے۔ نصب کے معنی کام کرتے کرتے تھک جانا۔ اٰنِیَۃٍ: انتہائی گرم۔ اسم فاعل مؤنث ہے، ا۔ن۔ی سے۔ اٰنِی کے معنی انتہاء درجہ کا گرم ہو جانا۔ ضَرِیْعٍ: کانٹے دار سوکھی گھاس، ایک قسم کانٹوں دار گھاس ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: آپ نے اس قیامت کا ذکر کسی سے سنا ہے؟ جو سارے جہان کو آکر ڈھانک لے گی، اس دن بعض لوگوں کے چہرے تو ایسے ہوں گے، جیسے سخت کام کرنے والوں کے، نڈھال اور تھک کر چور ہوتے ہیں، ان پر ذلت برس رہی ہوگی، یہ وہ لوگ ہیں جو دوزخ کی دہکتی آگ میں جھونک دئے جائیں گے، پیاس لگے گی تو گرم کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پینے کو ملے گا، ان کو وہاں کے کھانے کے لئے فقط ایک قسم کی سوکھی کانٹے دار گھاس ملے گی، جس سے نہ غذائیت حاصل ہوگی اور نہ بھوک مٹے گی۔

دوسری طرف ایسے لوگ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش ہونگے، انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کیلئے جو کوشش کیساتھ نیک کام کئے تھے، ان کا نتیجہ دیکھ کر وہ مطمئن اور خوش ہو رہے ہوں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس سورتِ مبارکہ کو جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی دوسری

رکعت میں اکثر تلاوت فرماتے تھے، پہلی رکعت میں "سورۃ اعلیٰ" اور دوسری میں یہ سورت۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر جمعہ اور عید اکٹھے آجاتے تو بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہی دو سورتیں تلاوت فرماتے، پہلی سورت کے متعلق "مسند احمد" کی حدیث گزر چکی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو "سورۃ الاعلیٰ" بہت محبوب تھی، اسی طرح یہ سورت بھی آپ بہت زیادہ تلاوت فرماتے تھے۔

کوئی چیز قیامت کی ہولناکی اور دہشت سے نہیں بچ سکتی ،اسی چیز کو کہیں "طَآمَّةُ الْكُبْرٰى" "عظیم ہنگامہ اور کہیں "اَلْقَارِعَةُ" کھٹکھٹا دینے والی کہا ہے، اس جگہ "اَلْغَاشِيَةِ" فرمایا، یعنی: یہ ہر چیز کو ڈھانپ لینے والی ہے، ہر چیز پر غالب آجائے گی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں آتا ہے، اسے امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سے گزر رہے تھے، کہ کسی عورت کی "هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" (یعنی: کیا آپ کو قیامت کی خبر پہنچی ہے) کی تلاوت کی آواز آئی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے اور فرمایا: "قد جاء نی" ہاں! میرے پاس اس کی خبر پہنچی ہے، یہ آپ نے آیت کے جواب میں فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی اور قرآن کریم کے ذریعے آپ کو قیامت کی آمد کی خبر دے دی تھی۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ: وہ چہرے محنت کرنے والے ہوں گے اور تھکے ہوئے ہوں گے، ان تھکے ماندے کام کرنے والے چہروں کی جزاء کیا ہوگی فرمایا: ایسے لوگ بھڑکنے والی آگ میں داخل ہوں گے۔

امام ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ابوعمران جونی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے سفر کے دوران ایک گرجے کے قریب سے گذرے، آپ نے اس گرجے کے پادری کو آواز دیکر باہر بلایا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پادری کو دیکھا تو رونے لگے، لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ: اس پادری کو دیکھ کر مجھے قرآن پاک کی یہ آیات یاد آگئیں "عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝" یعنی: اس دن بڑی محنت کرنے والے تھکے ہوئے لوگ ہوں گے، مگر دوزخ میں جائیں گے، ان کے چہروں سے ظاہر ہوگا کہ وہ بڑی چلہ کشی کیا کرتے تھے، مگر اسلام قبول نہیں کیا، ایمان کی دولت سے محروم تھے، لہٰذا دوزخ میں جائیں گے، ان میں

ہندوؤں کے بڑے بڑے جوگی، عیسائیوں کے پادری، بدھ بھکشو، سکھ خالصہ، کسی کی عبادت کام نہیں آئے گی، سیدھے جہنم میں جائیں گے۔

پھر دوزخ میں انہیں پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا، ایسے پانی کو کون پی سکتا ہے، جو گرم ہو کر کھولنے لگے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ: دوزخی لوگ پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر اس پانی کا ایک گھونٹ پئیں گے تو وہ آنتوں کو جلا دے گا اور کاٹ دے گا، اس قدر سخت پانی ہوگا جو دوزخ والوں کو پینا ہوگا۔

کھانے کے متعلق فرمایا کہ: ان کا کھانا صرف کانٹے دار جھاڑ ہوگا، "ضَرِيْعٍ" عربی زبان میں شبرق بھی بولتے ہیں، جب یہ سرسبز ہوتا ہے تو شبرق کہلاتا ہے، جب خشک ہو جاتا ہے تو "ضَرِيْعٍ" کہلاتا ہے، جب تازہ ہو تو اونٹ کھا لیتے ہیں، مگر جہنم کی "ضَرِيْعٍ" بہت کڑوی اور تلخ ہوگی، یہ کانٹے دار بوٹی دوزخیوں کو کھانے کے لئے دی جائے گی، کوئی انسان ایسا نہیں جو بھوک سے بے تاب نہ ہو، جب دوزخ والوں پر بھوک کا غلبہ ہوگا تو انہیں کھانے کیلئے یہ جھاڑ دیا جائے گا۔

کافروں کے ذلیل چہروں کے مقابلے میں ایمان والوں کے تر و تازہ چہروں کا ذکر ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ: ایمان والوں کے چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے، "نَاعِمَةٌ" کے معنی بارونق، تر و تازہ، وہ اپنی کوشش پر خوش ہوں گے، وہ کتنے خوش قسمت ہونگے کہ ان کی دنیا میں کی گئی کوشش ٹھکانے لگی، کیونکہ انہوں نے ایمان کی شرط کو قبول کیا اور نیک کام انجام دئے ہوں گے۔

جنتیوں کا حال

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝۱۱ فِيْهَا عَيْنٌ
میں باغ اُونچے (۱۰) نہیں سنیں میں اس بے ہودہ بات (۱۱) میں اس چشمہ ہے

جَارِيَةٌ ۝۱۲ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴
بہتا ہوا (۱۲) میں اس تخت ہیں اُونچے اُٹھائے ہوئے (۱۳) اور پیالے ہیں رکھے ہوئے (۱۴)

وقف لازم

وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّ زَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ
اور قالین ہیں برابر برابر بچھے ہوئے (۱۵) اور گدّے ہیں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے (۱۶) کیا پس نہیں دیکھتے وہ

اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾
طرف اونٹوں کی کیسے پیدا کئے گئے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: جنتی اونچے باغ میں ہونگے۔ (۱۰) اس میں کوئی بے ہودہ بات نہ سنیں گے۔ (۱۱) اس میں ایک بہتا ہوا چشمہ ہے۔ (۱۲) اس میں اُونچے بچھے ہوئے تخت ہیں۔ (۱۳) اور پیالے سامنے رکھے ہوئے۔ (۱۴) اور قالین برابر بچھے ہوئے۔ (۵) اور مخمل کے گدے جا بجا پھیلے ہوئے۔ (۱۶) بھلا کیا اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے۔ (۱۷)

لفظی تحقیق: لَاغِیَۃً: فضول، بکواس۔ اَکْوَابٌ: "کوب" کی جمع ہے، "کُوب" پانی کا برتن جس کا دست نہ ہو۔ نَمَارِقُ: گاؤ تکیے۔ "نَمرِقَة" کی جمع ہے۔ زَرَابِیُّ: قالین، "زَرْبِیَة" کی جمع ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ جن کے چہرے قیامت میں ہشاش بشاش ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک باغ ہوگا، اس باغ میں ایک چشمہ ہوگا جو ہر طرف بہہ رہا ہوگا، اور ہر طرف اونچی اونچی جگہوں پر عالیشان تخت بچھے ہوں گے اور شربت سے بھرے پیالے سامنے سجے ہوں گے، بیٹھنے کے لئے ہر طرف مسند، تکیے اور گدے پھیلے ہوئے ہوں گے، جہاں چاہیں آرام سے بیٹھیں، اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کی قدرت رکھتا ہے، اس کی مخلوق پر نظر ڈالو، اسی دنیا میں ایسی چیزیں اس نے پیدا کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے صاف نظر آتے ہیں، ذرا اونٹوں کی طرف دیکھو کہ ان کی کیسی عجیب وغریب شکل وصورت بنائی گئی ہے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: جنت کے سو درجے ہیں اور ہر درجہ دوسرے درجے سے اتنا بلند ہے، جتنا زمین سے آسمان، اور جنت ایسی پاکیزہ جگہ کا نام ہے کہ تم وہاں کسی قسم کی لغو اور بے ہودہ بات نہیں سنو گے، وہاں

نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی، نہ گالی گلوچ، نہ بکواس اور نہ کوئی تکلیف دینے والی چیز، وہاں پر پاکیزہ باتیں اور پاکیزہ چیزیں ہوں گی، اس کے علاوہ اس میں بہنے والے چشمے ہوں گے، وہ چشمے اس قسم کے ہوں گے کہ جنتی جس طرف چاہے گا، اسی طرف بہنے لگیں گے، مگر آپس میں خلط ملط نہیں ہوں گے، اس دنیا میں تو پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے، نچلی طرف بہ نکلتا ہے، مگر جنت میں ایسا کوئی قانون نہیں ہوگا، جنتی جس طرف اشارہ کرے گا، چشمہ اسی طرف بہنے لگے گا۔

جنت میں اور کیا ہوگا؟ اس میں اونچے درجے کے تخت ہوں گے جن پر جنتی لوگ آرام کریں گے، پیالے سامنے رکھے ہوں گے، صف در صف رکھے ہوئے تکئے ہونگے، نہایت عالیشان تکئے ہوں گے، جنتی جہاں چاہیں گے بیٹھ سکیں گے، ایسے آرام دہ تکئے ہر جگہ موجود ہوں گے، اور نہایت عمدہ قسم کے قالین ہوں گے، جگہ جگہ پھیلائے ہوئے، جس جگہ کوئی آرام کرنا چاہے گا وہیں پر قالین موجود ہوں گے، اُٹھا کر کسی دوسری جگہ لیجانے کی ضرورت نہیں ہوگی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنت میں پہنچنے والا ادنٰی سے ادنٰی انسان بھی ایسا ہوگا کہ اسے اِس دنیا سے دس گنا بڑی جنت کی زمین دی جائے گی۔

عربوں کا اونٹوں کے ساتھ گہرا تعلق تھا، اس پر سواری کرتے تھے، اُس کی اُون کے کپڑے پہنتے تھے، اور اس کا گوشت بھی کھاتے تھے، خاص طور پر دور دراز کے سفر میں اونٹ ہی سواری کا کام دیتے تھے، عرب کے صحراء میں اونٹ وہی کام دیتا تھا جو سمندر میں کشتی دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو عجیب وغریب خوبیوں والا پیدا کیا ہے، جسم کے لحاظ سے بہت بڑا جانور ہے، مگر ہاتھی اس سے بھی بڑا ہے، اونٹ بڑا طاقتور ہے، مگر گینڈا اس سے بھی زیادہ طاقتور ہے، اللہ تعالیٰ نے اونٹ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ: عرب میں صرف اونٹ ہی پایا جاتا ہے، ہاتھی اور گینڈا وغیرہ وہاں نہیں ہوتے، تاہم اونٹ میں اللہ تعالیٰ نے وہ صفتیں پیدا فرمائی ہیں جو ہاتھی اور گینڈے میں نہیں ہیں، یہ قدیم زمانے سے انسان کا خدمت گزار جانور ہے، بے حد محنتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اونٹ میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ سواری کے لئے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتا ہے، تاکہ آدمی اس پر سوار ہو سکے، اس پر سامان لادا جاسکے، اس کے بعد وہ اُٹھ کر منزل کی طرف روانہ

ہوجاتا ہے، اگر اس میں بوقتِ ضرورت بیٹھنے کی صلاحیت نہ ہوتی، تو سیڑھی کے بغیر سواری ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اونٹ میں سات خصوصیات رکھی ہیں، جسم تو بلاشبہ بڑا اور حیرت انگیز ہے، مگر اس کے ساتھ یہ جانور بڑا صابر جانور ہے، بھوک اور پیاس کافی عرصہ تک برداشت کرسکتا ہے، پانی نہ ملے تو دس دن تک پروانہیں کرتا، بڑا لمبا سفر کرسکتا ہے، بوجھ بہت زیادہ اُٹھا سکتا ہے، اتنا محنتی اور جفاکش جانور ہے، عرب میں بڑے بڑے ریگستان ہیں، وادی دہنا میں آٹھ آٹھ سو، نو نو سو میل تک ریگستان پھیلے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ پہاڑ ہیں، راستے دشوار گذار ہیں، مگر یہ اونٹ ہے جو ان راستوں کو عبور کرجاتا ہے۔

قدرت کے کرشمے

وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾

اور طرف　آسمان کی　کیسا　بلند کیا گیا وہ (۱۸)　اور طرف　پہاڑوں کی　کیسے　جماکر کھڑے کئے گئے (۱۹)

وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾

اور طرف　زمین کی　کیسی　صاف بچھائی گئی وہ (۲۰)　پس یاد دلاتے رہیں　سوائے اسکے نہیں کہ　آپ ہیں　یاد دِلانے والا (۲۱)

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ

نہیں آپ　پر ان　نگہبان　(۲۲)　مگر　ہاں جس نے　منہ موڑا　اور　کفر کیا　(۲۳)　پس عذاب دیگا اسے

اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ

اللہ　عذاب　بڑا　(۲۴)　تحقیق　طرف ہماری　لوٹنا ہے انکا (۲۵)　پھر　تحقیق

عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ ع

ہمارے ذمہ ہے　حساب اُن کا　(۲۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا انہوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ کیسا بلند کیا گیا ہے۔ (۱۸) اور کیا

پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھا کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا۔(۱۹)اور کیا زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ اسے کس طرح بچھایا گیا۔(۲۰) پس! آپ ان کو نصیحت کریں، بے شک آپ نصیحت کرنیوالے ہیں۔(۲۱) آپ اُن پر نگہبان نہیں ہیں۔(۲۲) مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کا راستہ اختیار کیا۔(۲۳) پس اللہ تعالیٰ اس کو بڑا عذاب دیگا۔(۲۴) بے شک ان لوگوں نے ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔(۲۵) پھر ان لوگوں کا حساب کتاب لینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔(۲۶)

لفظی تحقیق: مُصَيْطِرٍ: زبردستی کرنے والے۔ اصل میں "مُسَيْطِرٍ" ہے جو اسم فاعل ہے "سیطرۃ" سے۔ "سیطرۃ" کے معنی زبردستی کرنا ہیں، "مُسَيْطِرٍ" وہ شخص جو دوسروں پر مسلط کیا گیا ہو، تاکہ زبردستی قانون کی پابندی کروائے داروغہ۔ ط کے قریب ہونے کی وجہ سے س کو ص سے بدل دیا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ دنیا کی چیزوں پر غور نہیں کرتے، ورنہ انکو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کچھ اندازہ ہوجاتا اور یہ قیامت کے بارے میں یقین کر لیتے، اول تو اونٹ ہی کی بناوٹ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کو ظاہر کرتی ہے، پھر سر کے اوپر چھایا ہوا بلند آسمان بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے کہ بغیر ظاہری سہارے کے سر پر چھت کی طرح چھایا ہوا نظر آتا ہے، پھر پہاڑ کیسی مضبوطی کے ساتھ سیدھے کھڑے ہیں اور زمین کس قدر صاف بچھی ہوئی ہے، لوگ ان چیزوں میں غور کریں تو ان سے انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا پتہ چل سکتا ہے، اور پھر یہ ان باتوں کا جو انہیں قیامت، جنت اور دوزخ کے بارے میں بتائی جارہی ہیں، اچھی طرح یقین کر سکتے ہیں۔

اے ہمارے پیغمبر! آپکا کام تو قرآن پاک کی باتوں کو صاف صاف کھول کر سمجھا دینا اور بتا دینا ہے، ہم نے آپ کو ان پر حاکم بنا کر مسلط نہیں کیا ہے کہ ان کو زبردستی مار مار کر سیدھا کریں، آپ تو بس سمجھائے جائیں، اب اگر کوئی نہیں سمجھتا اور آپ کی بات نہیں مانتا، اور منہ پھیر کر چل دیتا ہے اور انکار کئے جاتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، وہ اسے ایسا عذاب چکھائے گا کہ جس سے بڑا کوئی عذاب نہیں، یہ بالکل طے شدہ

بات ہے کہ یہ سب مرنے کے بعد ہمارے ہی پاس لوٹ کر آئیں گے اور ہم نے اس کا ذمہ لے لیا ہے کہ ان کے دنیا کے کرتوتوں کا ان سے حساب لیں، اور انکو ان کے کرتوتوں کی سزا و جزا دیں، اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کرایا جائے، پیغمبر تو اس لئے آتے ہیں کہ ان کو قرآن کا مطلب سمجھا دیں اور اس پر عمل کر کے دکھا دیں اور اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اس کا حساب لیں گے۔

وَ اِلَی الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ: زمین کے متعلق فرمایا کہ: دیکھو! ہم نے کس طرح اسے پھیلا دیا، لوگ اسے ٹھوکریں مارتے ہیں، اس کو کھودتے ہیں، اس پر چلتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، مگر اس میں اس قدر صبر اور حوصلہ ہے کہ ہر تکلیف برداشت کرتی ہے مگر کبھی کسی کے خلاف شکایت نہیں کرتی، اتنی بڑی ہونے کے باوجود اس قدر نرم مزاج ہے، لہٰذا اگر عاجزی سیکھنا ہو تو زمین سے سیکھنا چاہئے۔

یہ لوگ زمین کو ہی دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح بچھا دیا ہے، انسان کی تمام ضروریات زمین سے پیدا ہوتی ہیں، خوراک، لباس، مکان، سڑکیں، راستے، ان پر چلنا پھرنا سب زمین کے متعلق ہیں، مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جس کا انکار قیامت کے منکر نہیں کر سکتے، وہ خدا جو اتنی مضبوط اور کارآمد چیزیں پیدا کر سکتا ہے، کیا وہ انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا، یا حساب کتاب نہیں لے سکتا؟ کیوں نہیں! وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آسمان کی بلندی پر غور کرو تو تم بھی اپنا مقصد بلند رکھو، ہلکی چیزوں میں نہ پڑو، اپنے اندر مضبوطی پیدا کرنا چاہتے ہو تو پہاڑوں کی مثال سامنے رکھو کہ وہ کتنے مضبوط ہیں، تمہیں بھی اسی طرح مضبوطی سے اپنے پاکیزہ عقیدے اور اچھے عمل پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔

سورة الفجر کا خلاصہ

اس سورت میں صبح کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی قسم کھا کر ان باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی

ہے، جن کا اس سورت میں ذکر ہے، یعنی: انسان کی عزت اور ذلت کا معیار اس کا خوشحال اور دولت مند ہونا نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عزت اور ذلت اس کے عمل اور برتاؤ کے لحاظ سے ہوتی ہے، آدمی دولت اور مال ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، اور جب مل جائے تو اِتراتا پھرتا ہے، اور نہ ملے تو منہ بنا کر پڑ جاتا ہے۔ ارشاد ہے کہ: اے انسانو! تمہارا یہ حال ہے کہ ہم تمہاری ہر بات دیکھتے رہتے ہیں، اور وقت آنے پر سب کچھ تمہارے سامنے کھول کر رہیں گے، اس دن تمہیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سخت ترین سزا دینے والا ہے اور اپنے فرمانبردار بندوں کو اپنی رحمت سے جنت کے اندر داخل کرنے والا ہے، لیکن اس وقت معلوم ہونے سے انسان کو فائدہ نہ ہوگا، فائدہ تو جب پہنچ سکتا ہے جب ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے سمجھانے اور قرآن کے اندر غور کرنے سے یہیں دنیا میں مان لیا جائے، نجات کا دارومدار اس پر ہے کہ دنیا میں سوچ سمجھ سے کام لیکر ان سب باتوں کو دل سے مانے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیج کر اور انہیں قرآن دیکر بھی اچھی طرح واضح کردی ہیں، ورنہ مرنے کے بعد تو حقیقت سب کو معلوم ہو جائے گی، اس وقت ماننا کچھ کام نہ دے گا۔

آیاتها ـــ ۳۰　　سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ　　رکوعاتها ـــ ۱

سورۃ الفجر مکی ہے اس میں تیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

توجہ کے قابل واقعات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الْفَجْرِ ۝۱ وَ لَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ ۝۳ وَ الَّيْلِ

قسم فجر کی (۱) اور راتوں دس کی (۲) اور جفت اور طاق کی (۳) اور رات کی

اِذَا يَسْرِ ۝۴ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵

جب وہ چلے (۴) میں تحقیق اس شاندار قسم ہے واسطے عقلمندوں کے (۵)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے فجر کی۔(۱) اور قسم ہے دس راتوں کی۔(۲) اور قسم ہے جفت اور طاق کی۔ (۳) اور قسم ہے رات کی جب وہ چلتی ہے۔(۴) یقیناً اس میں ایک بڑی قسم ہے عقلمندوں کیلئے۔(۵)

لفظی تحقیق: فَجْرِ: پو پھٹنے کا وقت۔ الَّیْلِ: رات۔ لَیَالٍ عَشْرٍ: دس رات، ہر مہینہ میں دس پہلی، دس پچھلی اور دس بیچ کی راتیں ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر دس کی کیفیت الگ الگ ہوتی ہے۔ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ: جفت اور طاق، یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اِذَا یَسْرِ: جب چلے۔ اصل میں "یسری" ہے، "اِذَا" کی وجہ سے آخر میں جزم ہوگیا اور یاء گرگئی، اس کا مادہ س۔ر۔ی "سری" کے معنی رات کے اندھیرے میں چلنا۔ یہاں خود رات کا چلنا مراد ہے۔

تفسیر

وَ الْفَجْرِ: قسم ہے فجر کی، اور قسم ہے دس راتوں کی۔ فجر اور دس راتوں سے کون سی فجر اور کون سی دس راتیں مراد ہیں؟ اس میں مفسرین کرام کی مختلف رائے ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ: فجر سے عام فجر مراد ہے جو ہر روز طلوع ہوتی ہے اور دس راتوں سے مراد رمضان المبارک کی آخری دس راتیں ہیں جن میں لیلۃ القدر جیسی بابرکت رات آتی ہے اور جس میں عبادت کا اجر وثواب ایک ہزار مہینے سے زیادہ ہوتا ہے، ان راتوں میں اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی شامل ہوتی ہے، قرآنِ پاک کے اُترنے کی ابتداء بھی اسی رات میں ہوئی۔

بعض فرماتے ہیں کہ: فجر سے مراد عید الاضحیٰ کی فجر ہے جو کہ قربانی کا دن ہے اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک کام جس قدر ان دنوں میں مقبول ہیں، کسی دوسرے دنوں میں نہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دس راتوں کی عبادت لیلۃ القدر جیسی فضیلت رکھتی ہے، ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل کیا جاتا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ: فجر سے مطلق فجر مراد ہے اور دس راتوں سے محرم الحرام کی دس راتیں مراد ہیں، جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تھی اور پھر مدینہ کی ہجرت کے بعد اسی مقام سے اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیلی۔

وَ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ: قسم ہے جفت اور طاق کی۔ بعض فرماتے ہیں کہ: جفت سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں اور طاق سے مراد دسویں تاریخ کے علاوہ پہلے نو دِن ہیں، نو کا عدد طاق ہے اور جب دسویں تاریخ آ گئی تو جفت ہو گیا، ذی الحجہ کی نویں تاریخ عرفہ کا دن ہوتا ہے اور یہ بڑا عظیم دن ہے، اس دن دنیا کے کونے کونے سے لوگ آ کر عرفات کے میدان میں اکٹھے ہوتے ہیں اور حج ادا کرتے ہیں، نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں، اسی دن اللہ تعالیٰ آسمانی دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، اور فرشتوں کے سامنے ان حاجیوں پر فخر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس دن جتنے بندوں کو آگ سے آزاد کرتے ہیں، کسی اور دن نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ: جفت اور طاق سے مراد نماز ہے، کیونکہ نماز کی بعض رکعتیں جفت، یعنی: دو یا چار ہوتی ہیں اور بعض کی طاق، جیسے: نمازِ مغرب اور وِتر، بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: جفت اور طاق سے مراد مخلوق اور خالق ہے، ساری مخلوق نر اور مادہ کی حیثیت سے جفت ہے، اور خالق صرف ایک ہے، اگر یہ معنی کیا جائے تو پھر جفت اور طاق کا یہ مطلب ہوگا: قسم ہے مخلوق اور خالق کی۔

بعض فرماتے ہیں کہ: رات سے مراد ہر رات ہے، جب چلتی ہے، پہلے فرمایا تھا: قسم ہے فجر کی۔ اب اس کے مقابلے میں کہا: قسم ہے رات کی۔ ان تمام چیزوں کی قسم کھا کر جو چیز پیش کی جا رہی ہے، وہ آگے آئے گی، درمیان میں فرمایا: کیا اس میں قسم ہے عقلمندوں کے لئے، یعنی: عقلمند ان باتوں کو سامنے رکھ کر سوچ سکتے ہیں، اور کسی نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں کہ متکبرین کو ضرور سزا دی جائے گی، حجر کے دو معنی آتے ہیں، حجر عقل کو بھی کہتے ہیں اور منع کرنے کو بھی۔ عقل بھی انسان کو برے کاموں سے روکتی ہے، لہٰذا اسے حجر کہتے ہیں، اور ذی حجر کا معنی عقل والا ہوگا، اس میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، یہ تمام چیزیں عقلمند لوگوں کے لئے بطور گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ منکروں سے ضرور پوچھ گچھ فرمائیں گے اور انہیں یونہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ان کو اپنے کئے کی جزا سزا دینگے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: "الْفَجْرِ" سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ، یعنی: یوم النحر کی صبح ہے، مجاہد وعکرمہ

رحمۃ اللہ علیہما کا یہی قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت میں یہ قول منقول ہے، وجہ اس یوم النحر کے خاص کرنے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لئے ایک رات ساتھ لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے ہوتی ہے، صرف یوم النحر ایسا دن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی رات نہیں، کیونکہ یوم النحر سے پہلے جو رات ہے، وہ یوم النحر کی نہیں، بلکہ شرعاً عرفہ ہی کی رات قرار دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں نہ پہنچ سکا، رات کو صبحِ صادق سے پہلے کسی وقت بھی عرفات میں پہنچ گیا تو اس کا وقوف صحیح اور حج صحیح ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کی دو راتیں ہیں، ایک اس سے پہلے اور دوسری اس کے بعد، اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں، اس لحاظ سے یوم النحر کی صبح دنیا کے تمام دنوں میں ایک خاص شان رکھتی ہے۔

دوسری چیز جس کی قسم ہے، وہ لیال عشر، یعنی: دس راتیں، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، سُدّی، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، کلبی رحمۃ اللہ علیہ، ائمہ تفسیر رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں، کیونکہ حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عبادت کرنے کے لئے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں ذی الحجہ کے پہلے دس دن سب سے افضل ہے، اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شبِ قدر کے برابر ہے۔

اور ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے "وَ الْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَيَالٍ عَشْرٍ" کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے مراد ذی الحجہ کے شروع کے دس دن ہیں۔

انسان کے خیالات کی اصلاح

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ﴿۷﴾

کیا نہ دیکھا آپ نے کیسا کیا رب آپکے نے ساتھ عاد کے (۶) ارم کے والے ستونوں (۷)

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَ ثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا
وہ جوکہ نہیں بنایا گیا ان جیسا میں شہروں (۸) اور ثمود کیساتھ جنہوں نے کاٹے

الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ طَغَوْا
سخت پتھر وادی میں (۹) اور فرعون کے ساتھ والا میخوں (۱۰) یہ وہ تھے جنہوں نے سرکشی کی

فِی الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ
میں ملکوں (۱۱) پس بہت مچایا میں ان فساد (۱۲) پس ڈال دیا پر اُن رب آپکے نے

سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾
کوڑا عذاب کا (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کیساتھ کیا معاملہ کیا۔(۶) اس اُونچے ستونوں والی ارم کے ساتھ۔ (۷) کہ ان جیسی عمارتیں سارے شہروں میں کہیں نہیں بنیں۔(۸) اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں پتھروں کو تراشا۔(۹) اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔(۱۰) یہ سب وہ تھے جنہوں نے ملکوں میں سرکشی کی۔(۱۱) اور پھر ان ملکوں میں بہت سی خرابی ڈالی۔(۱۲) پھر پھینکا آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا۔(۱۳)

تحقیق لفظی: اِرَمَ: عاد کے باپ دادوں میں ایک کا نام ہے، یا اسی شہر کا نام ہے، جہاں عاد رہتے تھے۔ ذَاتِ الْعِمَادِ: ستونوں کی بنی ہوئی تھیں۔ جَابُوا: کاٹتے تھے۔ ماضی کا صیغہ ہے ج۔و۔ب سے، "جوب" کے معنی کاٹنے اور تراشنے کے ہیں۔ صَخْرَ: سخت چٹان، یہ لوگ بڑی بڑی چٹانوں کو کاٹ کر ان کے گھر بناتے تھے۔ ذِی الْاَوْتَادِ: میخوں والے، ذِی کے معنی ہیں والا، "اَوْتَادِ"، "وتد" کی جمع ہے، فرعون لوگوں کو چت لٹا کر چاروں ہاتھ پاؤں میں میخ ٹھونک کر زمین سے جما دیتا تھا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: عاد اپنے وقت میں بڑے سخت اور طاقتور لوگ تھے، بڑی بڑی اونچی عمارتیں بناتے اور

سمجھتے کہ ان کی طاقت ہمیشہ رہے گی، اس طرح ان کے بعد ثمود کی قوم ہوئی، یہ لوگ پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے اور اس میں رہتے تھے کہ ہم ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ایسے ہی مصر کا بادشاہ فرعون تھا، بڑے سامان اور لشکر والا تھا، وہ بھی سمجھتا تھا کہ میری طاقت ہمیشہ رہے گی، چنانچہ ان سب لوگوں نے اپنے اپنے وقت میں شر اور فساد پھیلایا اور کمزوروں کو دبایا، آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آگھیرا اور وہ طرح طرح کی آفتوں میں پھنس کر دنیا سے چلتے بنے اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ: کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے قوم عاد کیساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ عاد بڑے لمبے لمبے ستونوں والے قوم ارم لوگ تھے کہ جن کی مثل شہروں میں پیدا ہی نہیں کئے گئے۔

"ارم" دراصل ایک ایسا نام ہے جو ثمود کی قوم اور عاد کی قوم دونوں کے لئے بولا جاتا ہے، اس مقام پر ارم سے مراد عادِ اولیٰ ہے اور حضرت نوح علیہ السلام تک ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح، یہ عاد اولیٰ ہیں اور ثمود کی قوم عاد ثانیہ کہلاتے ہیں۔ "ارم" کا لفظ ان پر بھی بولا جاتا ہے اور یہ لوگ عادِ اولیٰ سے دوسو سال بعد گزرے ہیں، عاد کی قوم یمن کی وادی "دہنا" میں آباد تھی۔

ذَاتِ الْعِمَادِ: بھی دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ یہ لوگ ستونوں جیسے قد آور تھے، اللہ تعالیٰ نے جس مقام پر ان کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے، وہاں فرمایا کہ: وہ زمین پر ایسے پڑے تھے جیسے کھجور کے اکھاڑے ہوئے درخت ہوں، اتنے بڑے قد آور تھے، ان کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

ذَاتِ الْعِمَادِ: کا دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں بناتے تھے، مینار اور گنبد بناتے تھے، اور ان پر بہت سارا مال خرچ کرتے تھے، اونچے اونچے مینار محض اس لئے بناڈالتے تھے کہ اوپر چڑھ کر گردو پیش کا نظارہ کرسکیں اور جب مزید رقم کی ضرورت ہوتی تھی تو پھر دوسروں کو لوٹتے تھے، ان کی تیار کردہ بڑی عمارتوں کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں، انہوں نے عمدان جیسی بلند عمارت بنائی جس کی اسّی منزلیں تھیں اور ہر منزل کا درمیانی فاصلہ چالیس فٹ تھا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کو سمجھایا کہ دیکھو! اتنے بڑے بڑے قدآور لوگ تھے، ساز وسامان کا کوئی شمار نہ تھا، بڑی بڑی عالیشان عمارتوں کے مالک تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اتنی سخت سزا دے دی، تم تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو، تم اللہ تعالیٰ کی سزا سے کیسے بچ سکتے ہو؟

قوم عاد کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: کیا تم نے قوم ثمود کو نہیں دیکھا، جنہوں نے وادی قریٰ میں پتھروں کو تراش تراش کر عمارتیں بنائیں، ان پر عجیب نقش ونگار بنائے، ان عمارتوں کے نمونے تبوک اور وادی قریٰ میں آج بھی موجود ہیں، یہ لوگ کمال درجے کے کاریگر تھے، بڑے بڑے انجینئر تھے، عمارتوں کے علاوہ بڑی بڑی مورتیاں بنانے میں بھی ماہر تھے۔

فرمایا: کیا آپ نے میخوں والے فرعون کو نہیں دیکھا کہ اس کا کیا حشر ہوا، پہلے عاد اور ثمود کا ذکر آیا، اب فرعون کی مثال پیش کی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح سزا دی؟

مفسرین کرام رحمہ اللہ علیہم نے "ذِی الْاَوْتَادِ" کے دو معنی کیے ہیں: ایک یہ کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تھا تو اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونک دیتا تھا اور اوپر بھاری وزن رکھ کر لوگوں کو ہلاک کر دیتا تھا، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ فرعون کے گھوڑوں کے نعل بھی سونے کے تھے اور اس کے خیمے کے کیل بھی سونے کے بنے ہوئے تھے؛ اس لیے اُسے "ذِی الْاَوْتَادِ یعنی" میخوں والا کہا گیا ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر تین مثالیں بیان کی ہیں، یعنی: عاد کی قوم، ثمود کی قوم اور فرعون کا، مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں نے سرکشی کی، اور زمین میں فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا اور سب کو ٹھکانے لگا دیا، کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔

فَصَبَّ: پھر برسایا ان پر عذاب کا کوڑا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح کوڑا مختلف سمتوں سے بدن پر پڑتا ہے، ان پر بھی مختلف قسم کے عذاب نازل کیے گئے۔

انسان کیا سوچتا ہے

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ

تحقیق رب آپکا البتہ میں ہے گھات (۱۴) پس یہ جو انسان ہے جب کبھی آزماتا ہے اسے رب اُسکا

فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّآ اِذَا مَا

پس عزت دیتا ہے اسے اور نعمت عطا کرتا ہے اسے پس کہتا ہے رب میرے نے عزت بخشی مجھے (۱۵) اور یہی ہے کہ جب کبھی

ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

آزماتا ہے اسے پس تنگ کر دیتا ہے پر اس رزق اس کا تو کہتا ہے رب میرے نے رُسوا کیا مجھے (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بے شک آپ کا رب گھات میں ہے۔(۱۴) سو! یہ جو انسان ہے جب اس کو اس کا رب آزماتا ہے پھر اس کو عزت دے اور نعمت دے تو کہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی۔(۱۵) اور جس وقت اسے آزمائے پھر اس پر روزی کی تنگی کرے تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔(۱۶)

لفظی تحقیق: اَکْرَمَنِ: اصل میں "اَکْرَمَنِی" ہے، ی وقف کی وجہ سے گر گئی، اَھَانَنِ: اصل میں "اَھَانَنِی" ہے، ی وقف کی وجہ سے گر گئی، یہ "اَھَانَة" سے ماضی ہے، "اَھَانَة" سے معنی ذلیل کرنا، رُسوا کرنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کو پیدا کیا اور اس میں ادلتے بدلتے حالات رکھے، ہر شخص کو کام کرتے بھانپ رہا ہے، ہر ایک پر اس کی نگاہ ہے، ہر ایک کے عمل کے مطابق اسے دنیا و آخرت دونوں میں جزا سزا دیتا ہے، آگے انسان کی حالت کا بیان ہے کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ عزت، مرتبہ اور مال و دولت خوب عطا کرتا ہے، تو وہ بڑا خوش ہوتا ہے اور اِتراتا پھرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت اور دولت دونوں دے کر مجھ پر بڑا کرم کیا ہے، دوسری طرف اگر کسی انسان کو نپی تلی روزی دیتا ہے اور اس کے پاس خرچ کرنے کے بھی گنتی

کے پیسے ہوتے ہیں تو وہ شکوہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا کہ لوگوں کی نگاہ میں میری ذرا بھی اہمیت نہیں، انسان کو سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا میں امیری یا غریبی ہر ایک کو ملتی ہے، اس سے اس کا امتحان لینا مقصود ہوتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ: تیرا رب گھات میں لگا ہوا ہے، وہ گھات جہاں سے ہر ایک کی نگرانی ہوتی ہے، جس طرح شکاری گھات میں لگا ہوتا ہے، جونہی شکار کو غافل پاتا ہے، فوراً حملہ کر دیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی نگرانی کرتے ہیں، جب کوئی شر و فساد میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سزا کا کوڑا برستا ہے اور تمام فسادی ہلاک ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات انسان کو مال سے محروم کر کے آزماتا ہے کہ اس حالت میں انسان کون سا رویہ اختیار کرتا ہے، جب کسی کے پاس مال کی قلت ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ رزق تنگ کر دیتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرتا ہے کہ اس نے مجھے ذلیل کر دیا، وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ پاتا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے، وہ مجھے آزماتا ہے کہ ایسی حالت میں میں کہاں تک صبر و شکر کر سکتا ہوں، اس کے برخلاف وہ خدا پر الزام تراشی کرنے لگتا ہے کہ اس نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا، اس قسم کے لوگ دولت میسر آجانے پر اپنے آپ کو خدا کا محبوب سمجھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے لاڈلے ہیں، جبھی تو ہمیں مال و دولت حاصل ہوئی۔ مکہ کے مشرک بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے، وہ بھی اس وہم میں مبتلا تھے، حالانکہ مال و دولت کی زیادتی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے کی علامت نہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے، انسان اس کو نہیں سمجھ سکتا، بعض اوقات اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے، ان کے درجات بلند کرنا مقصود ہوتا ہے، اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے نافرمان بندوں کو مال و دولت دیکر ان کی آزمائش کرتا ہے۔

ہونا کیا چاہئے؟

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ

ہرگز نہیں بلکہ نہیں تم عزت کرتے یتیم کی (۱۷) اور نہیں ترغیب دیتے آپس میں اوپر کھانے

الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ

محتاج کے (۱۸) اور کھاجاتے ہو مردہ کا مال کھانا سب سمیٹ کر (۱۹) اور محبت کرتے ہو مال سے

حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ

محبت بہت (۲۰) ہرگز نہیں جب برابر کردیجائے زمین کوٹ کوٹ کر (۲۱) اور آئے رب آپکا اور

الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَ جِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ

فرشتے صف درصف (۲۲) اور لائی جائے اس دن دوزخ اس دن

يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾

سوچے گا انسان اور کہاں موقع اسکے لئے سوچنے کا (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ: بات ہرگز ایسی نہیں جیسی تم سمجھتے ہو، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔(۱۷) اور آپس میں محتاج کے کھلانے کی تاکید نہیں کرتے۔(۱۸) اور مردہ کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔(۱۹) اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر۔(۲۰) خبردار جب پست کردی جائے زمین کوٹ کوٹ کر۔(۲۱) اور آپ کا رب اور فرشتے صف بہ صف آئیں۔(۲۲) اور اس دن لائی جائے دوزخ، اس دن آدمی سوچے گا اور اب سوچنے کا وقت کہاں؟(۲۳)

لفظی تحقیق: تَحٰٓضُّوْنَ: اُکساتے، ترغیب دیتے۔ مضارع کا صیغہ ہے، "تَحَاضٌّ" ہے اصل میں "تتحاضضون" ہے، استعمال میں پہلی تاء گرگئی اور ضاد کو ضاد میں ادغام کردیا، اس کا مادہ ح۔ض۔ض ہے۔

"حضٌّ " کا معنی اُبھارنا،"تَحاضٌّ " کے معنی ایک دوسرے کو اُکسانا۔ لَمًّا: جمع کر کے سمیٹ کے۔ مادہ ل۔م۔م ہے۔لَمٌّ:سب سمیٹ لینا۔جَمٌّ: ڈھیر،زیادہ۔صفت کا صیغہ ہے ج۔م۔م سے۔"جم "بہت زیادہ چیز اور ڈھیر کو کہتے ہیں۔دُکَّتِ:کوٹ دی جائے گی۔ماضی مجہول کا صیغہ ہے،د۔ک۔ک سے۔"دك "کے معنی کوٹ کوٹ کرریزہ ریزہ کرنا۔

تفسیر

انسان کو چاہئے کہ مال ملا ہے تو اس سے یتیموں کی پرورش کرے،مسکینوں کو خود بھی کھلائے اور دوسروں کو بھی کھلانے کو کہے،مال جمع کرنے کے لئے نہیں،عنقریب قیامت آئے گی اور سب کچھ فنا ہو جائے گا،پھر اللہ تعالیٰ کا دربار لگے گا،دوزخ کو سامنے لاکر رکھ دیا جائے گا،اس وقت انسان کی آنکھیں کھلیں گی،لیکن اس وقت آنکھوں کے کھلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

فرمایا کہ:تمہارے رزق میں تنگی کی وجہ یہ ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے،اللہ تعالیٰ تم پر ناراض ہو کر تمہیں ذلیل کرتا ہے،یتیم کی عزت سے ہاتھ کھینچ کر تم مجرم ہو رہے ہو،بیٹے اور بیٹی کی عزت تو کرتے ہو،مگر ایک بے کس اور بے سہارا یتیم کی خبر گیری نہیں کرتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسکین کے لئے کھانا خود بھی مہیا نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی توجہ نہیں دلاتے،کسی کو اس بات پر آمادہ نہیں کرتے کہ وہ مسکین کے کھانے پینے کا بندوبست کرے۔

ذلت کا تیسرا سبب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ:تم وراثت کو سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو،مطلب یہ کہ حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے،اپنا حصہ بھی کھا گئے اور دسروں کا حصہ بھی۔بہنوں کے حصے کی وراثت بھی خود ہی ہضم کر گئے،اس بات کا خیال ہی نہیں کیا کہ حرام کھا رہے ہیں۔

یہاں خصوصیت سے میراث کے مال کا ذکر کیا گیا ہے،حالانکہ ہر ایک مال جس میں حلال وحرام کو جمع کیا

گیا ہو، ناجائز ہے، خصوصیت کی وجہ شاید یہ ہو کہ میراث کے مال پر زیادہ نظر رکھنا اور اس کے انتظار میں ہونا بڑی کم ہمتی اور کم حوصلہ ہونے کی دلیل ہے کہ مردار خور جانوروں کی طرح تکتے رہیں کہ کب مال والا آدمی مرے اور کب ہمیں یہ مال حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ باہمت لوگ اپنی کمائی پر خوش ہوتے ہیں، مُردوں کے مال پر ایسی حریصانہ نظر نہیں ڈالتے۔

چوتھی بری عادت یہ بتلائی کہ کہ تم مال سے بہت محبت کرتے ہو، بہت کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ مال کی ایک درجہ میں محبت تو انسان کا فطری تقاضا ہے، وہ مذمت کا سبب نہیں، بلکہ اس کی محبت میں اتنا حد سے بڑھنا کہ حلال اور حرام کی تمیز نہ رہے مذمت کا سبب ہے۔

کافروں کی ان بری عادتوں کے بیان کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف واپس آئے جو شروع سورت میں بیان کی گئی ہیں، اس سلسلہ میں اوّل قیامت کے آنے کا ذکر فرمایا۔

اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا: مراد قیامت کا زلزلہ ہے جو پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے کردے گا، "دَكًّا" کو دوبارلانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ ایک دوسرے کے بعد لگاتار رہے گا۔

وَ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا: یعنی آئے گا آپ کا رب اور فرشتے صف بصف۔ مراد حشر کے میدان میں آنا ہے، اللہ تعالیٰ کے آنے کی شان کیا ہوگی، اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، فرشتوں کا صف بصف آنا ظاہر ہے، اس روز دوزخ کو لایا جائیگا۔ دوزخ کو لائے جانے کا کیا مطلب ہے؟ اور کس طرح حشر کے میدان میں لائی جائیگی؟ اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، ظاہر ہے کہ دوزخ ساتویں زمین کی تہ میں ہے، اُس وقت بھڑک اُٹھے گی اور سمندر سب آگ ہو کر اس میں شامل ہوجائیں گے، اس طرح دوزخ حشر میں سب کے سامنے آجائے گی۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى: اس جگہ "تَذَكَّرُ" سے مراد سمجھ میں آجانا ہے، یعنی: کافر کو اس روز سمجھ آئے گی کہ مجھے دنیا میں کیا کرنا چاہئے تھا اور میں نے کیا کیا؟ مگر اس وقت یہ سمجھ میں آنا

بے فائدہ ہوگا کہ عمل کا زمانہ گزر چکا، آخرت عمل کی جگہ نہیں ہے، بلکہ بدلہ ملنے کی جگہ ہے۔

"مسلم شریف" کی روایت میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: مال خدا کی نعمت ہے، مگر یہ جائز طریقے سے حاصل ہو تو اچھا ساتھی ہے، اس مؤمن کا مال جو اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے، اس کا مال اس کے حق میں بہتر ہے، اور جو شخص حق ادا نہیں کرتا، مال کی محبت میں گم ہے، نہ اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور نہ اس کے بندوں کا، نہ زکوٰۃ کی فکر ہے اور نہ صدقہ وخیرات کی تو ایسے شخص کے لئے یہی مال مصیبت ہے اور ذلت کا باعث ہے۔

مال کے پجاری سمجھتے ہیں کہ ان کی عیش وعشرت اسی طرح قائم رہے گی، انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، ایسے لوگ سخت غفلت میں مبتلا ہیں، اس غفلت و نادانی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان لوگوں کا خیال ہرگز درست نہیں کہ ان کا حساب نہیں ہوگا، ایک وقت آنے والا ہے جب ہر شخص کے عمل اسکے سامنے آئیں گے، اس سے باز پرس ہوگی، اگر اس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے غفلت میں گزار دی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکے گا۔

آخری منظر

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

کہے گا اے کاش کہ بھیج دیتا میں پہلے اپنی زندگی کے وقت (۲۴) پس اس دن نہ عذاب دے گا

عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّ لَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ

اسکا سا عذاب کوئی اور (۲۵) اور نہ گرفتار کریگا اسکا سا گرفتار کرنا کوئی اور (۲۶) اے نفس

الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ

اطمینان حاصل کیے ہوئے! (۲۷) واپس چل طرف رب اپنے کے خوش خوش پسند کیا ہوا (۲۸) پس داخل ہو

فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَ ادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾ ع ۲ ۱۴

میں بندوں میرے (۲۹) اور داخل ہو جنت میں میری (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ انسان قیامت کے دن کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں کچھ اپنی زندگی میں آگے بھیج دیتا۔ (۲۴) پھر اس دن اس جیسا عذاب کوئی نہ دے گا۔ (۲۵) اور نہ کوئی اس کی طرح باندھے اور جکڑے گا۔ (۲۶) اے وہ جی! جس نے چین پکڑ لیا۔ (۲۷) پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ (۲۸) پس! داخل ہو میرے بندوں میں۔ (۲۹) اور داخل ہو میری جنت میں۔ (۳۰)

لفظی تحقیق: لِحَيَاتِيْ: اپنی زندگی کے زمانے میں۔ یعنی: جب دنیا میں زندہ تھا۔ یہ لام وقت ظاہر کرتا ہے۔ يُوْثِقُ: باندھے گا۔ مضارع کا صیغہ ہے "ایثاق" سے جو اصل میں "اوثاق" ہے جو و۔ ث۔ ق سے بنا ہے، "وثوق" اعتماد مضبوطی۔ "ایثاق" مضبوط کرنا، جکڑنا۔ رَاضِيَةً: خوش اسم فاعل مؤنث ہے۔ ر۔ ض۔ و سے رضا کے معنی کسی سے خوش ہوجانا۔ مَرْضِيَّةً: پسندیدہ۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن وہ شخص جس نے دنیا میں اللہ کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا اور قرآن حکیم کا کہنا نہ مانا تھا، قیامت کے دن وہ کہے گا کاش! میں جب دنیا میں زندہ تھا، اس وقت ایسے نیک کام کر لیتا، جو آج یہاں کام آتے، اللہ تعالیٰ اس دن ایسا عذاب دیگا جو دوسرا کوئی نہیں دے سکتا اور ایسے جکڑے گا کہ کوئی نہیں جکڑ سکتا۔

اس کے مقابلہ میں جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی باتوں سے دنیا میں مطمئن ہو کر نیک عمل کئے تھے اور ان باتوں میں کوئی شک وشبہ اس کے دل میں نہ رہا تھا، اس سے کہا جائے گا کہ آج تو اپنے رب کی طرف خوش خوش چل تو اس سے خوش اور وہ تجھے اپنا بندہ بنانے میں خوش، اس سے ارشاد ہوگا: آج تو میرے بندوں میں داخل ہو جا

اور میری جنت میں رہ۔

اس دن نیکوکار بھی افسوس کریں گے، کاش کہ! کچھ اور نیکی کر لیتے تو آج کام آتی، بدکار تو سخت افسوس کریں گے کہ انہوں نے تو زندگی ہی برباد کردی۔ کہیں گے: اللہ نے ہمیں زندگی دی، مہلت دی، مگر ہم نے کچھ نہ کیا، ساری عمر ضائع کردی، اس دن انسان کہے گا، کاش! میں نے اپنی زندگی میں کچھ آگے بھیجا ہوتا، کوئی نیک عمل کئے ہوتے، جو آج کام آتے۔

فَيَوْمَئِذٍ: پس! اس دن اللہ تعالیٰ اتنی سخت سزا دے گا کہ اس جیسی سخت سزا کوئی نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ کی سزا آج انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ دنیا کی سزائیں جسمانی سزائیں ہیں، کسی کو مارا پیٹا یا جیل میں ڈال دیا، یہ سزائیں انسان برداشت کرسکتا ہے، کیونکہ ان سزاؤں کا اثر انسان کے دماغ پر نہیں ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ آخرت میں ایسی سزا دے گا کہ کافروں کے دل ودماغ کو بھی سزا دیگا، کسی دوسری طرف لگنے ہی نہیں دے گا، یہ ذہنی سزا ہوگی جس میں بے حد تکلیف ہے؛ اس لئے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس سزا میں ایسا جکڑے گا کہ ایسا جکڑنے والا اور کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سخت ہوگی۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے، یہ حدیث سن کر حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ سے ملنا تو موت ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، لیکن موت تو ہمیں یا کسی کو بھی پسند نہیں، آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں! حقیقت یہ ہے کے مؤمن کو موت کے وقت فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی خوشخبری دیجاتی ہے جس کو سن کر اسکو موت زیادہ محبوب ہوجاتی ہے، اسی طرح کافر کو موت کے وقت عذاب اور سزا سامنے کردی جاتی ہے؛ اسلئے اسکو اس وقت موت سے بڑھ کر کوئی چیز بری معلوم نہیں ہوتی۔

اٰیاتھا — ۲۰ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ۱

سورۃ البلد مکی ہے اس میں بیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

شہری زندگی کی طرف نظر کرو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ② وَوَالِدٍ
یہ بات نہیں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی (۱) اور آپ ٹھہریں اس شہر میں (۲) اور والد کی

وَّ مَا وَلَدَ ۙ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۭ④ اَيَحْسَبُ اَنْ
اور جو پیدا ہوا اسکی (۳) البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو میں مشقت (۴) کیا گمان کرتا ہے وہ کہ

وقف لازم

لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ⑤ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۭ⑥ اَ
ہرگز نہیں قدرت رکھتا ہے پر اس کوئی (۵) کہتا ہے خرچ کر ڈالا میں نے مال تہہ بہ تہہ (۶) کیا

يَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۭ⑦ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ⑧
گمان کرتا ہے کہ نہیں دیکھا اسکو کسی نے (۷) کیا نہیں بنائیں ہم نے اسکے لیے دو آنکھیں (۸)

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ⑨ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ⑩
اور زبان اور ہونٹ دو (۹) اور سمجھائے ہم نے اسے دو راستے (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی۔ (۱) اور آپ اُترے ہوئے ہیں اس شہر میں۔ (۲) اور باپ کی اور اس کی اولاد کی۔ (۳) تحقیق ہم نے محنت میں گرفتار بنایا انسان کو۔ (۴) کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا۔ (۵) کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا۔ (۶) کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو

کسی نے نہیں دیکھا۔(۷) بھلا ہم نے نہیں دیں اسے دو آنکھیں۔(۸) اور زبان اور دو ہونٹ۔(۹) اور دِکھلا دیں اسے دو گھاٹیاں۔(۱۰)

لفظی تحقیق: حِلٌّ: نازل، مقیم۔ کَبَدٍ: محنت مشقت سے مراد یہ ہے کہ انسان محنت اور کام کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ لُبَدًا: ڈھیر سارا۔"لُبدۃ" کی جمع ہے۔نَجْدَیْنِ،"نَجْدَ" کا تثنیہ منصوب ہے۔"نَجْدَ" اُونچے مقام کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد اونچا اور بڑا درجہ ہے۔یعنی: بھلے برے میں تمیز کرنا۔

تفسیر

سورت کے شروع میں دو چیزوں کی قسم کھا کر بات سمجھائی گئی ہے، پہلی قسم مکہ کے شہر کی ہے، اور دوسری باپ بیٹے کی، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی، خصوصاً جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس شہر میں رہتے ہیں جو کہ احترام اور عزت والا شہر ہے، اور آپ کے رہنے کی وجہ سے اور بھی زیادہ احترام والا بن گیا ہے۔

فرمایا: قسم ہے اس شہر کی،"حِلٌّ" کا ایک معنی تو یہ ہے کہ آپ اس میں رہتے ہیں، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ یہاں پر آپ کے لیے لڑائی بھی حلال ہوگی، یعنی آج تو آپ مجبوراً اس شہر کو چھوڑ رہے ہیں، مگر ایک وقت آئے گا، جب اس امن والے شہر میں آپ کے لئے لڑائی جائز ہوگی، اور آپ اس شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوں گے اور پھر مکہ کی فتح والے دن ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا: جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے، یہ شہر حرمت والا ہے، یہاں پر لڑائی جائز نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے تھوڑی دیر کے واسطے صرف میرے لیے لڑائی حلال قرار دی، اس کے بعد قیامت تک وہی قانون نافذ رہے گا کہ اس امن والے شہر میں لڑائی حلال نہیں ہوگی۔

وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ: اس آیت میں جس باپ اور بیٹے کی قسم اُٹھائی گئی ہے اسکی تعیین میں بہت سارے قول ہیں لیکن ہمارے نزدیک زیادہ وزنی بات یہ ہے کہ باپ سے مراد ابراہیم اور بیٹے سے مراد اسماعیل علیہما السلام ہیں، کیونکہ ان دونوں حضرات نے ہی مکہ شہر کو بسایا اور خانہ کعبہ کو تعمیر کیا، سورت کے شروع میں مکہ شہر کی قسم اُٹھانے سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ باپ بیٹے سے مراد ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام ہیں۔

اَیَحْسَبُ: کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہیں، اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، وہ جس طرح چاہے، آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے، اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے بہت سامال ہلاک کیا ہے، یعنی مختلف انداز ہیں، کوئی شراب اور بدکاری میں خرچ کرتا ہے، کوئی بے ہودہ رسموں میں خرچ کر کے سکون تلاش کرتا ہے، کوئی دین کی مخالفت میں خرچ کر کے سکون تلاش کرتا ہے۔

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَہٗۤ اَحَدٌ: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے، کہ اسے کوئی نہیں دیکھتا، خواہ جو چاہے کرے، اگر وہ ایسا خیال کرتا ہے، تو غلط ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ سب انسانوں کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ جب چاہے گا پکڑ لے گا، کیا انسان اس معاملے میں جاہل ہے یا وہ غافل ہے، مگر ہم نے تو انسان کو دیکھنے اور غور کرنے کے لیے اعضاء دیئے ہیں، کیا وہ ان کو وہ کام میں نہیں لاتا؟ کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لیے دو آنکھیں نہیں دیں، اللہ تعالیٰ کی یہ بہت بڑی نعمت ہے، ان آنکھوں کی قدر و قیمت ان سے پوچھو، جو اس نعمت سے محروم ہیں، تمہیں یہ آنکھیں اس لیے دی ہیں، تاکہ ہر چیز کو غور سے دیکھ سکو، ان کے ذریعہ کتاب کو پڑھ سکو، قرآن پاک پڑھ سکو، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارے دیکھو! اللہ تعالیٰ نے یہ اعلیٰ نعمت عطا کی ہے۔

وَلِسَانًا: اور زبان دی تاکہ اس سے بات چیت کر سکے، جس چیز کا علم نہ ہو، وہ پوچھ لے۔ قرآن پاک کا فرمان ہے، اگر کوئی بات معلوم نہیں ہے تو جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو۔ وہ تم کو بتلائیں گے کہ یہ بات درست ہے اور یہ غلط ہے، زبان کے علاوہ ہم نے دو ہونٹ بھی عنایت کیے، انہیں ذرا ہلاؤ اور بات پوچھ لو! یہ بھی تمہارے لیے ایک نعمت ہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان دی، اور ہونٹ دیے تاکہ ان سے کام لے اور انجانی بات کو معلوم کر لے۔

وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ: اور ہم نے اسکو دو (۲) راستے بتا دیئے یعنی: دودھ پینے کیلئے ماں کے پستان۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے، لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ "اَلنَّجْدَیْنِ" سے مراد خیر و شر اور ہدایت اور گمراہی کے راستے ہیں۔

اس آیت میں ان نعمتوں ں کا ذکر ہے جواللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دی ہیں، ان میں پہلے دو آنکھوں کا ذکر فرمایا کہ: آنکھ کے نازک پردے (رگیں) ان میں قدرتی روشنی، پھر آنکھ کہ یہ نازک ترین عضو ہے؛ اس لیے اسکی حفاظت کے لیے اوپر ایسے پردے ڈالدیئے جو خود کار آٹومیٹک مشین کی طرح جب کوئی نقصان پہنچانے والی چیز سامنے سے آتی دکھائی دے، خود بخود بند ہوجاتے ہیں، ان پرَدوں کے اوپر پلکوں کے بال کھڑے کردیئے کہ گرد وغبار کو روک لیں، اسکے اوپر بھوؤں کے بال رکھے کہ اوپر سے آنیوالی چیز براہ راست آنکھ میں نہ پہنچے، اس کو چہرے کے اندر اس طرح فٹ کیا گیا کہ اوپر سخت ہڈی ہے، نیچے رخسارہ کی سخت ہڈی ہے، آدمی کہیں چہرے کے بل گرجائے یا اس کے چہرے پر کوئی چیز آپڑے تو اوپر اور نیچے کی ہڈیاں آنکھ کو بچالیں گی۔

دوسری چیز زبان ہے، جو دل کی ترجمان ہے، اسکے حیرت انگیز طریقہ کار کو دیکھو کہ دل میں ایک مضمون آیا، دماغ نے اس پر غور کیا، اس کیلئے عنون اور الفاظ تیار کئے، وہ الفاظ اس زبان کی مشین سے نکلنے لگے، یہ اتنا بڑا کام کیسی جلدی کیساتھ ہورہا ہے کہ سننے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہوسکتا کہ ان الفاظ کے زبان پر آنے میں اسکے پیچھے کتنی مشیزی نے کام کیا ہے، تب یہ الفاظ زبان پر آئے ہیں، زبان کیساتھ ہونٹوں کا ذکر اسلئے بھی فرمایا کہ: زبان کے کام میں ہونٹ بڑے مددگار ہیں، آواز وحروف کی شکلیں وہی بناتے ہی اور شاید اسلئے بھی کہ قدرت نے زبان کو ایسی تیز کام کرنے والی مشین بنایا ہے کہ آدھے منٹ میں اس سے ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا ہے جو اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچادے، جیسے کہ ایمان کا کلمہ۔ یا دنیا میں دشمن کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنادے جیسے پچھلے قصور کی معافی، اور اسی زبان سے اتنے ہی وقت میں ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا ہے جو اس کو دوزخ میں پہنچادے جیسے کفر کا کلمہ، یا دنیا میں اسکے بڑے سے بڑے مہربان دوست کو اسکا دشمن بنادے جیسے گالی گلوچ وغیرہ، جس طرح زبان کے صحیح استعمال کے فائدے بیشمار ہیں اسی طرح اس کے غلط استعمال کے نقصان بھی زیادہ ہیں، گویا یہ ایک دودھاری تلوار ہے جو دشمن پر بھی چل سکتی ہے اور خود اپنا گلا بھی کاٹ سکتی ہے، اسلئے اسکے استعمال میں سوچ سمجھ سے کام لے، بے موقع زبان سے کوئی بات نہ نکالے۔

افسوس! جو کرنا تھا نہ کیا

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ

پس نہ داخل ہوا وہ گھاٹی میں (۱۱) اور کس نے بتایا آپ کو کیا ہے وہ گھاٹی (۱۲) چھڑانا

رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾

گردن کا (۱۳) یا کھانا کھلانا میں دن والے بھوک (۱۴) ایسے یتیم کو جو والا قرابت (۱۵)

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

یا محتاج کو جو خاک میں مل رہا ہو (۱۶) پھر ہو سے ان لوگوں میں جو ایمان لائے اور

تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

آپس میں نصیحت کی صبر کی اور آپس میں نصیحت کی رحم کرنے کی (۱۷) یہی لوگ ہیں والے

الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾

دائیں (۱۸) اور جنہوں نے انکار کیا آیتوں کا ہماری وہی ہیں والے بائیں (۱۹)

ع ۲۰ ۱۵ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

پر اُن آگ ہے بند کی ہوئی (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس وہ گھاٹی میں داخل ہوا۔ (۱۱) اور آپکو کیا معلوم وہ گھاٹی کیا ہے۔ (۱۲) قیدی کو آزاد کرانا۔ (۱۳) یا بھوک کے دن میں کھلانا۔ (۱۴) یتیم کو جو قرابت والا ہے۔ (۱۵) یا محتاج کو جو خاک میں مل رہا ہے۔ (۱۶) پھر ہو وہ ایمان والوں میں جو آپس میں ایک دوسرے کو صبر اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ (۱۷) وہ لوگ دائیں طرف والے نصیب والے ہیں۔ (۱۸) اور جنہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا، وہ بائیں طرف والے کم بخت ہیں۔ (۱۹) انہی پر آگ ہے بند کی ہوئی۔ (۲۰)

لفظی تحقیق: اِقْتَحَمَ: ہمت کر کے گھس گیا۔ "قحم" کے معنی بے دھڑک اندر چلے آنا۔ "اِقْتَحَمَ"

کے بھی یہی معنی ہیں۔مگر ذرا مبالغہ کے ساتھ۔ مَسْغَبَةٍ: بھوک۔ مصدر میمی ہے س۔غ۔ب "سغب" اور "سغبة" دونوں کے معنی بھوک کے ہیں۔ بھوک کے دن سے مراد قحط کا زمانہ ہے۔ مَتْرَبَةٍ: مٹی خاک۔ مصدر میمی ہے ت۔ر۔ب سے "تراب" اور "مَتْرَبَةٍ" دونوں کے معنی مٹی کے ہیں۔ مٹی میں ملنے سے مراد محتاج ہونا ہے۔ مُؤْصَدَةٌ: سب طرف سے بند) اسم مفعول مؤنث "اِیصاد" سے جس کا مادہ ا۔ص۔د ہے، "اِیصاد" کے معنی ہر طرف سے بند کر دینا۔

تفسیر

انسان کی اجتماعی زندگی چاہتی ہے کہ ہر شخص فقر و فاقہ کے زمانے میں اپنے مال سے دوسروں پر بھی خرچ کرے اور چونکہ یہ دشوار کام ہے، اسلئے ایسا سمجھو جیسے پہاڑ پر چڑھنا۔ انسان کو چاہیے کہ غلاموں اور قیدیوں کو دوسروں کی گرفت سے نجات دِلائے اور جب غلہ مہنگا ہو اور لوگ بھوکے مر رہے ہوں تو اپنے رشتہ دار یتیموں کو اور خاک پر پڑے ہوئے محتاجوں کو کھانا کھلائے اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، لوگوں کو برداشت کی تلقین اور آپس میں رحم کھانے کی تاکید کرتا رہے، جو یہ باتیں اختیار کرے گا وہ بڑا خوش قسمت ہے دوسری طرف جو لوگ ہماری آیتوں کا انکار کریں گے، وہ بڑے بدقسمت لوگ ہیں، انہیں دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا اور آگ میں ڈال کر ہر طرف سے اس کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ: گھاٹی پر چڑھنا مشقت طلب کام ہے اور یہ کام صبر سے طے کیا جا سکتا ہے، فرمایا: آپ کو کس نے بتلایا کہ اُونچی گھاٹی کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب میں فرمایا: غلاموں کو آزاد کرنا، جب قرآن پاک اُترنے لگا تو اس زمانے میں ساری دنیا میں غلامی پھیلی ہوئی تھی اس کا عام رواج تھا، اسلام نے اصلاح شروع کی اور بتایا کہ غلامی اچھی چیز نہیں ہے، یہ خلافِ فطرت چیز ہے، ہر انسان کو آزادی کا حق حاصل ہے، غلام اور آزاد برابر نہیں ہو سکتے، غلام کی ذہنیت پست ہوتی ہے؛ اس لیے قرآن پاک نے آزادی کے راستے کی طرف

رہنمائی کی اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی مختلف جرموں اور گناہوں کا کفارہ غلام کی آزدی قرار دیا۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قسم کا کفارہ غلام کی آزادی ہے، اگر کوئی شخص ظہار کا مرتکب ہوا ہے، یعنی: اپنی بیوی کو ماں کہہ دیا ہے تو کفارہ میں پہلا نمبر غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر کسی نے غلطی سے قتل کردیا ہے تو حکم ہے کہ مومن غلام آزاد کرو، مفت آزادی کے علاوہ ایک اور طریقہ بھی بتایا کہ غلاموں کو مکاتب بنالو، یعنی: ان کے ساتھ طے کرلو کہ اتنے عرصے میں اتنی رقم ادا کردیں تو آزاد ہیں، کاروبار کے لیے آزادی دے دو اور جب وہ مقرر رقم ادا کردیں تو ان کو مکمل آزادی دے دو، پھر مکاتب کی امداد کی ترغیب دی، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو مکاتب کی مدد کرو، تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کرسکیں، چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسا کرتے رہتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تجارت کرتے تھے، اور بڑے مالدار تھے، جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو خالی ہاتھ تھے، انصار نے مدد کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے بازار کا راستہ بتادو، میں اللہ تعالیٰ کا فضل خود تلاش کروں گا، چنانچہ پہلے ہی روز جو تھوڑا بہت کام کیا، اس سے اپنے لیے کھانے پینے کا سامان خرید لائے، اللہ تعالیٰ نے کاروبار میں بڑی برکت عطا کی۔ خوب مال و دولت کمایا، زمین اور باغات خریدے، پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے مال دیا، اسی طرح آپ نے خرچ بھی کیا، روایت ہے کہ آپ نے تیس ۳۰ ہزار غلام خرید کر آزاد کیے، امہات المومنین رضی اللہ عنہم کے لیے ایک باغ وقف کردیا، جس کی مالیت چار لاکھ تھی۔

اس زمانے میں غلام بڑی قیمت پاتے تھے، کہتے ہیں کہ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک غلام تھا، جس کی قیمت دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار تھی، اتنا قابل غلام تھا لوگوں نے خریدنا چاہا تو آپ نے انکار کردیا، فرمانے لگے: میں نے یہ اللہ کے راستے میں آزاد کردیا ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خوب دولت کمائی اور ایک ہزار غلام آزاد کیے۔

یہ ہے فَكُّ رَقَبَةٍ: غلاموں کو آزاد کرنا اور کرانا اور اسی عمل کو اونچی گھاٹی پر چڑھنا کہا گیا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ "فَكُّ رَقَبَةٍ" سے مراد محض غلامی سے آزادی ہی نہیں بلکہ اگر کوئی جائز کام کی وجہ سے

مقروض ہوگیا ہے تو اسے قرض سے نجات دلا دینا بھی "فَكُّ رَقَبَةٍ" ہی ہے، اسی طرح جہالت سے نجات دلانا بھی اسی ضمن میں آتا ہے، علم کو عام کرنے کے لیے دولت خرچ کرو۔

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ: کسی بھوک والے دن کھانے کا انتظام کرنا، خاص طور پر جب اناج کی قلت ہو تو یتیم اور رشتہ داروں کے لیے کھانے کا انتظام کرنا یا اس کے معاش کا بندوبست کرنا، یہ بھی اونچی گھاٹی پر چڑھنے کے برابر ہے، مٹی میں ملے ہوئے مسکین کے لیے کھانے کا بندوبست کرنا یہ بھی اونچی گھاٹی پر چڑھنا ہے۔

الغرض! اونچی گھاٹی پر چڑھنا دو طرح سے ہے: پہلا یہ کہ غلام کو آزاد کیا جائے، اور دوسرا یہ کہ قریبی یتیم یا مسکین کے کھانے اور اس کی معاش کا بندوبست کیا جائے۔

اونچی گھاٹی پر چڑھنے والے ایمان داروں کی صفت یہ بھی ہے کہ وہ صبر اور رحم کی وصیت کرتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا، یہ بھی فرمایا: جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا تم لوگوں پر رحم کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ: ایسے ہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ قیامت کے روز ان لوگوں کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا: جو ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں یہ لوگ نحوست والے ہیں، "مَشْئَمَةِ" کا معنی شامت، نحوست، بدبختی ہے، یہ بائیں ہاتھ والے ہیں، انہیں حقیقی سکون حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ بند کی ہوئی آگ میں رہیں گے، ان کے لیے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں۔

سورۂ شمس کا خلاصہ

اس سورت میں انسان کو اپنے آپ کو درست کرنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے، کیونکہ کسی انسان کو اپنی زندگی بہتر بنانے سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیے، اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کا نظام اس پر قائم ہے کہ اس میں ایک

دوسرے کے مقابل کی چیزیں پیدا کی گئی ہیں۔سورج کی گرمی، چاند کی ٹھنڈی روشنی،دن کا اُجالا،رات کی تاریکی،اونچا آسمان اور نیچی زمین۔دنیا کی گرمی اور ٹھنڈک،اُجالے اور اندھیرے،بلندی اور پستی کا نمونہ انسان کے اپنے اندر موجود ہے،اس کے نفس میں بھلائی اور برائی دونوں کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے،اگر یہ بھلائی کی طرف جھکے گا تو زندگی میں کامیاب ہوگا اور برائی کی طرف جھکے گا تو تباہ و برباد ہوگا۔

ثمود کی قوم کے حالات پر نظر کرو، وہ لوگ برائی کی طرف مائل ہوئے اور ان کے ایک بد بخت شخص نے اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔آخر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں سب کچھ اور اسے اپنے کام کے نتیجوں کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

آیاتھا — ۱۵ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ۱

سورۃ الشمس مکی ہے اس میں پندرہ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

دنیا اور انسان کی پیدائش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰىهَا ۝۱ وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَ النَّهَارِ

قسم سورج کی اور اسکی چڑھی ہوئی دھوپ کی (۱) اور چاندکی جب وہ پیچھے آئے اسکے (۲) اور دن کی

اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَ السَّمَآءِ وَ مَا

جب وہ روشن کرے اسے (۳) اور رات کی جب وہ ڈھانک لے اسے (۴) اور آسمان کی اور جس نے

بَنٰىهَا ۝۵ وَ الْاَرْضِ وَ مَا طَحٰىهَا ۝۶ وَ نَفْسٍ وَّ مَا

قائم کیا اسے (۵) اور زمین کی اور جس نے پھیلایا اسے (۶) اور انسان کے جی کی اور جس نے

سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ
ٹھیک کیا اسے (۷) پس دل میں ڈالی اسکے بدکاری اس کی اور پرہیزگاری اس کی (۸) تحقیق کامیاب ہوا جس نے

زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ
پاک کیا اسے (۹) اور تحقیق نامراد ہوا جس نے خاک میں دیا اسے (۱۰) جھٹلایا ثمود نے

بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
بوجہ سرکشی اپنی کے (۱۱) جب کہ اُٹھ کھڑا ہوا بدبخت ترین اُنکا (۱۲) پس کہا اُن سے پیغمبر نے اللہ کے

نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ
خیال رکھو اونٹنی اللہ کی کا اور اسکی پینے کی باری کا (۱۳) پس جھوٹا ٹھہرایا انہوں نے اسے پس ٹانگیں کاٹ دیں اُونٹنی کی پس تباہی ڈالی

ع ۱۵ / ۱۶ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾
پر اُن رب نے اُنکے بہ سبب گناہ کے اُنکے پس برابر کر دیا انہیں (۱۴) اور نہیں ڈرتا وہ نتیجہ سے اسکے (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے سورج کی اور اس وقت کی جب دھوپ چڑھ جاتی ہے۔(۱) اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے۔(۲) اور قسم ہے دن کی جب وہ اس سورج کو روشن کر دے۔(۳) اور قسم ہے رات کی جب وہ اس سورج کو ڈھانپ لیتی ہے۔(۴) اور قسم ہے آسمان کی اور اُس ذات کی جس نے اسے بنایا۔(۵) اور قسم ہے زمین کی اور اُس کی جس نے اسے بچھایا ہے۔(۶) اور قسم ہے جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔(۷) پس! اس کے دل میں ڈال دی اس کی بدکاری اور پرہیزگاری۔(۸) تحقیق مراد کو پہنچا جس نے نفس سنوار لیا۔(۹) اور نامراد ہوا جس نے نفس کو گناہوں کی خاک میں ملا دیا۔(۱۰) جھٹلایا ثمود نے اپنی سرکشی سے۔(۱۱) جب اُٹھ کھڑا ہوا ان میں کا بڑا بدبخت۔(۱۲) پھر ان سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے کہا: خبردار اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کا خیال رکھو اور اس کی پانی کی باری کا بھی خیال رکھو۔(۱۳) پھر انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا، پھر اونٹنی کی

ٹانگیں کاٹ ڈالی، پھر ان کے گناہوں کے سبب ان کے رب نے ان پر تباہی ڈالی، پھر سب کو برابر کردیا۔ (۱۴) اور وہ نہیں ڈرتا ان کے انجام سے۔ (۱۵)

لفظی تحقیق: طَحٰهَا: پھیلایا۔ ماضی کا صیغہ ہے ط۔ح۔و "طحو" کے معنی کسی چیز کو پھیلانا۔ بچھانا۔ فُجُوْرَ: ٹھیک راستہ سے ہٹ جانا۔ طَغْوٰی: سرکشی۔ یہ ط۔غ۔و سے اسم مصدر (حاصل مصدر ہے) اس کے معنی قانون کی حد سے باہر نکل جانا۔ دَسّٰی: خاک ڈالنا مٹی میں دھنسا دینا۔ دَمْدَمَ: تباہ کرنا۔ دَمْدَمَة: تباہ کرنا۔ د۔م۔م سے رباعی ہے اس کے بعد "علٰی" آئے تو یہ تباہ کرنے کے معنی دیتا ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: سورج کو اور اس کی دھوپ چڑھنے کے وقت کو دیکھو۔ چاند پر نظر ڈالو جب سورج پیچھے پیچھے چلتا ہے، سورج کی روشنی گرم ہے، چاند کی ٹھنڈی، پھر دن کو دیکھو! جو سورج کو ظاہر کرتا اور چمکاتا ہے، پھر رات کو دیکھو! جب وہ آ کر سورج کو چھپا لیتی ہے، اور ڈھانک لیتی ہے، آسمان کی طرف نظر کرو! اور اس نظام کو سوچو جس نے اسے ایک حال پر اپنی جگہ ٹھہرا رکھا ہے، زمین کو دیکھو! اور اس نظام پر غور کرو جس کے تحت وہ دور دور تک پھیلی ہوئی ہے، پھر انسان کے جی کی طرف دھیان کرو کہ! کس نے اس کے اندر دنیا کی ہر چیز کا نمونہ اور ہر حالت کا نشان اپنی اپنی مناسب جگہ بٹھا رکھا ہے، اور اس کو اس قدر سمجھ دی ہے کہ غلط اور صحیح راستہ میں فرق کرے اور اتنا اختیار دیا ہے کہ چاہے تو غلط راستہ پر چلے اور چاہے تو صحیح راستہ پر چلے۔

ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد تم اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کا کچھ اندازہ کر سکو گے، اس کے بعد تمہیں اس کا سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی عقل اور طاقت کو اپنی اصلاح میں خرچ کرے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب کی روشنی میں صحیح راستہ پر چلے، اسی میں اس کی بھلائی اور کامیابی ہے، اگر ایسا نہ کیا تو وہ اپنا ناس کرے گا اور سراسر نقصان اُٹھائے گا اور اپنی بداعمالیوں کی

سزا اوّل تو دنیا ہی میں اسے مل جائے گا اور اگر یہاں بچ گیا تو آخرت میں تو ہر حال میں سزا پائے گا۔

وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰىهَا: قسم ہے سورج کی اور اس وقت کی جب دھوپ خوب چڑھ جاتی ہے۔ ضُحٰی خوب دھوپ چڑھ جانے کے وقت کو کہتے ہیں؛ اسی لئے "صلوٰۃ الضحی" سے مراد چاشت یا اوّابین کی نماز ہے، یعنی: موسم گرما کا نو، دس بجے کا وقت ہے، جب گرمی کی خوب تپش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلی قسم سورج اور وقت ضحیٰ کی کھائی ہے پھر فرمایا: سورج اور چاند اپنے اپنے سفر پر رہے ہیں، آگے آگے سورج چل رہا ہے پیچھے پیچھے چاند آ رہا ہے، بعض مرحلے ایسے بھی آتے ہیں کہ سورج کے سامنے چاند بالکل غائب ہو جاتا ہے اور اس کی روشنی غائب ہو جاتی ہے، اس کے بعد فرمایا: قسم دن کی جب وہ اس سورج کو روشن کر دے، دن خوب روشن ہوتا ہے اور اس میں ہر چیز نظر آتی ہے، اس دوران میں دن سے متعلقہ کام کئے جاتے ہیں، قسم ہے رات کی! جب وہ سورج کو ڈھانپ لیتی ہے اور قسم ہے آسمان کی جس نے اسے بچھایا ہے یا ہموار کیا ہے اور قسم ہے جان کی! اور جس نے اسے ٹھیک بنایا، برابر کیا، اور اس میں تمام قوتیں مناسب طریقے پر رکھیں، اس کا مزاج درمیانہ بنایا، پس! الہام کر دیا نفس کو اس کی بدکاری اور پرہیزگاری۔

ارشاد ہے کہ: جس انسان نے اپنے نفس کو اس طرح سدھایا کہ وہ برائیوں میں لت پت نہ ہونے پایا اور ہمارے پیغمبر کی ہدایت اور کتاب کے مطابق چل کر اپنے آپ کو نقصان دینے والی باتوں سے بچایا، وہ شخص ہر طرح کامیاب ہوگا اور آخر اپنی مراد کو پہنچے گا، لیکن جو اپنے نفس کو برائیوں میں پھنسا دے گا اور اسے نقصان سے بچانے کی فکر نہ کریگا وہ سراسر نقصان میں رہے گا اور مرنے کے بعد دُکھ درد میں رہے گا، یہ ہے وہ نصیحت جو انسان کو اس سورت میں دی گئی ہے اور سورت کے آخری حصہ میں اسکو ثمود کی قوم کی مثال دیکر اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ ثمود کی قوم کا حال بیان کرنے کا مقصد مکہ والوں کو یہ بتانا ہے کہ جس طرح ثمود کی قوم نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور عذاب میں گرفتار ہوئے، اسی طرح تم بھی آخرت میں عذاب میں گرفتار ہو گے۔

ثمود کی مثال

ثمود کی قوم نے سرکشی کی اور اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا کہنا نہ مانا، ان کے کہنے پر اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر پہاڑ سے ایک اونٹنی نکالی، حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو ہدایت کر دی کہ اس کی حفاظت کرو اور جس دن اس کے پانی پینے کا دن ہوا، اس دن اپنے کسی جانور کو پانی نہ پلاؤ، ثمود کے مالداروں کو یہ بات ناگوار گزری، آخر ان کا ایک آدمی قذار بن سالف اُٹھا اور اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ کر اسے مار ڈالا، اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی سزا میں قوم کو کڑک اور زلزلے سے تباہ کر دیا، اللہ تعالیٰ جس کو سزا دینے پر آتا ہے تو وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا۔

وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا: وہ ناکام ہوا جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی مٹی میں ملا دیا، اُس نے اپنے نفس کو ضائع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے تو نیکی اور بدی کی حقیقت انسان کے دل میں ڈال دی، نفس کی پاکی کے تمام ذریعے دکھا دیے، مگر اُس نے ناقدری کی، اور نفس کو گندی چیزوں، یعنی: کفر اور شرک وغیرہ سے پاک نہ کیا، ایسا شخص ناکام ہو گیا، وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا۔

قوم ثمود حجاز اور شام کے علاقے وادی قریٰ سے وادی حجر تک آباد تھی، تبوک بھی ادھر ہی ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں سے جہاد کرنے کے لیے وہاں تشریف لے گئے، یہ جگہ مدینہ منورہ سے ۹ سو یا ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے، وادی حجر راستے میں پڑتی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وہاں سے گذر ہوا تو فرمایا: لوگو! اس وادی سے جلدی جلدی گذر جاؤ، کوئی شخص یہاں سے پانی نہ لے، سوائے اس کنویں کے جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی، جن لوگوں نے کسی دوسری جگہ سے پانی لیکر آٹا وغیرہ گوندھا تھا، آپ نے ضائع کرا دیا، آپ نے حکم دیا کہ اس وادی سے عاجزی کے ساتھ ڈرتے ہوئے نکل جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کا وہ قہر نازل ہو جائے، جو ثمود قوم پر نازل ہوا تھا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ: ثمود کی قوم نے اپنی سرکشی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی بات کو نہ مانا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی کی مثال بیان فرمائی، جب ان میں سے ایک بدبخت آدمی اُٹھ کھڑا ہوا، پس کہا ان کو

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صالح علیہ السلام نے: چھوڑ دو اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کو اور اس کے پانی پینے کو اس کے ساتھ چیڑ چھاڑ نہ کرنا ورنہ عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے، چونکہ اس کے قتل کرنے کے ارادہ کا اصل سبب پانی کی باری تھی، اسی لیے صالح علیہ السلام نے پانی کے بارے میں تنبیہ کردی اور اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عجیب طرح سے پیدا کر کے صالح علیہ السلام کے نبوت کی دلیل بنادیا تھا۔

صالح علیہ السلام کی قوم ہمیشہ آپ کو جھٹلاتی رہی، شرک کفر، غرور، عیاشی میں مبتلا قوم کو آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف دعوت دیتے رہے، مگر وہ قوم انہیں ماننے پر تیار نہ ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ ہم تمہیں پیغمبر نہیں مانتے کیونکہ تو ہمیں ہمارے خداؤں سے الگ کرنا چاہتا ہے، صالح علیہ السلام دلیل دیکر سمجھاتے کہ جن معبودوں کی تم عبادت کرتے ہو، ان کے سامنے سجدہ کرتے ہو۔ اور ان کی نذریں مانتے ہو، اِن کی تعظیم کرتے ہو، یہ تمہاری تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر وہ ہمیشہ آپ کو جھٹلاتے رہے۔ ثمود کی قوم کا سالانہ میلہ قریب تھا، وہاں سب لوگ جمع ہوتے تھے، ان کے بڑے بڑے معبود بھی لائے جاتے تھے، قوم نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمارے میلے میں شریک ہوں، آپ بھی اپنے رب سے اپنی خواہش کے مطابق دعا کریں۔ ہم بھی اپنے معبودوں کے پاس اپنی خواہش کے مطابق دعا کریں گے، وہاں پتہ چل جائے گا کہ آپ سچے ہیں یا ہمارے یہ معبود؟ صالح علیہ السلام نے موقع کو غنیمت جانا، اور اس دعوت کو قبول کر لیا، اور میلے میں شریک ہو گئے۔ قوم نے اپنے بتوں کے سامنے رو کر حاجتیں مانگنا شروع کیں، مگر ان کی کوئی خواہش پوری نہ ہوئی، اب انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ صالح علیہ السلام سے کوئی ایسا مطالبہ کرنا چاہئے، جو پورا نہ ہو سکے، چنانچہ کہنے لگے کہ اے صالح! اگر آپ سچے ہیں تو اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ اس پتھر کی چٹان سے چٹان جتنی بڑی اونٹنی نکالے، جو بے عیب ہو، دس ماہ کی گابھن ہو، اس کی پیشانی سیاہ ہو، اور ہمارے سامنے بچہ دے، ہم آپ کو مان لیں۔

صالح علیہ السلام نے ان کی بات مان لی، اور اپنے پیروکاروں کو لے کر نکلے، پہلے نماز ادا کی اور اس کے بعد نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، پیروکاروں نے آمین کہی، اور باقی لوگ ہزاروں کی تعداد میں گھیرا

باندھے کھڑے تھے اور دُعا کی قبولیت کے انتظار میں تھے، دیکھتے ہی دیکھتے صالح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، چٹان پھٹی اور اس میں سے بڑی قد آور اونٹنی نکلی، جو چٹان جتنی بڑی تھی، اور وہ گابھن بھی تھی، سفید رنگ اور سیاہ پیشانی والی اونٹنی چرنے لگی، پھر تھوڑی دیر بعد اونٹنی کو بچے کی پیدائش کا درد شروع ہوا، اور اس نے بچہ دیا، یہ معجزہ دیکھ کر تقریباً چھ ہزار آدمی وہیں ایمان لے آئے اور باقی لوگوں نے اسے جادو کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا۔

چونکہ یہ اونٹنی غیر معمولی طور پر پیدا ہوئی تھی، اس سے ان کے جانورں کو بڑی دہشت آتی تھی، جانور اس سے ڈرتے تھے، جہاں یہ اونٹنی چرتی، وہاں کوئی دوسرا جانور نہ جاتا اور جہاں یہ پانی پیتی، وہاں پر کوئی دوسرا جانور نہ پھٹکتا تھا، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں وادی حجر کے اس مقام پر گیا، جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی بیٹھا کرتی تھی، میں نے اس جگہ کی اپنے ہاتھ سے پیائش کی، تو وہ جگہ نوے فٹ نکلی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اونٹنی کتنی بڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ پانی پینے کی باری مقرر کرلو۔ ایک دن یہ اونٹنی اس کنویں پر پانی پیئے گی، کوئی دوسرا جانور یا شخص کنویں کے قریب نہیں آئیگا اور دوسرے دن باقی لوگ اور ان کے جانور پانی استعمال کرسکیں گے باری مقرر ہوگئی، لوگ رضامند ہوگئے، مگر قوم کے گھٹیا لوگ اس معاہدے پر قائم نہ رہے۔

قوم ثمود میں قدار بن سالف نام کا ایک شخص تھا، اس کے عنیزہ نامی ایک فاحشہ عورت کے ساتھ تعلقات تھے، عورت بڑی خوبصورت اور دولت مند تھی۔ لوگوں نے ان دونوں سے کہا کہ آپس میں نکاح کرلیں، عورت کے بہت سے جانور تھے جو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے پریشان رہتے تھے، چنانچہ اس عورت نے نکاح کے لیے یہ شرط مقرر کی کہ اگر اس اونٹنی کو قتل کر دو، تو وہ نکاح کرے گی، قدار نے جو کہ سرخ رنگ اور ٹھگنے قد کا آدمی تھا، اس شرط کو قبول کرلیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: قدار اونچے خاندان کا فرد تھا، اس کے بہت سے دوست تھے جن کی وجہ سے طاقتور سمجھا جاتا تھا، ویسے بھی بہت بڑا ظالم تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مثال مکے کے ابوزمعہ سے دی، قدار

بہت بڑا فسادی تھا، اس کے ساتھ دوسرے نوغنڈے بھی تھے، جو اس کے حمایتی تھے، ان کا ذکر "سورۃ نمل" میں موجود ہے کہ اس شہر میں نوغنڈے قسم کے لوگ تھے، جنکا کام ہی فتنہ وفساد برپا کرنا تھا۔

غرض! اس عورت کی فرمائش پر ان لوگوں نے طے کیا کہ اونٹنی کے آنے جانے کے راستے میں چھپ کر بیٹھ جائیں اور جونہی وہ اِدھر سے گذرے، اس پر اچانک حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ لوگ ایک درّے میں چھپ کر بیٹھ گئے، جب اونٹنی وہاں سے گذری تو انہوں نے حملہ کر دیا، اونٹنی زخمی ہوئی مگر وہاں سے آگے نکلی، قدار نے اس پر تلوار سے حملہ کر کے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، چنانچہ اونٹنی گر گئی، پھر سب نے مل کر تلواروں سے اس کے ٹکڑے کر دیئے اور اونٹنی کا گوشت تقسیم کیا۔ اپنی اس کامیابی پر حضرت صالح علیہ السلام کے دشمن بہت خوش ہوئے کہ ہمیں اس اونٹنی سے چھٹکارا مل گیا۔

اونٹنی تو ہلاک ہوگئی مگر قوم کو اس کی ہلاکت سے بہت بڑا نقصان اُٹھانا پڑا، کہ ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے (معاملہ) اُلٹ دیا اور سزا میں سب کو برابر کر دیا۔ ایک چیخ آئی اور زلزلہ آیا، جس سے سب ملیا میٹ ہوگئے ایک بھی کافر زندہ نہ بچا۔

"مسند احمد" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے لوگو! اپنے منہ سے نشانیاں نہ مانگو، دیکھو! ثمود کی قوم نے اپنے منہ سے نشانی مانگی۔ پھر اس کی ناقدری کی تو اللہ تعالیٰ کا ایسا غضب بھڑکا کہ اس نافرمان قوم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔

اس وقت قوم کا ایک آدمی حرم شریف میں تھا جس کو ابورغال کہتے تھے، وہ سزا سے بچ گیا، کیونکہ وہ مکہ میں تھا، مگر جب وہ حرم سے نکل کر طائف کی طرف روانہ ہوا تو اس پر بھی وہی عذاب نازل ہوا، جو قوم پر ہوا تھا، اس کی قبر کا نشان وہاں موجود تھا، لوگ اس پر پتھر مارتے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو فرمایا: معلوم ہے کہ لوگ یہاں پتھر کیوں مارتے ہیں؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: حضور! اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغمبر ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ ابورغال کی قبر ہے، جو ثمود کی قوم کا آدمی تھا، جب تک حرم میں موجود رہا، عذاب سے محفوظ

رہا مگر جب وہاں سے نکلا تو اس کو بھی عذاب نے پکڑ لیا، فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ اس شخص کے پاس سونے کی چھڑی تھی، اس کی قبر اُکھاڑی گئی تو لاش تو گل سڑ کر ختم ہوگئی تھی، مگر سونے کی چھڑی وہاں موجود تھی، اس طرح اس شخص کی نشاندہی بھی ہوگئی۔

ثمود کی قوم کی مثال بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اتنی سخت سزا دینے کے بعد اس کے نتیجے کی پروا نہیں کرتا، دنیا کے بادشاہ کسی کو سزا دے کر ڈرتے رہتے ہیں کہ بغاوت نہ ہوجائے، لوگ مخالفت میں نہ اُٹھ کھڑے ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب دینے کے بعد اس کے انجام سے نہیں ڈرتا۔

سورۃ الّیل کا خلاصہ

قرآن حکیم کی بتائی ہوئی اچھی باتوں کو سچ ماننا ان کو بے چون و چرا قبول کر لینا، یہ سب اچھے راستے کی نشانیاں ہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ٹھیک راستہ پر چل رہے ہیں، برخلاف اس کے بخل کرنا، اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی باتوں سے بے پروائی کرنا، جنت اور دوزخ کی ہنسی اڑانا، اچھے کاموں اور اچھی عادتوں کو محض بناوٹی باتیں کہنا اور کہنا کہ یہ بعض لوگوں نے کسی غرض سے گھڑ لی ہیں، یہ سب برے راستہ کی نشانیاں ہیں، لوگ ایسا کرتے ہیں وہ غلط راستہ پر چل رہے ہیں، جن لوگوں نے اچھا راستہ اختیار کیا، وہ آرام و آسائش کی جگہ، یعنی: جنت میں پہنچ جائیں گے اور جنہوں نے برا راستہ اختیار کیا، وہ مشکل میں پھنس جائیں گے اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا، مال اور دولت پر مغرور ہونا بے کار ہے، یہ انسان کے کسی کام نہ آئے گا یہ صرف اسی کو نفع دے گا جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرے گا اور کسی پر احسان نہ جتائے گا، ایسے لوگ جنت میں ہنسی خوشی جائیں گے۔

آیاتھا — ۲۱ سُوْرَةُ الَّیْلِ مَکِّیَّة رکوعاتھا — ۱

سورۃ الشمس کی ہے اس میں پندرہ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

جیسا عمل ویسا بدلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۝۱ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۝۲ وَ مَا خَلَقَ

قسم رات کی جب ڈھانک لے (۱) اور دن کی جب روشن ہو (۲) اور جس نے پیدا کیے

الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰٓی ۝۳ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۝۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی

نر اور مادہ (۳) تحقیق کوشش تمہاری الگ الگ ہے (۴) پس رہا وہ جس نے دیا

وَ اتَّقٰی ۝۵ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝۶ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۝۷

اور پرہیزگار رہا (۵) اور سچ جانا بھلی بات کو (۶) تو ہم اسکو آہستہ آہستہ پہنچادینگے آسانی والی جگہ (۷)

وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ۝۸ وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝۹

اور رہا وہ جس نے بخل کیا اور غنی بن بیٹھا (۸) اور جھٹلایا بھلی بات کو (۹)

فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝۱۰

پس عنقریب آسان کردینگے ہم اس پر سختی (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔ (۱) قسم ہے دن کی جب روشن ہو۔ (۲) قسم ہے اس کی جس نے نر مادہ پیدا کیے۔ (۳) تمہاری کمائی طرح طرح کی ہے۔ (۴) سو! جس نے دیا اور ڈرتا رہا۔ (۵) اور بھلی بات (کلمہ توحید) کو سچ کہا۔ (۶) تو ہم اسے آہستہ آہستہ آسانی میں پہنچا دیں گے، یعنی: جنت میں۔ (۷)

اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا۔(۸) اور بھلی بات کو جھوٹ جانا۔(۹) تو ہم اسے آہستہ آہستہ سختی میں پہنچا دیں گے، یعنی: دوزخ میں۔(۱۰)

لفظی تحقیق: شَتّٰی: متفرق۔ الگ۔ "شتّ" کی جمع ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس طرح دنیا میں حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی اندھیرا ہے کبھی اُجالا اور جیسے یہاں کی چیزیں مختلف ہیں، بعض نر ہیں بعض مادہ، اسی طرح ہر انسان کی طبیعت اور مزاج بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں، اور اسی لیے ان کے کاموں میں بھی اختلاف ہے، کسی پر ایک دُھن سوار ہے تو کوئی ایک اور ہی کام میں لگا ہوا ہے، اتنا جان لینے کے بعد یاد رکھو کہ! ہر انسان کے ہر اس کام کا جو وہ جان بوجھ کر کرتا ہے اور جس کے لئے وہ دل و جان سے کوشش میں لگا ہوا ہے، ایک نتیجہ نکلے گا، جو اس کے حق میں اچھا ہوگا یا برا، اس کے لیے ایک ضابطہ مقرر ہے، اسے دھیان لگا کر سنو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص سخی ہوگا، اور اپنے مال اور ہنر سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر بری باتوں سے بچے گا اور قرآن میں جو اچھی باتیں بتائی گئی ہیں، ان کو دِل سے سچا مانے گا، اسے ہم آہستہ آہستہ آرام اور آسائش کی جگہ جنت میں پہنچا دیں گے اور جو اپنے مال اور ہنر سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچائے گا بلکہ ہاتھ کھینچ کر بیٹھ جائے گا، بخل پر کمر باندھے گا، بے پروا بن کر زندگی بسر کرے گا، اور اسلام کی اچھی باتوں کو جھوٹ جانے گا، اس کے لئے ہم تنگی کی راہ آسان کر دیں اور وہاں آہستہ آہستہ پہنچ جائے گا، یعنی: دوزخ میں۔

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی: جس طرح رات اور دن کے وقت مختلف ہیں، اسی طرح ان وقتوں میں کئے جانے والے کام بھی مختلف ہیں، دن چونکہ روشن ہوتا ہے؛ اسی لیے اس میں رات کے مقابلے میں زیادہ اہم کام کئے جاتے ہیں۔ رات کے اندھیرے کی وجہ سے بعض کام اچھی طرح نہیں کئے جا سکتے، لہٰذا انہیں دن میں کیا جاتا ہے، مثلاً: قربانی کے مسئلہ میں فقہاءِ کرامؒ فرماتے ہیں کہ اگر چہ رات کے وقت بھی قربانی

کرلینا جائز ہے، مگر بہتر نہیں ہے اس کی وجہ یہی کہ رات کے وقت شاید کوئی رگ ایسی کاٹنے سے رہ جائے جسکا کاٹنا ذبح کے صحیح ہونے کیلیے ضروری ہے، البتہ رات کو کرنے کے بھی کچھ کام ہوتے ہیں، جنہیں خاص طور پر رات کو ہی کیا جاتا ہے، چور اور ڈاکو عام طور پر رات کے وقت ہی اپنے کام پر نکلتے ہیں کہ ان کے لیے یہی وقت مناسب ہوتا ہے، اسی طرح شرابی، زانی، وغیرہ بھی رات کا وقت ہی پسند کرتے ہیں، تاکہ دن کے وقت وہ چیز ظاہر نہ ہوجائے، جسے وہ چھپانا چاہتے ہیں، ان تمام برے کاموں کے برخلاف کچھ لوگ رات میں عبادت کرنے والے بھی ہوتے ہیں، جو اپنے رب کی عبادت کے لیے رات کے انتظار میں رہتے ہیں۔ الغرض! رات اور دن کے اعمال بھی اسی طرح مختلف ہوتے ہیں جس طرح وہ خود مختلف ہوتے ہیں۔

وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰٓى: اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔ حمل کے ابتدائی دور میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ نر ہے یا مادہ، مگر ایک وقت ایسا آتا ہے جب دونوں کا فرق واضح ہوجاتا ہے، اب مذکر اور مؤنث کے بعض اعضاء میں فرق ہوگا، ان کے حالات مختلف ہوں گے، بڑے ہو کر ان کی ذمہ داریاں مختلف ہوں گی، غرض! اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جسے چاہتا ہے، نر بنا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے مادہ بنا دیتا ہے۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى: بے شک تمہاری کوششیں بھی مختلف ہیں۔ تمام لوگوں کی کوشش ایک جیسی نہیں ہے، کوئی کفر وشرک کر رہا ہے اور کوئی ایمان کی دعوت دے رہا ہے، وہ بے چارہ ہر وقت اس فکر میں رہتا ہے کہ مرتے وقت ایمان کی دولت نصیب ہوجائے، کوئی دھوکہ فریب سے دوسروں کا مال ہضم کرنا چاہتا ہے اور کوئی اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر میں ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں سے ڈرتا ہے کہ کہیں پکڑ نہ ہوجائے، ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے لوگوں کے کام بھی مختلف ہیں اسی طرح ان کی جزا بھی مختلف ہوگی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى: جس نے مال خرچ کیا اور وہ ڈرتا بھی رہا۔ یعنی: اس کی کوشش یہ ہے کے نیکی کے لئے مال خرچ کرے۔ "اَعْطٰى" کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے رہا ہے، اس میں کنجوسی نہیں کرتا، مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، آپ تجارت پیشہ اور مالدار تھے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے میں ہمیشہ آگے آگے ہوتے تھے، بے شمار غلام

اور باندیوں کو بھاری قیمت دے کر خرید تے اوران کو آزاد کر دیتے تھے۔

وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى: کہ وہ اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے، بنیادی طور پر تو اچھی بات کلمہ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے، اس کے بعد تمام اچھی باتیں آتی ہے، مثلاً: نماز، روزہ، حج اور نیکی کی دوسری باتیں جس کی وہ تصدیق کرتا ہے، فرمایا: ایسا شخص جو نیکی کے کاموں میں خرچ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اچھی باتوں کی تصدیق بھی کرتا ہے، اس کے لیے ہم نے انعام یہ مقرر کیا ہے کہ ہم اس کے لیے آسانی کی جگہ، یعنی: جنت تک پہنچنا آسان کر دیں گے، جب اس دنیا کا دور ختم ہو جائے گا تو آخر میں وہ آسانی تک پہنچ جائے گا، یعنی: اللہ کی رحمت، جنت اور اس کے اعلیٰ درجات تک پہنچ جائے گا۔

وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ: اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی اختیار کی، امیہ بن خلف مکہ کا بہت بڑا مالدار آدمی تھا، اس کے بہت سارے غلام اور باندیاں تھیں، اور طائف میں باغات اور کھیتی باڑی کی زمینیں بھی تھیں مگر یہ شخص بہت بڑا کنجوس تھا، بخل ایک بہت بڑی بیماری ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بخل سے بڑھ کر کون سی بیماری ہے؟ فرمایا: بخیل کی حالت یہ ہے، ایسا شخص لوگوں سے دور ہے، اللہ تعالیٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، اور دوزخ کے قریب ہے۔

وَ اسْتَغْنٰى: سے مراد یہ ہے کہ اُسے اپنے مال پر غرور ہے، وہ کسی کی پروا نہیں کرتا، امیہ اور ابوجہل بھی یہی کہتے تھے: ہمارے پاس مال اور اولاد ہے، ہم کسی کو کیا جانیں، اگر قیامت کے دن پکڑ بھی ہوگی تو مال ہمارے کام آئے گا، ہم مال ادا کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیں گے۔

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى: اور بھلی بات کو جھٹلایا، یعنی: کلمہ توحید کو۔ کفر و شرک میں مبتلا رہا اور اس پر ڈٹا رہا، تو ہم اس کو آہستہ آہستہ سختی والی جگہ (یعنی: دوزخ میں) پہنچائیں گے، دنیا کے آرام و راحت کے دن تو گذر چکے ہونگے۔ اسے آہستہ آہستہ سختی یا تکلیف کی طرف لے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی سزا سے مال نہیں بچا سکتا

وَ مَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ۝۱۱ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰىؗ۝۱۲

اور نہ فائدہ دے گا اسے مال اس کا جب نیچے گرے گا (۱۱) تحقیق ہمارے ذمہ ہے البتہ راہ دکھانا (۱۲)

وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى۝۱۳ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰىۚ۝۱۴

اور تحقیق ہمارے پاس البتہ آخرت ہے اور دنیا (۱۳) پس ڈرا دیا میں نے تمہیں آگ سے جو بھڑک رہی ہے (۱۴)

لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَىۙ۝۱۵ الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰىؕ۝۱۶

نہ داخل ہوگا اس میں مگر بڑا بدبخت (۱۵) جس نے جھوٹ جانا اور منہ پھیر لیا (۱۶)

با محاورہ ترجمہ:۔اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب دوزخ کے گڑھے میں گرے گا۔(۱۱) ہمارے ذمہ ہے سمجھا دینا۔(۱۲) اور ہمارے ہاتھ میں آخرت اور دنیا ہے۔(۱۳) میں نے تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی خبر سنا دی۔(۱۴) اس میں وہی گرے گا جو بڑا بدبخت ہے۔(۱۵) جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔(۱۶)

لفظی تحقیق: مَا یُغْنِیْ: نہ کام آئے گا۔ تَرَدّٰی: گڑھے یا کنوئیں میں گرا۔ اس کا مادہ ر۔د۔ی۔ ہے۔ تَلَظّٰی: بھڑک رہی ہے، ماضی کا صیغہ ہے۔ "تَلَظّٰی" سے جو ل۔ظ۔ی۔ سے بنا ہے "لَظّٰی" کے معنی شعلہ کے ہیں۔ اور یہ دوزخ کا نام بھی ہے۔ "تَلَظّٰی" جو اصل میں "تَتَلَظّٰی" ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان جب دنیا میں برے کام اختیار کرتا ہے تو اس کی سزا اسے ضرور ملتی ہے، کبھی دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ملے گی، اور جب وہ دوزخ کے گڑھے میں گرے گا تو کوئی اس کا بچانے والا نہ ہوگا، اس کا مال اس کو سزا سے نہیں بچا سکتا، مال اس معاملہ میں کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔

آگے ارشاد ہے کہ: راہ سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے، زبردستی ہم کسی پر نہیں کرتے اور دنیا اور آخرت سب ہمارے

ہاتھ میں ہے، ہر جگہ جزا سزا دے سکتے ہیں، سنو! میں تمہیں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں اس میں وہی گرے گا۔ جو بڑا بدنصیب ہوگا، ہماری باتوں کو جھٹلائے گا اور منہ موڑ کر چل دے گا۔

آدمی کو اس دھوکے میں نہ رہنا چاہیے کہ اسے آخرت میں بھی اسی طرح رشوت لے کر چھوڑ دیا جائیگا، جیسے وہ دنیا کے حاکموں کی سزا سے مال دیکر بچ جاتا ہے، وہاں کا حاکم تو اللہ تعالیٰ ہے، جو ہر حاجت سے پاک ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کے اس کا مال وہاں بھی کام آئے گا، اوّل تو جس قدر مال و دولت اس کے پاس ہے، وہ اسے یہیں چھوڑ کر چل دے گا، اور بالفرض وہاں اس کے پاس مال ہوا بھی تو وہاں اسے لینے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ پورے طور پر بے نیاز ہے، اسکو کسی مال و دولت کی ضرورت نہیں، جب وہاں نہ سفارش چلے گی نہ رشوت، تو اب اچھی طرح سمجھ لو کہ گنہگاروں کے لیے وہاں دہکتی ہوئی آگ تیار ہے، اس میں صرف وہی شخص گرے گا جس نے دنیا میں پیغمبروں کا کہنا نہ مانا تھا اور قرآن کی طرف سے منہ موڑ لیا تھا۔ اُس وقت اسے معلوم ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ بدبخت ہے، کیونکہ اس کا بچانے والا تو کوئی کیا ہوتا، کوئی اس کی بات پوچھنے والا بھی نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن کی بے کسی سے بچائے۔ آمین

اس مقام پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس مالک الملک نے انسان کو پیدا کیا، وہ اُسے راہِ ہدایت پر کیوں نہیں لگا دیتا، تاکہ کوئی بھی انسان گمراہی کا راستہ اختیار نہ کرتا؟

یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی خیال کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: بے شک ہمارے ذمے ہے، البتہ ہدایت کی طرف رہنمائی کرنا، مگر ہم کسی کو ہدایت پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ ضرور ہی سیدھا راستہ اختیار کرے، یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، اگر ایسا ہو جائے تو انسان کی آزمائش نہیں کی جاسکتی جبکہ آزمائش لازمی ہے۔

اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰی : دنیا اور آخرت میں ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، میں نے تم کو اس آگ سے ڈرا دیا ہے جو شعلہ مارتی ہے، یعنی: تمہیں بھڑکنے والی آگ سے خبردار کر دیا گیا ہے، اگر کلمہ توحید اور ایمان کو جھٹلاؤ گے تو بھڑکتی ہوئی آگ بھی تیار ہے، اس کا شکار بنو گے، نیز یہ بھی سن لو کہ اس بھڑکتی ہوئی آگ میں صرف

وہی داخل جو بڑا بد بخت ہے۔

اَلَّذِیْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی: جس نے کلمہ توحید اور پیغمبر کو جھٹلایا، نہ صرف جھٹلایا، بلکہ منہ پھیرا، اس کی بات تک نہیں سنی، اللہ کا پیغمبر تبلیغ کر رہا ہے، خدا کی کتاب اور اس کا پیغام پہنچا رہا ہے، شریعت کے احکام بتلا رہا ہے، مگر یہ شخص ہے کہ منہ پھیر کر دوسری طرف جا رہا ہے، پیغمبر کی بات کی پرواہی نہیں کرتا، کفر و شرک میں مبتلا ہے۔

آگ سے کون بچے گا؟

وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ مَا

اور عنقریب بچالیا جائیگا اس سے بڑا پرہیز گار (۱۷) جو دیتا ہے مال اپنا پاک صاف ہونے کیلئے (۱۸) اور نہیں

لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ

کسی کا اس پر کوئی احسان جسکا بدلہ دیا جائے (۱۹) لیکن ڈھونڈنے کو رضامندی رب اپنے

الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع ۱۷/۲۱

سب سے برتر کی (۲۰) اور البتہ عنقریب راضی ہوگا وہ (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔البتہ دور رکھا جائے گا اس بھڑکتی ہوئی آگ سے اس شخص کو جو بڑا پرہیز گار ہے۔ (۱۷) جو اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے کو پاک کرلے۔ (۱۸) اور کسی کا اس پر احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جائے۔ (۱۹) مگر اس کے دینے کا مقصد صرف اپنے رب کو راضی کرنا ہے۔ (۲۰) اور عنقریب وہ اس سے راضی ہوجائے گا۔ (۲۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دوزخ کی آگ سے اس کو بچالیا جائے گا جو برے کاموں سے سب سے زیادہ بچتا ہے اور اپنا مال اس لیے خرچ کرتا ہے کہ بخل، طمع، حرص وغیرہ سے اپنے دل کو پاک کرے، نہ وہ دِکھاوا چاہتا ہے اور نہ اس

پر کسی کا احسان ہے جسے وہ اُتارنے کے لیے مال دیتا ہے، اس کا تو مقصد مال خرچ کرنے سے فقط اپنے رب کی رضامندی حاصل کرنا ہے، یہ مقصد اس کو بہت جلد حاصل ہو کر رہے گا اور اسے راضی اور خوش کر دیا جائیگا۔

یہی حکم سب کے لیے ہے، لیکن یہ باتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں سب موجود تھیں؛ اس لیے ان کے لیے یہ خاص خوشخبری ہے، اس سورت میں انسان کو صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ ہر شخص کے دنیا میں ویسے ہی کام ہونگے جیسی اس کی طبیعت ہوگی، اور جیسا اس کے مزاج کا تقاضا ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق جزا سزا ملے گی، جو اپنے اخلاق سنوارے گا، وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہوگا اور بُرے اخلاق والا دوزخ میں گرے گا۔

جو شخص بہت بڑا متقی ہے، وہ دوزخ سے دُور رکھا جائے گا، متقی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ تزکیہ حاصل کرے، تزکیہ کا معنی ہے، گناہوں سے پاکی حاصل کرنا، مقصد یہ کہ ایسا شخص اپنا مال اس لئے نہیں خرچ کر رہا ہے کہ وہ کسی کا احسان مند ہے، بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مال خرچ کرنے کا بدلہ یہ ملے گا کہ عنقریب اللہ اس سے راضی ہو جائے گا، مال خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس قدر انعام و اکرام فرمائیں گے کہ وہ بھی راضی ہو جائے گا، یعنی: اسے اپنے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

سورۃ الضحیٰ کا خلاصہ

اس کے نازل ہونے کا موقعہ یہ تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شروع میں جبرئیل علیہ السلام ایک دو مرتبہ وحی لیکر آئے، اور پھر ایک لمبے عرصے تک وحی کا آنا بند رہا، اس پر مکہ کے مشرک کہنے لگے کہ اب محمد کو اس کے خدا نے چھوڑ دیا اور ان سے ناراض ہو گیا، آپ کو اس کا بڑا رنج ہوا، اور آپ بہت غمگین رہنے لگے، تھوڑے دن بعد یہ سورت نازل ہوئی اور آپ کو یقین دِلایا گیا کہ آپ کا رب آپ سے ناراض نہیں ہے، بلکہ آئندہ وہ کچھ دینے والا ہے کہ آپ راضی ہو جائیں گے، آپ کے مخالف لوگ جو کچھ کہتے ہیں یہ سب غلط ہے، دنیا میں اُجالا اور اندھیرا باری

سے آتا ہے، اندھیرے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد اُجالا نہ ہوگا، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے دنیا میں قاعدہ مقرر کر دیا ہے، یہاں کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں اور ہر حالت کے مطابق جیسا ہوتا ہے، انتظام کیا جاتا ہے، آپکے رب نے آپ پر بڑی مہربانیاں کی ہیں، یتیم ہونے کی حالت میں آپ کی پرورش کا بندوبست کیا، گمراہی میں اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بچایا اور آپ کو مالدار کیا۔ یقین کریں کہ آپ کا انجام اس سے بھی بہتر ہوگا، یہ پیشگوئی اس وقت کی جارہی ہے کہ مکہ والے آپ کے خلاف تھے، اس وقت کون سمجھ سکتا تھا کہ آپ کو بہت اونچا مقام حاصل ہوگا، آخر وہی ہوا جو اس سورت میں کہا گیا۔

آیاتها — ۱۱ سُوْرَةُ الضُّحٰی مَكِّيَّةٌ رکوعاتها — ۱

سورۃ الضحیٰ مکی ہے اس میں گیارہ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپکو ہرگز نہیں چھوڑا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الضُّحٰى ۙ(۱) وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ(۲) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا

قسم ہے دھوپ چڑھنے کی (۱) اور رات کی جب چھا جائے (۲) نہیں چھوڑا آپکو رب آپکے نے اور نہ

قَلٰى ؕ(۳) وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ(۴) وَ لَسَوْفَ

آپ سے ناراض ہوا (۳) اور البتہ دوسری حالت (آنیوالی) بہتر ہے آپکے لیے سے پہلی گزری ہوئی (۴) اور البتہ جلد

يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ(۵) اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۠(۶) وَ

دے گا آپ کو رب آپکا پس آپ راضی ہوجائینگے (۵) کیا نہیں پایا آپ کو یتیم پس ٹھکانا دیا (۶) اور

وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ۝

پایا آپ کو	ناواقف	پس راہ دکھائی (۷)	اور	پایا آپ کو	مفلس	پس مالدار کیا (۸)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے دھوپ چڑھنے کی۔ (۱) اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔ (۲) آپکے رب نے نہ آپکو چھوڑا اور نہ آپ سے ناراض ہوا۔ (۳) اور آپکی آنے والی حالت گزری ہوئی حالت سے بہتر ہوگی۔ (۴) اور آپ کا رب عنقریب آپکو اتنا کچھ عطا کریگا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ (۵) کیا بھلا نہیں پایا آپ کو یتیم پھر ٹھکانا دیا آپ کو۔ (۶) اور پایا آپکو ناواقف پھر رہنمائی کی۔ (۷) اور پایا مفلس پھر غنی کر دیا۔ (۸)

لفظی تحقیق: سَجٰی: چھا جائے۔ ماضی کا صیغہ ہے۔ س۔ ج۔ و۔ سے "سجو" کے معنی ڈھانک لینا۔ قَلٰی: ناراض ہوا۔ ماضی کا صیغہ ہے۔ ق۔ ل۔ ی سے "قَلٰی" کے معنی دشمنی، ناراضگی۔ عَآىِٕلً: نادار، مفلس۔ اسم فاعل ہے عیلة: مفلسی۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: چاشت کے وقت پر نظر کرو جس وقت دھوپ خوب چمکتی ہے اور رات کو دیکھو جب وہ سب پر چھا جاتی ہے، سب کو ڈھانپ لیتی ہے، یہ تو دنیا کی اُدلتی بدلتی حالتیں ہیں، جو ایک دوسرے کے بعد آتی جاتی رہتی ہے، ان سے اصل شے نہیں بدلتی، اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہیں آئی تو یہ ایک عارضی بات ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپکے رب نے آپ سے اپنی خاص توجہ ہٹالی، اور وہ آپ سے ناراض ہو گیا ہے، اے ہمارے پیغمبر! یقین رکھیئے کہ آگے چل کر آپکی آئندہ حالت پہلی حالت سے بہتر ہونے والی ہے، اور آپکو آپ کا رب اپنی رحمت کے خزانوں سے اتنا کچھ دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے، اور اپنے اوپر ہماری مہربانیاں یاد کریں، آپ یتیم تھے، ہم نے آپکی پرورش اور حفاظت کا بندوبست کیا، چنانچہ آپکو آپکے دادا عبدالمطلب نے پھر آپکے چچا ابوطالب نے پالا اور آپکی حمایت کی، ہم نے آپکو اِدھر اُدھر پریشانی میں بھٹکنے نہ دیا، بلکہ سارے فضول کھیل کود سے بچا کر اپنی طرف متوجہ کر لیا، پھر آپکو مفلس پایا حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ نے تجارت میں شرکت فرمائی اس سے آپ

کو اچھا خاصہ فائدہ حاصل ہوا، اس تجارت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا، ان عنایتوں کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ جس رب نے آپ پر اتنی مہربانیاں کیں اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔

وَ الضُّحٰى: کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ عرصہ کے لیے وحی نہ آنے کی وجہ سے تاریکی چھا گئی ہے تو یہ بالکل عارضی چیز ہے، وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو کر اس عارضی تاریکی کو ختم کر دے گا، اور دنیا پھر سے ہدایت کی روشنی سے روشن ہو جائے گی۔

وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى: آپ کا رب عنقریب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے، آخرت کا معاملہ تو یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تک میری اُمت کا ایک فرد بھی دوزخ میں ہوگا، میں راضی نہیں ہوں گا، میری رضا اس وقت ہوگی جب میری اُمت کے تمام لوگ دوزخ سے رہائی حاصل کر لیں گے۔

وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى: اور پایا آپ کو "ضَآلّ"، پس! رہنمائی فرمائی، لفظ "ضَآلّ" مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنی گمراہ ہے جیسے: کافر، مشرک، یہودی، عیسائی وغیرہ۔ "ضَآلّ" کا یہ معنی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہرگز عائد نہیں ہو سکتا، پیغمبر کی ذات پر کفر و شرک زندگی کے کسی بھی مرحلے میں محال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شروع ہی سے نبی کی ذات کا محافظ اور نگران ہوتا ہے، جو اسکو ہر قسم کی گمراہی سے بچاتا ہے۔

ضَآلّ: کا ایک دوسرا معنی حیران اور سرگردان ہے، جو شخص گم ہو جائے، اس کو بھی "ضَآلّ" کہتے ہیں، جیسے دانائی اور حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔

ضَآلّ: کا ایک تیسرا معنی ناواقف بھی ہے، اگر یہ معنی لیا جائے، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا "اور آپ کو ناواقف پایا، اس کے بعد اگلے احسان کے متعلق فرمایا کہ: ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مفلس پایا، پس اُس نے غنی کر دیا، بے پروا کر دیا۔

وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى: کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ آپ کا رب آپ کو آپ کی ہر پسندیدہ چیز اتنی دیگا کہ آپ راضی ہو جائیں گے، آپ کی پسندیدہ چیز میں دین اسلام کی ترقی، دین اسلام کا پوری دنیا میں پھیلنا، آپ کا دشمنوں پر غالب آنا، ان کے ملک میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا اور دین حق پھیلانا سب داخل ہیں۔

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب یہ بات ہے تو میں اسوقت تک راضی نہ ہونگا جب تک میری اُمت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا۔'' (قرطبی) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ میری اُمت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمادیں گے: اے محمد! اب آپ راضی ہیں؟ تو میں عرض کرونگا کہ: اے میرے پرورگار: میں راضی ہوں۔

اب کیا کرنا چاہیے؟

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝

پس وہ جو یتیم ہو پس مت ڈانٹیں اسے (۹) اور وہ جو مانگتا ہے مت جھڑکیں اسے (۱۰)

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ع ۱۱ ۱۸

اور وہ جو نعمت ہے رب آپ کے کی پس بیان کریں (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ: سو! جو یتیم ہو، اُسے مت دبائیں۔ (۹) اور جو مانگتا ہو، اُسے مت جھڑکیں۔ (۱۰) اور جو آپ کے رب کا احسان ہے، سو بیان کریں۔ (۱۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے ہمارے پیغمبر! اب آپ اللہ تعالیٰ کے فضل پر پورا بھروسہ کریں، کسی یتیم کو نہ ڈانٹیں اور نہ دبائیں، اور اگر کوئی حاجت مند آپ سے سوال کرے تو اس کو مت جھڑکیں، اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر مہربانیاں اور عنایتیں کیں ہیں، ان کا شکر گزاری کی نیت سے ذکر کرتے رہا کریں۔

اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے حالات کی عارضی تبدیلیوں سے تنگ دِل نہ ہونا چاہئے، بلکہ اس اصلی خیال پر جمے رہنا چاہیے کہ اللہ کی توجہ اور مہربانی ایماندروں پر ہر وقت رہتی ہے، اس لیے کسی حال میں اس سے مایوس نہ ہونا چاہیے، بلکہ آئندہ کی بہتری کی اس کے فضل سے توقع رکھنی چاہیے اور اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ کسی

مصیبت زدہ بے کس کو تمہاری ذات سے ٹھیس لگے۔

فَلَا تَقْهَرْ: یتیم پر قہر نہ کریں، آپ نے خود یتیم رہ کر جان لیا کہ وہ کس قسم کے سلوک کا حقدار ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی ساری اُمت کو بتادیا کہ یتیم کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آنا، بلکہ ان کیساتھ مہربانی اور ہمدردی کا سلوک کرنا ہے، "مسند احمد" میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: حضور! میں اپنے دل میں سختی پاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ رکھا کرو، اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو، اللہ تمہاری سختی دور کردے گا۔

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ: سوال کرنے والے سے مراد وہ شخص بھی ہوسکتا ہے جو مالی مدد چاہتا ہو، اور وہ بھی جو حق طلبی کے ساتھ دین کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہو، دونوں کو جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے، اگر کوئی عذر ہو تو نرمی سے معذرت کرلینی چاہیے۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ: اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو، یعنی: اللہ تعالیٰ نے جو انعام آپ پر کیا ہے اس کو بیان کرو، اللہ تعالیٰ کے احسان کو چھپانا نہیں چاہئے، بلکہ ظاہر کرنا چاہیے، تاکہ اس کے احسانات کا شکریہ ادا ہو، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار احسان کیے، آپ کو اپنا آخری نبی بنایا، جو کہ بہت بڑا احسان ہے، قرآن پاک جیسی عظیم دولت عنایت کی۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):.... ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے، مالی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کی نیت کے ساتھ خرچ کرے اور بدنی نعمت کا شکر یہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں خرچ کرے اور علم و معرفت کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

مسئلہ (۲):.... "سورۃ الضحیٰ" سے آخر قرآن تک ہر سورت کیساتھ تکبیر کہنا سنت ہے اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مصری نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ" بتلائے ہیں۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ہر سورت کے ختم پر اور ہر سورت کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت کہا ہے، دونوں میں سے جو صورت بھی اختیار کرے، سنت ادا ہوجائے گی۔ واللہ اعلم

سورۃ الانشراح کا خلاصہ

اس سورت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا گیا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر پہلے مہربانیاں ہوتی رہی ہیں، اسی طرح آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار رہو، اور عارضی مصیبتوں سے مت گھبراؤ، یقیناً ہر سختی کے بعد آسانی لازمی ہے، آپ کا نام دنیا میں بلند ہوگا اور ہر جگہ اذانوں میں پکارا جائے گا، اب آپ جب اپنے کاموں سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کھڑے ہو جاؤ، اس کی بندگی میں محنت کرو، اور اللہ تعالیٰ ہی سے دل لگاؤ۔ یہ سورت جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی مصیبتوں کا ہمت کے ساتھ مقابلہ کرنا سکھاتی ہے، اسی طرح ہر مسلمان کے لئے تسلی کا بے مثال سبق دیتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے متعلقہ معمولی کاموں سے فارغ ہو کر کیا کام کرے؟

اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو جو نعمت یا سمجھ ملی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، ہر موقع پر وہی سیدھا راستہ سمجھاتا ہے، وہی مصیبتوں اور مشکلوں سے چھڑاتا ہے، عزت ملتی ہے تو اسی کی طرف سے، شہرت اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے تو اسی کی طرف حاصل ہوتا ہے۔

آیاتھا — ۸	سُوْرَۃُ الۡاِنۡشِرَاحِ مَکِّیَّۃٌ	رکوعاتھا — ۱

سورۃ الانشراح مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

مصیبت کے بعد راحت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ① وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ② الَّذِیۡۤ

کیا نہیں کھول دیا ہم نے واسطے آپکے سینہ آپ کا (۱) اور اُتار کر رکھ دیا سے آپ بوجھ آپکا (۲) وہ جس نے

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

توڑ رکھی تھی　کمر آپ کی (۳)　اور　بلند کیا ہم نے　واسطے آپ کے　ذکر آپ کا (۴)　پس تحقیق　ساتھ　دشواری کے

يُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷

آسانی ہے (۵)　تحقیق　ساتھ　دشواری کے　آسانی ہے (۶)　پس جب　فارغ ہوں آپ　تو کھڑے ہو جائیں (۷)

ع ٨ ١٩ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

اور　طرف　اپنے رب کے　رغبت کیجئے (۸)

بامحاورہ ترجمہ: ۔کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟ (۱) اور آپ پر سے آپ کا بوجھ اُتار کر رکھ نہیں دیا؟ (۲) جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ (۳) اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا۔ (۴) ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (۵) سو! البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (۶) سو! جب آپ فارغ ہوں تو عبادت میں اپنے آپ کو تھکائیں اور اپنے رب سے دل لگائیں۔ (۸)

تفسیر

اس زمانے میں جب یہ سورت اتری، پیغمبر ﷺ کے گرد دشمن بہت زیادہ اور ماننے والے بہت کم تھے، دشمنوں کے ہاتھوں جو تکلیفیں آپ ﷺ نے برداشت کیں، اس کی ہمت آپ ﷺ میں انہی آیتوں سے پیدا ہوئی، جن میں بے دھڑک اعلان کر دیا گیا کہ آپ کے دل میں برداشت کی طاقت ہماری عطا کی ہوئی ہے اور پیغمبری کی بھاری ذمہ داریوں کے کمر توڑنے والے بوجھ اٹھانے کی ہمت آپ کو ہم نے عطا کی اور آپ کا ذکر پیغمبروں اور فرشتوں میں ہم نے بلند کیا، آئندہ آپ کا نام قیامت تک ہر جگہ اذانوں میں پکارا جائے گا۔ یاد رکھئے! ہر مشکل کے ساتھ دو آسانیاں لگی ہوئی ہیں، مشکل کے آنے سے پہلے بھی آسانی ہوتی ہے اور مشکل کے بعد بھی آسانی ہوتی ہے اس طرح ہر مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہوتی ہیں، آپ کی دنیا کی تمام مشکلیں بھی آسان ہونے والی ہیں، اب آپ کا کام یہ ہے کہ آپ جب اپنے کام سے فراغت حاصل کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت

کے لئے کمر بستہ ہو کر ڈٹ جائیں اور ہر طرف سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ سے دل لگالیں۔

اس سورت سے ہمیں یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کریں اور اسکا شکر ادا کریں، مشکل میں ہمت نہ ہاریں، اللہ تعالیٰ کی عبادت محنت کے ساتھ کریں اور اسی سے لو لگائیں، وہ ہر مشکل کو آسان کر دے گا۔

سورت کی ابتداء احسانات کے ذکر سے ہو رہی ہے، ان میں سے ایک عظیم الشان احسان سینے کا کھولنا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گیا، ارشاد ہوتا ہے: کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ مطلب یہ کہ ہم نے یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کو کھول دیا ہے، مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ سینے کا کھولنا دو طریقوں پر ہے، ایک تو ظاہری شرح صدر ہے، جس کا ذکر حدیث میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، مگر اس سورت کے شروع میں جس سینہ کھولنے کا ذکر ہے، وہ ظاہری نہیں، بلکہ باطنی طور پر سینے کا کھول دینا ہے۔

ظاہری شرحِ صدر یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چار دفعہ کھولا گیا ہے، پہلے شرح کے متعلق حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ کی عمر مبارک ابھی چار سال کی تھی، آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں بنی بکر میں تھے، قبیلے کے بچے بستی سے باہر جانوروں کو چراتے تھے یا کھیل کود میں مشغول تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے، جب یہ واقعہ پیش آیا، روایتوں میں آتا ہے کہ دو شخص وہاں آئے، انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور آپ کا سینہ مبارک کھول دیا، یہ دیکھ کر حلیمہ سعدیہ کے بچے بھاگ کر گھر پہنچے اور اپنی والدہ کو بتایا کہ کچھ لوگوں نے ہمارے بھائی کو مار دیا ہے، حلیمہ اور خاندان کے دوسرے لوگ پریشانی کی حالت میں وہاں پہنچے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی طرف روانہ ہو چکے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے، یہ آپ کی زندگی میں سینہ کھولنے کا پہلا واقعہ تھا، آپ کا سینہ کھول کر دل مبارک کو نکالا گیا اور صاف کر کے دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ بچپن میں بچوں کے خیالات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، طبیعت کھیل کود کی طرف لگی ہوتی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کام لینا تھا؛ اس لئے بچپن کے اس قسم کے خیالات کو نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کو صاف کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

کے سینہ مبارک کو جس مقام سے کھولا گیا تھا، وہاں پر زخم کے صحیح ہونے کا نشان نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ نشان باقی رکھا تھا۔

"مسند احمد" کی روایت کے مطابق سینہ کھولنے کا دوسرا واقعہ اس وقت پیش آیا جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک دس سال کی تھی۔ روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور نبوت کے سلسلے میں آپ کو کن چیزوں سے واسطہ پڑا تو آپ نے فرمایا: سنو! میری عمر اس وقت دس سال کی تھی، میں صحرا میں تھا، میں نے دیکھا کہ عجیب وغریب شکل وصورت کے دو شخص آئے، یہ اجنبی شخص تھے، ان جیسا لباس اور حلیہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، ایک شخص نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا: ہاں وہی ہیں، پھر انہوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا، اور میرا سینہ کھول دیا، دل کو صاف کیا اور پھر اسی طریقے سے جوڑ دیا، مگر عجیب بات ہے کہ ایسا کرنے سے نہ تو خون نکلا اور نہ مجھے کوئی تکلیف محسوس ہوئی۔

سینہ کھولنے کا تیسرا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ کو نبوت ملنے کا وقت بالکل قریب تھا، اس وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوگئی تھی اور سینہ اس لئے کھولا گیا تا کہ آپ کے اندر نبوت کا بار اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

چوتھی مرتبہ سینے کھولنے کا واقعہ آپ کے معراج پر روانگی کے وقت پیش آیا، آپ امِ ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف فرما تھے، فرشتے آئے، آپ کو اٹھایا اور مکان کی چھت پھاڑ کر آپ کو حطیم میں لے گئے، وہاں آپ کا سینہ مبارک کھولا گیا اور دل کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر علم وحکمت سونے کی طشت میں رکھ کر لایا گیا اور آپ کے سینہ میں بھر دیا گیا، پھر سینہ مبارک کو سی دیا گیا اور وہ ویسے کا ویسا ہی ہو گیا جیسا پہلے تھا، اس کے بعد آپ کو معراج پر لے جایا گیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک اللہ تعالیٰ نے کشادہ فرما دیا اور آپ کو بتلا دیا کہ ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا ہے، کیونکہ آپ سے بہت بڑا کام لینا ہے، دوسری بڑی بات یہ ہے کہ جتنا بڑا کام کسی نے انجام دینا ہو، اسی کے

مطابق اس کا حوصلہ بھی بلند ہونا چاہئے، اگر کام کے مطابق سینہ کشادہ نہیں ہوگا تو کامیابی نہیں ہوسکتی، شرح صدر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی قانون، شریعت یا دین یا اُصول دیا ہے، اس کے مطابق کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو، بلکہ اس کے صحیح ہونے پر یقین ہو، چونکہ قرآن کریم کو پیغمبر ﷺ کے ذریعے سے دنیا میں نافذ کرنا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ مبارک کو کھول دیا تھا۔

پہلا احسان یہ شرح صدر تھا، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ پر دوسرا احسان یہ فرمایا: اور کیا ہم نے آپ سے بوجھ نہیں اتارا، جس نے آپ کی پشت کو دُہرا کر دیا تھا۔ یہ کون سا بوجھ تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے ہلکا کر دیا؟ یہ بوجھ دین کا بوجھ تھا، جو آپ کو دیکر بھیجا گیا، تاکہ آپ اس دین کو قائم کریں اور اس بوجھ کو ہلکا اس طریقے سے کیا کہ آپ کے ساتھ ایک جماعت پیدا کر دی، جو دین کو پھیلانے کیلئے آپ کے ساتھ ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے کام پر عمل کرنا کسی اکیلے شخص کا کام نہیں، بلکہ اس کے لئے جماعت ضروری تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کے لئے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کو پیدا کیا، کیونکہ جماعت کے بغیر نہ کوئی قانون نافذ ہوسکتا ہے، نہ کسی حکم پر عمل درآمد کروایا جاسکتا ہے اور نہ عدل وانصاف قائم کیا جاسکتا ہے، لہٰذا جماعت کے ذریعے کام کو تقسیم کر کے اللہ نے پیغمبر ﷺ کا بوجھ ہلکا کر دیا۔

تیسرا احسان اللہ تعالیٰ نے یہ کیا، فرمایا: ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔ مشرک تو مکی زندگی میں آپ کو پریشان کرنا چاہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اس طرح بلند کیا کہ ہر محفل میں آپ کا ذکرِ خیر ہوتا ہے، اللہ نے فرمایا کہ: اے پیغمبر! جس مقام پر میرا نام لیا جائے گا، اس کے ساتھ آپ کا نام بھی ضرور لیا جائے گا، اذان میں دیکھ لیں، جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے، ساتھ پیغمبر کا نام بھی آتا ہے، نماز جیسے اعلیٰ فریضہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیغمبر ﷺ کا ذکر ہے، خطبے میں جہاں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی جاتی ہے، اس کے ساتھ پیغمبر ﷺ پر بھی درود پاک بھیجا جاتا ہے، دنیا کا کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں آپ ﷺ کا ذکرِ خیر نہ ہوتا ہو، اور آپ کی فضیلت نہ بیان کی جاتی ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اس قدر بلند کر دیا کہ ہر جگہ آپ کا ذکر ہوتا ہے، لوگ اس نام کو مٹانا

چاہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اس نام کو بلند فرمانا چاہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے، وہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی لیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کردیا ہے، مکہ کے مشرک جس قدر مخالفت کرتے تھے، اسی قدر دین ترقی کرتا تھا۔

تین انعامات یا احسانات یعنی سینے کا کھولنا، بوجھ کو ہلکا کرنا اور ذکر کی بلندی بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ: آپ مشکلوں سے گھبرائیں نہیں، ہمارا یہ اصول ہے، بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، یعنی: مشکلات کے آنے سے پہلے بھی آسانی تھی اور مشکل کے بعد بھی آسانی ہوگی۔

آگے فرمایا: جب آپ تبلیغ اور دوسرے کاموں سے فارغ ہوجائیں تو آپ محنت کریں۔ محنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر خاص احسانات فرمائے ہیں، لہٰذا جب آپ کو دین کے کاموں سے فرصت ملے، تو اللہ کی خصوصی طور پر عبادت کریں۔

وَ وَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ: اس آیت میں ارشاد ہے کہ وہ بوجھ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر جھکادی تھی، ہم نے اس بوجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹادیا، وہ بوجھ کیا تھا؟ اس سے وہ جائز اور مباح کام مراد ہیں جن کو بعض اوقات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت ومصلحت سمجھ کر اختیار کرلیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کے خلاف تھے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب نہ تھے، ایسی چیزوں کے اختیار کرنے پر آپ کو صدمہ ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خوشخبری سنا کر وہ بوجھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹادیا کہ ایسی چیزوں پر آپ سے پوچھ گچھ نہ ہوگی۔

اور بعض حضرات مفسرین نے "وِزۡرَ" یعنی: بوجھ کی مراد اس جگہ یہ لکھی ہے کہ نبوت کے شروع میں وحی کا اثر بھی آپ پر سخت ہوتا تھا، اور اس میں آپ پر جو ذمہ داری ساری دنیا میں کلمہ حق پھیلانے اور کفر وشرک کو مٹاکر لوگوں کو توحید پر جمع کرنے کی ڈالی گئی تھی اور اس سب کام میں حکم یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جمے رہیں، جس میں کسی طرف جھکاؤ نہ ہو، اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑا بوجھ محسوس فرماتے، اللہ تعالیٰ نے سینہ کھولنے کے ذریعہ آپ کا حوصلہ اتنا بلند فرمادیا کہ یہ سب مشکلیں آسان نظر آنے لگیں اور وہ بوجھ، بوجھ نہ رہا۔

اٰياتها ـــ ۸ سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها ـــ ۱

سورۃ التین مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہیں ۔

انسان کی نجات کا انتظام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳
قسم انجیر کی اور زیتون کی (۱) اور طور سیناء کی (۲) اور اس شہر امن والے کی (۳)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ
البتہ تحقیق ڈھالا ہم نے انسان کو میں بہت خوبصورت سانچے (۴) پھر لوٹا دیا ہم نے اسے

اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ
سب نیچوں سے نیچے (۵) مگر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے پس انکے لئے

اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶
ثواب ہے نہ ختم ہونے والا (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ انجیر اور زیتون کی قسم ہے۔(۱) اور طور سیناء کی قسم ہے۔(۲) اور اس امن والے شہر کی قسم ہے۔(۳) ہم نے انسان کو بہت خوبصورت بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔(۴) پھر اس کو نیچوں سے نیچے پھینک دیا۔(۵) مگر جو یقین لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے، سو ان کے لئے ثواب ہے بے انتہا۔(۶)

لفظی تحقیق: تَقْوِيْمٍ: بناوٹ، سانچا۔ یہاں اس کا استعمال خاکہ، نقشہ، سانچے کے معنیٰ میں ہوا ہے، یہاں اس سے مراد انسان کی ساخت اور بناوٹ ہے، جس میں ظاہری اور باطنی خوبیاں جمع ہیں۔ مَمْنُوْنٍ: کٹا ہوا، نیز ا ہوا۔ اسم

مفعول ہے،م۔ن۔ن سے۔مَنٌّ کے معنٰی کاٹ ڈالنا،ختم کردینا۔غَیْرُ مَمْنُوْنٍ:جو ختم نہ ہو اور نہ ٹوٹے۔

تفسیر

اس سورۃ میں "انجیر" اور "زیتون" کی طرف پہلے توجہ دلائی گئی،چنانچہ یہ دونوں انسان کے بدن کی غذا کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند ہیں،اس کے بعد "طُوْرِ سِیْنِیْنَ" کو یاددلایا،جسے طورسیناء بھی کہتے ہیں،جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "تورات" ملی،جس میں انسان کی روحانی غذا کا کافی سامان موجود تھا،اس کے بعد مکہ شہر کا ذکر کیا،جہاں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری کتاب قرآن مجید نازل ہوئی،اور انسان کی بدنی اور روحانی دونوں قسم کی غذاؤں کو بیان کرکے ارشاد ہے کہ:انسان کو ہم نے بہترین سانچے میں ڈھالا ہے اور اس میں ظاہری اور باطنی قوتیں دونوں نہایت مناسب طور پر رکھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:قسم ہے "انجیر" کی،اور "زیتون" کی۔عربی زبان میں "تِیْنِ" "انجیر" کو کہتے ہیں،اور "زیتون" بھی ایک درخت ہے،"انجیر" کا پھل بہت عمدہ ہوتا ہے،کھانے میں مزیدار ہوتا ہے،"انجیر" کے پھل میں بہت سارے فائدے ہیں،اللہ تعالیٰ نے ان میں بڑی برکت رکھی ہے،بہت سے پھلوں کا چھلکا ہوتا ہے جو اُتار دیا جاتا ہے،گٹھلی ہوتی ہے جو نکال لی جاتی ہے،اور باقی حصہ استعمال کیا جاتا ہے،مگر "انجیر" کا ایک ایسا پھل ہے جو پورے کا پورا کھایا جاتا ہے،نہ اس کا چھلکا اتارنا پڑتا ہے اور نہ اس کی گٹھلی علیحدہ کرنی پڑتی ہے،اللہ تعالیٰ نے اس میں کئی ایک بیماریوں کی شفاء رکھی ہے۔

"زیتون" بھی پھل دیتا ہے اور اس کا تیل بھی استعمال کیا جاتا ہے،"زیتون" کے درخت کا ہر حصہ فائدہ مند ہے،تنا،شاخیں،لکڑی،چھال اور پھل ہر چیز کارآمد ہے،اللہ تعالیٰ نے اسے بڑا برکت والا بنایا ہے،"انجیر" کی طرح "زیتون" کا پھل بھی غذا کے طور پر استعمال ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی غذائیت رکھی ہے،کھانے سے پیٹ بھر جاتا ہے،یہ دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ نے اس میں روغن اور تیل کا ایک بڑا ذخیرہ رکھا ہے،ہر سال پھل آتا ہے،لوگ اس سے تیل نکالتے ہیں،جو ساری دنیا میں استعمال ہوتا ہے۔"ترمذی شریف"

کی حدیث میں ہے کہ "زیتون" کو کھاؤ اور اس کے تیل کی مالش کرو، اسے اللہ نے بابرکت درخت سے پیدا کیا ہے، یہ درخت عام طور پر شام اور فلسطین میں ہوتا ہے۔

اور قسم ہے طور سیناء کی۔ طور ایک پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، اور کتاب بھی عطا فرمائی تھی، یہ بڑا برکت والا پہاڑ ہے۔

اور قسم ہے اس امن والے شہر مکہ مکرمہ کی، یہ وہی شہر ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی، جس میں بیت اللہ شریف واقع ہے جو حرم ہے، اور جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے رکھی، یہاں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان چاروں، یعنی: "انجیر، زیتون، کوہِ طور اور بلدِ امین" کی قسم اٹھائی ہے۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم اٹھا کر انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے کہ: اس نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے، اس سے بہتر شکل وصورت اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو عطا نہیں فرمائی، اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی عادتیں اور اخلاق اور اس کی جسمانی شکل وصورت دونوں کے اعتبار سے ہم نے انسان کو دوسری مخلوق سے بہتر بنایا، اگر انسان اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتا ہے تو واقعی وہ کائنات کی بہترین ہستی ہے اور اگر وہ ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتا تو پھر اس سے بڑھ کر بدترین ہستی دنیا میں کوئی نہیں۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ: پہلے جملے میں ساری کائنات سے خوبصورت بنانے کا بیان تھا، اس آیت میں اس کے مقابلے میں یہ فرمایا کہ: جس طرح وہ اپنے بچپن اور جوانی میں ساری مخلوقات سے زیادہ حسین اور سب سے بہتر تھا، آخر میں اس پر یہ حالت بھی آتی ہے کہ وہ بد سے بدتر اور برے سے برا ہو جاتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ بدتری اور برائی اس کی ظاہری وجسمانی حالت کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے کہ جوانی ڈھلنے کے بعد شکل وصورت بدلنے لگتی ہے، بڑھاپا اس کا روپ بالکل بدل دیتا ہے، بدشکل نظر آنے لگتا ہے، بیکار اور دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے، کسی کے کام نہیں آتا، بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ وہ آخری دم تک اپنے کام میں لگے رہتے

ہیں، انسان ان سے دودھ حاصل کرنے، سواری کرنے اور بوجھ لادنے کے اور دوسری قسم کے سینکڑوں کام لیتے ہیں، وہ ذبح کردیئے جائیں یا مرجائیں تو بھی ان کی کھال، بال، ہڈی غرض جسم کا ریزہ ریزہ انسانوں کے کام آتا ہے، اور انسان جب بیماری اور بڑھاپے میں عاجز ہوجاتا ہے تو ظاہری طور پر اور دنیاوی اعتبار سے کسی کام کا نہیں رہتا، مرنے کے بعد اس کے کسی جزء سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ نہیں پہنچتا، خلاصہ یہ ہے کہ اسکے اسفل السافلین میں پہنچ جانے سے مراد اس کی ظاہری اور جسمانی کیفیت ہے۔

وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، سو ایسے لوگوں کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، انہیں قیامت کو ایسی جزا ملے گی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

اس آیت میں نیک لوگوں کو مستثنیٰ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر بڑھاپے کے یہ حالات نہیں آتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جسمانی بیکاری اور ظاہری خرابی کا نقصان ان کو نہیں پہنچتا، بلکہ نقصان صرف ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری فکر اور توانائی اسی ظاہری زندگی پر خرچ کی تھی، وہ اب ختم ہوگئی اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، بخلاف نیک ایمان والے لوگوں کے کہ ان کا اجر و ثواب کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اگر دنیا میں بڑھاپے یا کمزوری اور عجز سے واسطہ بھی پڑا تو آخرت میں ان کے لئے بلند درجے اور راحت ہی راحت موجود ہے، اور بڑھاپے کی بیکاری میں عمل کم ہوجانے کے باوجود ان کے اعمال نامہ میں وہ سب عمل لکھے جاتے ہیں، جو وہ جوانی اور تندرستی کے زمانے میں کیا کرتا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل لکھنے والے فرشتے کو حکم دیدیتے ہیں کہ جو جو نیک عمل یہ اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا، وہ سب اس کے اعمال نامہ میں لکھتے رہو۔

اس کے علاوہ اس جگہ پر نیک ایمان والوں کی جزاء جنت اور اس کی نعمتوں کو بیان کرنے کی بجائے فرمایا: ان کا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں، اس میں اشارہ اس طرف بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ صلہ دنیا کی زندگی ہی سے شروع ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لئے بڑھاپے اور کمزوری میں ایسے مخلص ساتھی مہیا فرمادیتے

ہیں جوان کے آخری دم تک ان سے روحانی فائدے اٹھاتے ہیں، اور ان کی ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں، اسی طرح بڑھاپے کا وہ وقت جب انسان جسمانی طور پر بیکار اور لوگوں پر بوجھ سمجھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہ بندے اس وقت بھی بے کار نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ بات کافروں کے لئے ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو دنیا کے پیچھے برباد کردیا تو اس ناشکری کی سزا میں ان کو اسفل السافلین، یعنی: دوزخ کے نچلے سے نچلے طبقے میں پہنچا دیا جائے گا۔

پھر جزا کے دن کو کیوں نہیں مانتے؟

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿٧﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨﴾ ع ٨ / ٢٠

پھر کون سی چیز جھٹلاری ہے تجھ سے اسکے بعد دین کو (۷) کیا نہیں ہے اللہ بڑا حاکم سب حاکموں سے (۸)

بامحاورہ ترجمہ: پھر (اے انسان!) وہ کون سی دلیل ہے جو تجھے جزا سزا کو جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے۔ (۷) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ (۸)

تفسیر

اس سورت میں زبردست دلیل کے ساتھ انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور بروں کو سزا اور اچھوں کو جزا دیجائے گی، اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ ہوتا تو وہ انسان کی ہدایت کا اتنا زبردست انتظام دنیا میں کیوں کرتا؟

دنیا میں کوئی انسان یا عدالت فیصلہ کرے، اس میں غلطی کا امکان بہر حال موجود ہوتا ہے، یہ عدالت خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، ہائی کورٹ ہو یا سپریم کورٹ، خطا سے خالی نہیں ہو سکتی، لہٰذا فطرت کا تقاضا ہے کہ کوئی ایسی عدالت بھی موجود ہو جس سے غلطی ناممکن ہو، اور ایسی عدالت قیامت کے روز ہی قائم ہوگی، جو ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا پورا بدلہ دلائے گی، لہٰذا قیامت کا انکار اس تقاضے کے خلاف ہے، اگر وہ اعلیٰ ترین عدالت قائم نہ ہو تو پورا پورا

انصاف ملنا ناممکن ہوجاتا ہے، انسان کے ساتھ ظلم وزیادتی کا ازالہ نہ ہوسکتا تھا۔

احکام ومسائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص سورۂ "والتین" پڑھے اور اس آیت پر پہنچے "اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ" تو اس کو چاہئے کہ یہ کلمہ کہے "بَلٰى! وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ"؛ اس لئے حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ: یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔

سورة العلق کا خلاصہ

اس کی پہلی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتری، آپ بہت دن سے غارِ حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، آخر ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر آئے اور آپ سے کہا "اِقْرَاْ" (پڑھو) آپ نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، جبرئیل علیہ السلام نے زور سے دبایا اور پھر وہی کہا، آپ نے پھر وہی جواب دیا، تیسری مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زور سے دبا کر کہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" پڑھو اپنے رب کے نام کی برکت سے۔

اٰياتها — ۱۹ | سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها — ۱

سورۃ العلق مکی ہے اس میں انیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نام لیکر پڑھیئے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ	الْاِنْسَانَ	خَلَقَ	خَلَقَ ﴿۱﴾	الَّذِيْ	رَبِّكَ	بِاسْمِ	اِقْرَاْ
سے	انسان کو	پیدا کیا	پیدا کیا (۱)	جس نے	رب اپنے کے	ساتھ نام	پڑھ

عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤
خون جمے ہوئے(۲) پڑھ اور رب آپ کا بڑا کریم ہے (۳) جس نے سکھایا ساتھ قلم کے (۴)

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝٥ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى ۝٦
سکھایا انسان کو جو نہ وہ جانتا تھا (۵) ہرگز نہیں تحقیق انسان البتہ سرکشی کرتا ہے(۶)

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝٧ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝٨ اَرَءَیْتَ
اسلئے کہ دیکھا ہے اپنے آپکو بے پرواہ (۷) تحقیق طرف رب آپ کے لوٹنا ہے (۸) ذرا دیکھ

الَّذِیْ یَنْهٰى ۝٩ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝١٠ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَى
اس شخص کو جو روکتا ہے (۹) ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے(۱۰) کیا اچھا ہوتا اگر ہوتا وہ پر

الْهُدٰۤى ۝١١ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝١٢ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۝١٣
ٹھیک راہ (۱۱) یا کہتا پرہیزگاری کرنے کو(۱۲) کیا ہوا اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا(۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پڑھیئے! اپنے رب کے نام سے جس نے سب کو پیدا کیا۔(۱) اس نے آدمی کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔(۲) پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔(۳) جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔(۴) آدمی کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔(۵) کوئی نہیں بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے۔(۶) کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی خیال کرتا ہے۔(۷) بے شک سب کا آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے۔(۸) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے؟(۹) بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔(۱۰) آپ بتلائیں کہ اگر نماز پڑھنے والا بندہ ہدایت پر ہو؟ (۱۱) یا وہ تقویٰ کا حکم دیتا ہو؟ (۱۲) آپ بتلائیں کہ! اگر یہ منع کرنے والا شخص تکذیب کرتا ہے اور رُوگردانی کرتا ہے (تو دونوں میں سے کون بہتر ہے؟)۔(۱۳)

لفظی تحقیق: عَلَقٍ: جما ہوا خون۔ اَلْاَكْرَمُ: سب سے زیادہ خطاؤں سے درگزر کرنے والا اور بے دھڑک دینے والا۔ اَلرُّجْعٰى: لوٹنا۔ مصدر ہے ر۔ ج۔ ع سے۔ واپس جانا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے محمد! اللہ کے حکم سے اس کا نام لے کر پڑھیئے، آپ کا رب وہی ہے جس نے یہ سارا جہان پیدا کیا، وہ جانتا ہے کہ کون سی چیز کس طرح پیدا کی جاتی ہے، اس کی قدرت کا اندازہ اس سے کرو کہ اس نے انسان کو ایک بے جان مادہ سے پیدا کیا، جو ایک جمے ہوئے خون کی شکل کا تھا، نہ کچھ جانتا تھا، نہ بوجھتا تھا، اسی نے اس کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا، اور سکھانے کا ذریعہ قلم کو بنایا، لیکن باوجود اس کے انسان عموماً غلطی پر ہے، بات یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا اور آزاد دیکھ کر کھیل کھیلتا ہے اور سرکشی کرتا ہے، لیکن بات یہ نہیں ہے، البتہ وہ مر کر دوبارہ اپنے رب کی طرف لوٹے گا، اس ابوجہل کو دیکھو کہ! وہ اللہ کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے، اس کا بھلا تو اس میں تھا کہ سیدھے راستہ پر چلتا، اور دوسروں کو بھی چلاتا، لیکن افسوس کہ! اس نے جھٹلانے پر کمر باندھی اور حق سے منہ موڑا۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: سورۃ "اقرأ" سے آخر قرآن تک قرآنی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے، جس طرح کوئی شخص لمبی چوڑی تقریر کرنے کے بعد آخر میں اس کا خلاصہ بیان کر دیتا ہے، اسی طرح ان چھوٹی چھوٹی سورتوں میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ ہے اور اس کی ابتداء سورت یعنی سورۂ علق سے ہو رہی ہے۔

تمام محدثین اور مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اس بات پر متفق ہیں کہ وحی اترنے کے اعتبار سے "سورۂ علق" سب سے پہلی سورت ہے، اس کی پہلی پانچ آیتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت اتریں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں تشریف فرما تھے۔

"بخاری شریف" کی روایت ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اُترنے کا وقت قریب آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہائی کو پسند فرمانے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حراء میں تشریف لیجاتے اور چار پانچ دن ہفتہ بھر وہیں رہتے، بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہینہ بھر بھی ٹھہر جاتے، جب گھر تشریف لاتے تو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ

کو کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ باندھ کر دیتیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے، وحی اترنے سے چھ ماہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچے خواب آنے لگے کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں دیکھتے، اس کا نتیجہ سامنے آجاتا، تو یہ خاص باتیں تھیں جو وحی نازل ہونے سے پہلے پیش آئیں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حراء میں تشریف فرما تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی مرتبہ فضا سے خطاب کیا "یا محمد!" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِدھر اُدھر دیکھنے لگے، اتنے میں فرشتہ انسانی صورت میں سامنے آگیا اور آپ سے دوبارہ خطاب کیا "اِقْرَأ" یعنی: پڑھئے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر اتنی زور سے دبایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: مجھے تکلیف ہونے لگی، اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا "اِقْرَأ" میرا جواب دوسری مرتبہ بھی یہی تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، جبرئیل علیہ السلام نے تیسری مرتبہ پکڑ کر مجھے اتنا زور سے دبایا کہ جو پہلی مرتبہ سے زیادہ شدید تھا اور جس سے مجھے سخت تکلیف ہوئی، اس کے بعد مجھے چھوڑا اور کہا "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ" اب کی بار میری زبان جاری ہوگئی، اور جو کچھ جبرئیل علیہ السلام نے کہا وہ میں نے پڑھا، یعنی: یہ ابتدائی پانچ آیتیں میں نے پڑھ لیں۔

اس واقعہ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت گہرا اثر ہوا اور آپ کو بخار ہوگیا، کسی قدر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوف بھی محسوس ہوا، اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے، آپ پر کپکپی طاری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے سردی لگ رہی ہے، مجھ پر کپڑا ڈال دو، انہوں نے ایسا ہی کیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اظہار فرمایا، اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے بخوبی واقف تھیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع ہونے نہیں دیں گے، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بوجھ میں دبے ہوئے لوگوں کا بوجھ اُٹھا لیتے ہیں، بے روزگار آدمی کو کسب پر لگا دیتے ہیں، مہمانوں

کی مہمانداری کرتے ہیں، اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیکر اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں، ورقہ ضعیف آدمی تھا اور عیسائیت کا عالم تھا، انہوں نے مشرکوں کا دین چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرلی تھی، پرانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوا تھا، انہوں نے انجیل کو عبرانی زبان سے عربی میں نقل کیا تھا، ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: اے بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنو کہ یہ کیا کہتے ہیں؟ ورقہ نے کہا، اے میرے بھتیجے! کیا بات ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش آنے والا سارا واقعہ بتادیا، وہ فوراً بول اٹھا، خدا کی قسم! یہ تو وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی لیکر آیا تھا، اور جو سارے نبیوں کے پاس آتا رہا، اس نے تصدیق کردی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں، پھر کہا: کاش! میں اس وقت جوان ہوتا جب یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے شہر سے نکال دیں گے، آپ نے تعجب سے کہا: کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ حالانکہ میں تو ان کی خدمت کرتا رہتا ہوں، اور ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا رہتا ہوں، ورقہ نے کہا کہ ہاں! جو بھی یہ چیز لایا، جو تم لائے ہو، اس کے ساتھ دشمنی کی گئی اور اُسے نکالا گیا، اگر میں اس وقت زندہ رہا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا، اس واقعہ کے تین روز بعد ورقہ فوت ہوگئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خواب میں دیکھا کہ سفید لباس پہنے ہوئے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: مجھے اندازہ ہوا کہ اسکے حالات اچھے ہیں، بہر حال! اگرچہ اسے موقع نہ ملا، مگر وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرگیا۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ: آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ ابتدائی تعلیم عام طور پر زبانی ہوتی ہے اور اس کے بعد جو اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے، وہ قلم کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہے، تمام پہلی تاریخیں علم اور فن وغیرہ قلم کے ذریعے ہی محفوظ رکھے جاتے ہیں، کتابوں کے ذریعے علوم وفنون کی اشاعت قلم ہی کے ذریعے سے باقی ہے، تمام علم قلم کے ساتھ لکھے جاتے ہیں، اور آنے والے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں؛ اسی لئے فرمایا کہ اس رب کے نام کے ساتھ پڑھیئے جس نے قلم کے ذریعے سے سکھلایا، یہاں پر لطیف اشارہ یہ ہے کہ وہ رب کریم جو عام طور پر قلم کے ذریعے سکھاتا ہے وہ بغیر قلم کے سکھانے پر بھی قادر ہے، قلم کے ذریعے

سکھانا بھی اسی کا کام ہے اور بغیر قلم کے سکھانا بھی اسی کی قدرت ہے، لہٰذا اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر قلم کے وہ تعلیم دی جو کسی دوسرے انسان کو عطا نہیں کی۔ اگر قلم نہ ہوتا تو لوگ تمام تاریخ اور علمی کارناموں سے بے خبر رہتے، یہ قلم ہی ہے جس نے ان سب چیزوں کو محفوظ رکھا۔

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں، لکھ دیں۔

اسکے بعد علم کا ایک بہت بڑا ذریعہ وحی ہے، اس ذریعے حاصل ہونے والا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے، وحی پیغمبروں پر نازل ہوتی ہے، لہٰذا اس سورت میں یہ بنیادی بات بتائی گئی ہے کہ انسان کو سب سے زیادہ ضرورت وحی کی ہے، کیونکہ تمام معاملات میں عقل کافی نہیں ہوسکتی، عقل سوچنے میں غلطی کرسکتی ہے جبکہ وحی میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا، کیونکہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے انسانوں کا ذکر یہاں بیان فرمایا ہے، ایک قسم کے وہ انسان ہیں جو اپنی فطرت کے مطابق قرآن کریم کے بتلائے ہوئے حکموں پر عمل کرتے ہیں، تعلیم حاصل کر کے نیکی کو اپناتے ہیں، جو انہیں اونچے درجوں تک پہنچاتی ہیں، ایسے لوگ مؤمن کہلاتے ہیں، مؤمن کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی ہے، لہٰذا اس کو کمال نصیب ہوگا، وہ جنت میں جائے گا اور اس طرح اسے کامیابی نصیب ہوگی۔ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کرتا ہے، سوچ کو پاک رکھتا ہے اور عملوں کو صحیح طور پر انجام دیتا ہے، یہی شخص ایماندار ہے۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کے حکموں پر عمل نہیں کرتے، بلکہ اس کی نافرمانی کرتے ہیں، اور قرآن مجید کی تعلیمات کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے لوگ طاغی یا سرکش کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اشارۃً وہ اسباب بھی بیان فرمائے، جن کی وجہ سے ایسے لوگ سرکشی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس تمام تر سرکشی اور نافرمانی کے باوجود سب کو آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہوگا۔ ہر شخص

اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا، لہٰذا تمام انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رکھیں، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز اور محتاج خیال کریں، جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا، وہ اس کا بندہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو حقیر نہیں جانے گا، وہ ضرور خیال کرے گا کہ جس طرح میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوں، اسی طرح ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔

فرمایا: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے، روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے، مکی زندگی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسے کئی واقعات پیش آئے ہیں، "مسلم شریف" کی حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل نے دیکھا تو کہنے لگا کہ اگر میں نے محمد کو دوبارہ سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو اس کی گردن پر چڑھ جاؤنگا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس شخص کو دیکھا جو آپ کی نماز میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل آگے بڑھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائے، مگر فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا، لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تم جلدی واپس لوٹ آئے؟ کہنے لگا: مجھے خندق نظر آئی جس میں آگ تھی، وہاں پر مجھے پَر نظر آئے؛ اس لئے میں آگے نہیں جاسکا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر یہ شخص آگے بڑھ کر مجھے تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے، اس پر خدا کا قہر نازل ہوتا کہ یہ نماز سے روکتا ہے۔

نماز سے روکنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، اور قرآن پاک کی تلاوت سے انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، لہٰذا وہ شخص نماز سے روکتا ہے، تا کہ قرآن پاک کی آواز کو بلند ہونے سے روکا جاسکے، نماز کی مخالفت کی یہی وجہ ہے۔

سب سے پہلی وحی

"صحیح بخاری وصحیح مسلم" اور حدیث کی دوسری کتابوں اور اگلے پچھلے علما کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتداء "سورۂ علق" سے یعنی "اِقْرَاْ" سے ہوئی اور اس سورت کی پہلی پانچ آیتیں "مَا لَمْ يَعْلَمْ" تک سب سے پہلے نازل ہوئیں، بعض حضرات نے "سورۂ مدثر" کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے "سورۂ فاتحہ" کو۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے "سورہ اقراء" کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

اور جن حضرات نے "سورۂ مدثر" کو پہلی سورت فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اقراء کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد کافی عرصے تک وحی بند رہی وحی کے نہ آنے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج وغم پیش آیا، اس کے بعد اچانک پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام سامنے آئے اور "سورۂ مدثر" کی آیتیں اتریں، اس وقت بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نازل ہونے اور جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات میں وہ ہی کیفیت ہوئی جو "سورۂ اقراء" کے اترنے کے وقت پیش آئی تھی، جس کا بیان آگے آرہا ہے، اس طرح ایک لمبے عرصے تک وحی بند ہونے کے بعد سب سے پہلے "سورۂ مدثر" کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس لحاظ سے اس کو بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں۔

اور "سورۂ فاتحہ" کو جن حضرات نے پہلی سورت فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مکمل سورت سب سے پہلے "سورۂ فاتحہ" ہی نازل ہوئی، اس سے پہلے چند سورتوں کی مختلف آیتیں ہی نازل ہوئی تھیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ: اس میں لفظ اسم بڑھانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن جب بھی پڑھیں، اللہ کا نام لیکر، یعنی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر شروع کریں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کا جواب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس لفظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ اگرچہ آپ اپنی موجودہ حالت کے اعتبار سے لکھے پڑھے نہیں ہیں، مگر آپ کے رب کو سب قدرت ہے، وہ آپ پڑھے لکھے نا ہونے کے باوجود بھی آپ کو وحی کا علم عطا کرسکتا ہے جس کے سامنے بڑے بڑے لکھے

پڑھے عاجز ہوجائیں، جیسا کہ بعد میں اس کا ظہور ہوا۔

قلم کے ساتھ

لکھنے کا علم سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا؟

بعض حضرات نے فرمایا کہ: سب سے پہلے قلم سے لکھنے کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا گیا تھا، اور سب سے پہلے انہوں نے لکھنا شروع کیا تھا۔ (کعب احبار)، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ: سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے، اور سب سے پہلے قلم کے ذریعے لکھنے والے ہیں۔ (ضحاک)

خط و کتابت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: قلم سے لکھنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا، نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور ان کو جہالت کی اندھیری سے علم کے نور کی طرف نکالا اور علمِ کتابت کی ترغیب دی، کیونکہ اس میں بیشمار فائدے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جان نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی سب کتابیں قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، اگر قلم نہ ہو تو دنیا و دین کے سارے ہی کام مشکل ہوجائیں۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ: اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے، یعنی: قلمی تعلیم۔

علم کا ذریعہ صرف قلم نہیں بلکہ بے شمار ذرائع ہیں، اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہیں، اور اس کے لئے تعلیم دینے کے ذرائع بیشمار ہیں، کچھ قلم ہی مخصوص نہیں؛ اس لئے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا۔

ناماننے گا تو تباہ ہوگا

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا
کیا اتنا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے (۱۴) ہرگز نہیں البتہ اگر نہ باز آیا تو البتہ ضرور گھسیٹیں گے ہم

بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾
پیشانی کے بال پکڑ کر (۱۵) کیسی پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے (۱۶) پس بلالے گروہ کو اپنے (۱۷)

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾
ہم بھی بلاتے ہیں پیادوں کو (۱۸) ہرگز نہیں مت مان اسکی بات اور سجدہ کر اور نزدیک ہو (۱۹)

ع ۲۰ / ۲۴ — السجدۃ ۱۵

بامحاورہ ترجمہ: کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے؟ (۱۴) ہرگز نہیں! اگر باز نہ آئے گا تو ہم پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ (۱۵) جو پیشانی جھوٹی گناہ گار ہے۔ (۱۶) اب بلالے اپنی مجلس والوں کو۔ (۱۷) ہم بھی بلاتے ہیں پیادوں کو۔ (۱۸) کوئی نہیں اس کا کہنا مت مانیں اور سجدہ کریں اور اپنے رب سے نزدیک ہوں۔ (۱۹)

لفظی تحقیق: لَنَسْفَعَنَّ: البتہ ہم ضرور گھسیٹیں گے۔ مضارع متکلم بالام تاکید ونون تاکید خفیفہ ہے۔ س۔ف۔ع، "سفع" کے معنی ہیں کھینچنا اور گھسیٹنا۔ زَبَانِيَةَ: سزا دینے والے پیادے، "زبنية" کی جمع ہے جو: ز۔ب۔ن سے اسم ہے۔ "زبن" کے معنی پکڑ کر دفع کرنا۔ "زبنية" سرکاری پیادہ جو حکم ملتے ہی کسی شخص کو دھکے دے کر مار مار کر نکال دے اور دفع کردے۔

تفسیر

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى: یعنی: کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے؛ اس لئے عام اور خاص شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے، اور اس

سے روکنے والے بدبخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفاء کیا گیا ہے کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں، آگے دیکھنے کے بعد حشر کیا ہوگا؟ اس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابلِ تصور نہیں۔

ارشاد ہے کہ: اس شخص نے سرکشی اختیار کی اور یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ میرے کاموں کو دیکھ رہا ہے اور سمجھا کہ بس میں ہی میں ہوں، جو چاہے کروں، ہرگز یہ بات نہیں، اگر یہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے اور گڑھے میں پھینک دیں گے، اب اگر یہ کہتا ہے کہ میرے طرفدار اور حمایتی بہت ہیں تو اس کی پیشانی جھوٹ اور دغابازی سے بھری ہوئی ہے اور نافرمانی اور گناہ سے پر ہے، اس سے کہہ دو کہ انہیں بلالے، ہم بھی اپنے سزا دینے والے پیادوں کو بلا لیتے ہیں، ہرگز یہ بات نہیں، جو یہ سوچ رہا ہے، تم اس کی ایک مت سنو، اپنے رب کو سجدہ کرو اور اپنے رب کی نزدیکی حاصل کرو، چنانچہ بدر کے دن یہی ہوا کہ مسلمانوں نے ابوجہل کے مغرور سر کے بال پکڑ کر گھسیٹا اور کنوئیں میں ڈال دیا اور آخرت میں فرشتے اس کے سر کے بال پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اسے دوزخ میں جھونک دیں گے۔

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کے ذریعے قرآن سکھایا اور انسان کو کام کی ساری باتیں بتادیں، اب اگر کوئی ابوجہل کی طرح سرکشی اختیار کرتا ہے تو اس کو بھی ویسی ہی سزا ملے گی جیسی اسے ملی، اس میں گُر کی بات یہ بتائی ہے کہ انسان اپنے آپ کو طاقتور اور لشکر والا دیکھ کر سمجھتا ہے کہ میں جو چاہے کر سکتا ہوں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا رب یعنی اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور وہ اسی کے پاس لوٹ کر جائے گا اور اپنے کئے کی سزا پائے گا۔

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ: "سفع" کے معنی سختی کیساتھ کھینچنے کے ہیں اور "نَاصِيَةِ" سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جو پیشانی کے اُوپر ہوتے ہیں، جس شخص کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں وہ اس کے ہاتھ میں مجبور ہو کر رہ جاتا ہے۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ: عنقریب ہم بلالیں گے پیدل فرشتوں کو۔ وہ اسے پکڑ کر ذلیل ورسوا کردیں گے،

اور اس کا کوئی مددگار اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکے گا۔ زبانیہ: پکڑنے والے یا دھکیلنے والے کو کہتے ہیں جو پکڑ کر اور باندھ کر جیل میں ڈال دیں، اس دنیا میں "زَبَانِيَةَ" پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو بتایا گیا، جنہوں نے نہایت بہادری اور جرأت کے ساتھ کافروں کا مقابلہ کیا، اور مشرکوں کو مارا، ان پیروکاروں میں مدینہ کے انصار بھی شامل ہیں، آخرت میں "زَبَانِيَةَ" سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں، جو مجرموں کو پکڑ کر دھکے مارتے ہوئے لے جائیں گے۔

كَلَّا: خبردار! یہ سرکش لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ آپ ان کا کہنا نہ مانیں، کیونکہ اگر ان کی بات مان لی گئی تو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دین نا تمام رہ جائے گا، لہٰذا آپ اپنے دین پر قائم رہیں ان کی بات مان کر آپ اپنا صحیح دین نہ چھوڑیں، اس کی بالکل اجازت نہیں، یہ لوگ آپ کو طرح طرح کے لالچ دیتے ہیں، ڈراتے ہیں، دھمکاتے ہیں اور آپ کی مخالفت میں پورا زور لگاتے ہیں، مگر آپ کو حکم یہی ہے کہ ان کی بات ہرگز نہیں ماننی۔

ان مشرکوں سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کریں، کیونکہ سجدہ کرنا کامل درجے کی فرمانبرداری کی نشانی ہے، اور بہت بڑی عبادت ہے، آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سجدہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی حالت ہے، لہٰذا آپ سجدہ کریں اور اللہ کا قرب حاصل کریں، یعنی: کثرت سے نماز پڑھیں، جس میں کثرت سے سجدے آئیں گے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: اس سب سے پہلی سورت میں ہی اس بات کی طرف اشارہ کردیا گیا کہ کافروں کے ساتھ مقابلے کی جنگ ضرور ہوگی، ان نافرمانوں کے ساتھ صلح کی کوئی گنجائش نہیں، آپ اپنے دین کا کام کرتے جائیں، کمزوری دکھانے سے کامیابی حاصل نہیں ہوگی، اگر اپنے دین پر جمے رہیں گے تو پھر کامیابی آپ کے قدم چومے گی، آپ ہی ان پر غالب ہوں گے۔

سورۃ القدر کا خلاصہ

اس سورت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس قرآن مجید کا دنیا میں پیغمبر ﷺ پر اترنا شبِ قدر میں شروع ہوا، یہ رات مرتبہ کے لحاظ سے ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے، شبِ قدر میں خیر و برکتیں اترتی ہیں، اور سلامتی کا اور امن وامان کا منظر ساری رات جہان میں صبح کے طلوع ہونے تک چھایا رہتا ہے، قرآن اسی رات پیغمبر ﷺ کی طرف وحی کے ذریعہ نازل ہونا شروع ہوا، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے دنیا میں انسان کی ہدایت کے لئے نازل کرنے کا فیصلہ شعبان کی پندرہویں رات کو ہوا، پھر لیلۃ القدر میں اسے لوحِ محفوظ سے قریبی آسمان پر نازل کیا گیا اور بیت العزت میں رکھا گیا، پھر وہاں سے جبرئیل علیہ السلام اسے موقع بہ موقع تھوڑا تھوڑا لیکر پیغمبر ﷺ کے پاس آتے رہے، اور تیئیس (۲۳) سال کی مدت میں پورا قرآن آپ کو پہنچا دیا۔

اس سورت میں کہا گیا ہے کہ یہ ایک رات جسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے، ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ حدیث میں اس کے بارے میں آیا ہے کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر اور اس سے ثواب کی پختہ امید رکھ کر اس رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا، اس کے سارے گناہ جو وہ اس سے پہلے کر چکا ہوگا، معاف کر دیئے جائیں گے، یہ رات کب ہے اور کون سی ہے؟ اس کے بارے میں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر ﷺ اس رات اس ارادہ سے نکلے تھے کہ اس کی بابت لوگوں کو بتادیں کہ یہی وہ رات ہے جسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے، لیکن آپ نے باہر آتے ہی دیکھا کہ دو شخص آپس میں جھگڑ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ: ان کی آپس کی لڑائی کی شامت سے لیلۃ القدر کی تعیین کو بھلا دیا گیا، اب تم اس کو تلاش کروگے تو تمہیں ملے گی اور شاید اسی میں تمہارے لئے بہتری ہو، اب تم اسے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو؛ اسی لئے آپ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف کرنے کی سنت جاری کی، تاکہ شاید لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کا موقع ہاتھ آجائے، کیونکہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے، جیسا کہ اس سورت سے معلوم ہوتا ہے، پھر اس

کی تلاش میں اور راتوں میں بھی عبادت نصیب ہوگی۔

اٰیاتها ۵ سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها ۱

سورۃ القدر مکی ہے اس میں پانچ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

قرآن شبِ قدر میں اُترنا شروع ہوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲

تحقیق ہم اُتارا ہم نے اسے میں رات قدروالی (۱) اور کس نے بتایا تجھے کیا ہے رات قدروالی (۲)

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ

رات قدروالی بہتر ہے سے ہزار ماہ (۳) اُترتے ہیں فرشتے

وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِيَ

اور جبرئیل میں اس سے حکم رب اپنے کے سے ہر کام (۴) امن وامان ہے وہ

حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

تک طلوع ہونے صبح کے (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے اسے قدروالی رات میں اُتارا۔ (۱) اور آپ نے کیا سمجھا کہ قدروالی رات کیا ہے؟ (۲) قدروالی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (۳) اس میں فرشتے اور روح (جبرئیل) اُترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کو لیکر۔ (۴) سلامتی والی ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک۔ (۵)

وقف النبی ﷺ معانقة ۲۵ ع ۵ المعانقة

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے یہ قرآن قدر والی رات میں اُتارا، قدر والی رات کے بارے میں آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ رات ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس رات جبرئیل علیہ السلام دوسرے فرشتوں کے ساتھ دنیا میں ہر کام کی بابت جو اس سال ہونے ہیں، احکام لیکر اُترتے ہیں اور صبح تک امن وامان اور خیر وبرکت کا نزول ہوتا رہتا ہے، "سورۃ الدخان" میں پندرہویں شعبان کی رات کے بارے میں بھی یہی کہا گیا تھا جو یہاں قدر والی رات کے بارے میں کہا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں راتوں کا آپس میں تعلق ہے، ایک میں اختصار کے ساتھ اور دوسری میں تفصیلی احکام نازل ہوتے ہیں۔

اس سورت کے شانِ نزول میں مفسرین کرام رحمہ اللہ علیہم بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ایک ہزار مہینے تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، وہ شخص دن کو جہاد کرتا تھا، اور رات بھر عبادت میں گزار دیتا تھا، جب یہ واقعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سنا تو وہ تعجب کرنے لگے، اور خیال کرنے لگے کہ ایسے لوگوں کے درجات بہت بلند ہوں گے، ہم میں اتنی ہمت کہاں کہ ان کا مقابلہ کرسکیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا ارشاد یہ فرمایا کہ: میری اُمت کی عمریں عام طور پر ساٹھ اور ستّر سال کے درمیان ہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو اس سے آگے جاتے ہیں، آپ کے اس فرمان سے بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محسوس کیا کہ پہلے لوگوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں؛ اس لئے انہیں عبادت کے لئے وقت بھی زیادہ مل جاتا تھا، مگر ہماری عمریں چونکہ مختصر ہیں؛ اس لئے ہم پہلے لوگوں کی طرح کمال کے درجے کو کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو جو خاص فضیلت بخشی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اگر اس امت کے لوگ تھوڑے وقت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص سے کریں تو وہ اجر وثواب میں پچھلی امتوں کے ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی بڑھ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے ایسے ایسے اوقات اور طریقے مقرر کردیئے ہیں

کہ تھوڑے وقت میں زیادہ اجر حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ اس سورت میں قدر والی رات بھی اللہ تعالیٰ نے اسی امت کو عطا فرمائی، اور اس کا مرتبہ اس قدر بلند کیا کہ جو شخص اس ایک رات میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ عبادت کرے، وہ ہزار مہینوں کی مسلسل عبادت سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ اور ایمان والوں کی تسلی کے لئے اس رات کی فضیلت یوں بیان فرمایا: ہم نے قرآن پاک کو قدر والی رات میں اُتارا۔ لفظ قدر کے دو معنیٰ ہیں، اور یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، قدر کا پہلا معنیٰ عظمت اور شرافت ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ رات اجر وثواب کے اعتبار سے بڑی فضیلت رکھتی ہے، قدر کا دوسرا معنیٰ تقدیر ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کے علم میں انسانوں اور کائنات کے لئے جو چیزیں مقرر ہیں، ان کے سال بھر کے اعمال فرشتوں کو نوٹ کرا دیے جاتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ تدبیر میں لگ جائیں۔

اس رات میں اُترنے والے فرشتوں کی جماعت زمین میں پھیل جاتی ہے اور وہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہے، ایسے شخص کے لئے فرشتے دعائیں مانگتے ہیں، وہ دعا اور استغفار صرف انہیں لوگوں کے لئے کرتے ہیں، جو اس رات عبادت میں مصروف رہ کر اپنے اللہ کو راضی کرتے ہیں، بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جنہیں اس بابرکت رات میں بھی معافی نہیں ملتی، حدیث شریف میں آتا ہے، جو شخص مسلسل شراب نوشی کرتا ہے، توبہ نہیں کرتا، ماں باپ کا نافرمان ہے، شرک کو نہیں چھوڑتا، لوگوں سے تعلق توڑتا ہے، کینہ رکھتا ہے، ایسے شخص کو اس رات کی کوئی برکت حاصل نہیں ہوتی، وہ محروم رہتا ہے، خیر وبرکات کا اُترنا جاری رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے انعامات آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ طلوعِ فجر ہو جاتی ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا اترنا ساری رات جاری رہتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ قرآن پاک کا اُترنا رمضان المبارک میں ہوا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آسمانی کتابیں رمضان کے مہینے میں ہی نازل ہوئیں، موسیٰ علیہ السلام پر "تورات" رمضان کی چھ تاریخ کو نازل ہوئی، بعض روایات میں تیسری تاریخ کا ذکر ہے، ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے بھی رمضان میں نازل ہوئے، داؤد علیہ السلام کی

"زبور" تیرہویں رمضان، اور "انجیل" سترہویں رمضان کو نازل ہوئی، اس طرح قرآن پاک لوحِ محفوظ سے قریبی آسمان پر بیت المکرم میں رکھ دیا گیا، اور پھر تیئیس (۲۳) سال میں آہستہ آہستہ نازل ہوا، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: قرآن پاک کا ابتداءِ نزول اس مبارک رات سے ہوا۔

بہر حال! یہ بڑی عظمت اور برکت والی رات ہے، اور یہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں سے طاق رات ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سال ایک ہی مقرر رات ہو، بلکہ کبھی اکیسویں، کبھی تیئسویں، کبھی پچیسویں، کبھی ستائیسویں اور کبھی انتیسویں بھی ہو سکتی ہے، تاہم یہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی رات ہے۔
روایتوں میں اس رات میں توبہ کا قبول ہونا اور آسمان کے دروازوں کا کھلا رہنا اور ہر مؤمن پر ملائکہ کا سلام کرنا آیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں قدر والی رات کو پاؤں تو کیا دعا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ: یہ دعا کرو "اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ" یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں، میری خطائیں معاف فرمادیں۔

احکام و مسائل

مختلف ملکوں اور شہروں میں قدر والی رات مختلف دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو قدر والی رات قرار پائے گی، اس جگہ اسی رات میں قدر والی رات کی برکتیں حاصل ہوں گے۔

جس شخص نے قدر والی رات میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی، اس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا، اور جو شخص جتنی زیادہ عبادت کریگا، اتنا زیادہ ثواب پائے گا، "صحیح مسلم" میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی تو آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا، اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو پوری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب حاصل کرلیا۔

آیاتھا — ۸ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ رکوعاتھا — ۱

سورۃ البینۃ مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

ہدایت کی صرف ایک ہی صورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ
نہ تھے وہ لوگ جو اللہ کے منکر ہوئے سے کتاب والوں میں اور مشرکوں میں سے

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا
باز آنے والے یہاں تک کہ آئے انکے پاس صاف بات کھلی (۱) ایک پیغمبر سے طرف اللہ کی جو پڑھے

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ
ورقے پاک صاف (۲) جن میں لکھی ہوئی ہوں مضبوط باتیں (۳) اور نہیں الگ الگ ہوئے وہ جنہیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴
دی گئی کتاب مگر سے بعد اسکے کہ آ گئی انکے پاس صاف کھلی بات (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اہل کتاب میں سے جنہوں نے کفر کیا اور جو دوسرے مشرک تھے، وہ باز آنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کے پاس واضح بات آجائے۔ (۱) (وہ واضح بات) اللہ تعالیٰ کا (عظیم الشان) پیغمبر ہے جو کہ پاکیزہ صحیفہ پڑھتا ہے۔ (۲) ان میں مضبوط باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ (۳) اہل کتاب میں پھوٹ پڑ گئی جب ان کے پاس وہ واضح بات (پیغمبر) آ گیا۔ (۴)

لفظی تحقیق: مُنْفَكِّيْنَ: باز آنے والے۔ "منفك" کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے، "انفکاک"

سے جو: ف۔ک۔ک سے بنا ہے۔"فَكّ" کے معنی جدا کردینا، چھڑادینا۔روک دینا۔كُتُبٌ: لکھی ہوئی باتیں کتاب کی جمع ہے جو لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔قَيِّمَةٌ: کھری، راسخ، مضبوط۔"قَيِّمَ "جو "سورۃ الروم" میں گزر چکا ہے، کی مؤنث ہے۔یعنی: مضبوط۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دنیا میں دین کی صورت بگڑ چکی تھی، کتاب والے ہوں یا مشرک، سب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھے تھے، انہیں سمجھانا کسی کے بس کا نہ تھا، صرف ایک صورت تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ایک معزز پیغمبر ایک نئی کتاب لیکر آئے جس میں ساری مضبوط باتیں جمع ہوں اور وہ انہیں پڑھ کر سنائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف صاف باتیں لے کر آئے، لیکن لوگوں نے دونوں بار انہیں ٹھکرا دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کر کے بہت سے فرقے یہودیوں، عیسائیوں کے بن گئے اور پھر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھی طرح پہچان لینے کے باوجود ضد پر اُتر آئے اور نئے نئے فرقے بنا کر بیٹھ گئے، چنانچہ اب تک بجائے اس کے کہ دین اسلام پر متحد ہو جاتے، اپنا اپنا دین بنائے بیٹھے ہیں اور ہر گروہ اپنے بنائے ہوئے دین کو سب سے اچھا سمجھتا ہے اور دوسرے کے دین کو مٹانے کی فکر میں ہے، اسلام کے صاف پیغام کے بعد اس ہٹ دھرمی کا نہ کوئی موقع ہے اور نہ اس پر جمے رہنے کا کوئی معقول عذر ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب یہ سورت نازل ہوئی، اس زمانے میں جو مذہب دنیا میں موجود تھے، ان میں یہودی، عیسائی اور صابی تھے، صابی ستارہ پرست تھے، اور تعداد میں کم تھے، صابیوں کو بعض حضرات اہلِ کتاب میں شمار کرتے تھے، اور بعض مشرکوں میں۔ان کے علاوہ مجوسیوں کا مذہب تھا، یہ لوگ ایرانی آگ کے پجاری تھے، اس زمانے میں آدھی دنیا ان کے ماتحت تھی، باقی آدھی دنیا قیصر کے ماتحت تھی، قیصر عیسائی اور کسریٰ مجوسی تھا، مجوسی آگ میں کرشمہ مانتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں، پانچواں فرقہ عرب کے مشرکوں کا تھا، یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو کار کہتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور

ان کا اتباع کرتے ہیں۔

یہ پانچوں فرقے باطل فرقے تھے، قرآن پاک میں ان پانچوں کا ذکر موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ تمام کے تمام جس جس باطل عقیدے پر چل رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کردیں گے، اب اس سورت مبارکہ کے شروع میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ان لوگوں کے حالات اتنے بگڑ چکے تھے، ان کے عقیدے اتنے خراب ہو چکے تھے کہ کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتا تو کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ ضرورت تھی کہ کوئی پیغمبر آئے جو ان کی اصلاح کرے۔

ان باطل فرقوں میں عرب کے مشرک ایسے لوگ تھے جنہوں نے کفر و شرک کو ملتِ ابراہیمی بنایا ہوا تھا، ان کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو ان کے پاس بھیجا، ان میں سے اہلِ کتاب بڑے ضدی ثابت ہوئے، ان کے باپ دادا آپ ﷺ کے آنے سے پہلے آپ کی آمد کے منتظر تھے کہ وہ آخری پیغمبر آنے والا ہے، جس کی پیش گوئی ابراہیم علیہ السلام نے کی، موسیٰ علیہ السلام نے کی اور عیسیٰ علیہ السلام نے کی، بلکہ سارے پیغمبروں نے کی، یہ لوگ اس نبی کے انتظار میں دعائیں مانگتے تھے کہ وہ آئیں اور ہم ان کا ساتھ دیں، ان کی برکت سے ہمیں دوسرے لوگوں پر غلبہ حاصل ہو، ہم کافروں پر فتح حاصل کرلیں، مگر جب اللہ تعالیٰ کا وہ پیغمبر آ گیا تو ان کی نسلوں نے انکار کردیا، مشرکوں کا حشر تو یہ ہوا کہ کچھ مارے گئے، کچھ چلے گئے اور باقیوں نے اسلام قبول کرلیا، مگر مدینہ طیبہ اور اس کے اردگرد میں یہودی اسی طرح ڈٹے رہے، یہودیوں کے دس بڑے بڑے عالم تھے، ایک موقع پر پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: اگر یہ دس آدمی مسلمان ہو جائیں تو کوئی یہودی باقی نہ رہے، سارے کے سارے اسلام قبول کرلیں، مگر ان دس میں سے صرف ایک (عبد اللہ بن سلام) نے اسلام قبول کیا، باقی تو یہودیت پر قائم رہے اور اسی باطل عقیدہ پر ان کا خاتمہ ہوا۔

یہ بات بیان کرنے کے بعد کہ اہلِ کتاب اور مشرک باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس "بَيِّنَة" آجائے، ان کے متعلق مزید تفصیل میں فرمایا: نہیں تفرقہ کیا یا نہیں پھوٹ ڈالی ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر واضح بات آجانے کے بعد، جب ان کے پاس بینہ، یعنی: اللہ تعالیٰ کا پیغمبر آ گیا تو ان میں

اختلاف پیدا ہوگیا، بعض نے مان لیا اور بعض نے انکار کیا، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بات اشارۃً سمجھادی کہ پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کے بہتر فرقے بنے اور میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے، جن میں سے صرف ایک نجات پانے والا ہوگا، باقی سب آگ میں جائیں گے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: نجات پانے والا وہ فرقہ ہوگا، جو میرے اور میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقے پر ہوگا، باقی سب دوزخی ہوں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کی وجہ بیان فرمائی کہ ان کا انکار غلط تھا، کیونکہ پیغمبر کسی نئی بات کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ پیغمبر کی تعلیم وہی ہوتی ہے جو اس سے پہلے پیغمبر دیتے آئے ہیں۔

پہلی آیت میں پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں کفر وشرک کے غلبہ کو ذکر فرمایا گیا ہے کہ کفر وشرک کی ایسی عالمگیر ظلمت کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جیسے ان کی بیماری سخت ہے، ان کے علاج کے لئے بھی کوئی سب سے بڑا حکیم بھیجنا چاہئے۔

قَيِّمَةٌ: بمعنیٰ "مستقيمة" ہے اور یہ کتاب کی صفت ہے، معنی یہ ہیں کہ یہ احکام سیدھے، منصفانہ اور عادلانہ ہیں، اور اس کے معنی مضبوط کے بھی ہو سکتے ہیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام جو قرآن میں آئے ہیں، قیامت تک رہیں گے۔

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ....الخ، "تَفَرَّقَ" سے مراد اس جگہ انکار واختلاف ہے، قرآن اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیغمبری سے جس پر تمام اہلِ کتاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش سے پہلے متفق تھے، کیونکہ ان کی آسمانی کتاب "تورات وانجیل" میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیغمبری کا اور آپ کی خاص خاص صفات اور آپ پر قرآن نازل ہونے کا واضح ذکر موجود تھا؛ اس لئے کسی یہودی وعیسائی کو اس میں اختلاف نہیں تھا کہ آخر زمانے میں پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائیں گے، آپ پر قرآن نازل ہوگا، آپ ہی کا اتباع سب پر لازم ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ان کے اس اتفاق کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ یہ اہل کتاب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیغمبری سے پہلے آپ کے آنے کے انتظار میں تھے اور جب کبھی مشرکوں، یعنی: بت پرستوں سے ان کا مقابلہ ہوتا تو آنے والے نبی کے

واسطے سے اپنی فتح مانگتے تھے، یعنی: اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ آخری پیغمبر جو آنے والے ہیں، ان کی برکت سے ہمیں فتح نصیب فرمادے، یا یہ کہ یہ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ ہمارے خلاف زور آزمائی کرتے ہو، مگر عنقریب ایک ایسے پیغمبر آنے والے ہیں جو تم سب کو مغلوب کردیں گے اور ہم چونکہ ان کے ساتھ ہوں تو ہماری فتح ہوگی۔

یہ عجیب بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے اور دیکھنے سے پہلے ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی اختلاف نہیں تھا، سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کے اعتقاد پر جمع تھے، مگر جب یہ اللہ تعالیٰ کی واضح نشانی، یعنی: آخری پیغمبر تشریف لے آئے تو ان میں اختلاف پیدا ہوگیا، کچھ لوگ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور بہت سے انکار کرنے لگے۔

بات تو بہت اچھی بتائی گئی تھی

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬
اور نہیں حکم ہوا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی خالص کرکے واسطے اسکے اطاعت

حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ
منہ موڑ کر سب سے اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوۃ اور یہی ہے راستہ

الْقَيِّمَةِ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ
سیدھا (۵) تحقیق جو لوگ انکار کر بیٹھے اللہ کا سے والوں کتاب اور مشرکوں میں سے

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶ اِنَّ
میں آگ ہونگے جہنم کی ہمیشہ رہنے والے میں اس وہ لوگ وہی ہیں بدترین مخلوق (۶) تحقیق

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝۷
وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کئے انہوں نے اچھے وہ لوگ وہ ہیں بہترین مخلوق (۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اوران کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں خالص اسی کی بندگی سب سے منہ موڑ کر اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی سیدھا راستہ ہے۔(۵) اور وہ جو منکر ہوئے اہلِ کتاب اور مشرکوں میں سے دوزخ کی آگ میں ہوں گے، سدا رہیں گے اس میں اور وہ لوگ ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔(۶) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے وہ ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔(۷)

لفظی تحقیق: حُنَفَآءَ: سب سے منہ موڑنے والے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: لوگوں کو آخری پیغمبر نے کچھ اور تو نہیں کہا تھا، صرف یہی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور سب کو چھوڑ کر خالص دین کے ساتھ اسکی فرمانبرداری کرو، نماز پڑھتے اور زکوۃ ادا کرتے رہو، یہی ہمیشہ ہر مضبوط امت کا طریقہ رہا ہے، پھر خبر نہیں، اس پر سب متحد کیوں نہیں ہو جاتے، بہرحال! وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک، جو اللہ پر ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے، وہ لوگ مخلوق میں سب سے اچھے ہیں۔

اس آیت میں "حُنَفَآءَ" کا جو لفظ آیا ہے اس کا معنی یہ ہے "حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ" یعنی: خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے بن جاؤ، شرک کرنے والے نہ بنو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ: حنیف بن جاؤ، حنیف دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب تھا، اور معنی اس کا یہ ہے کہ ہر طرف سے توجہ ہٹا کر صرف ایک خدا کی طرف متوجہ ہونے والا۔

یہاں پر نماز اور زکوٰۃ کا بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے، ان میں سے نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے، گویا عبادت میں اخلاص کے بعد مالی اور بدنی عبادتوں میں سب سے اہم نماز اور زکوٰۃ ہیں، انہیں عبادات سے آدمی کے دین کی پہچان ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ: یاد رکھو! جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے، یہودی ہوں یا عیسائی، عرب کے مشرک ہوں یا کسی

دوسرے علاقے کے مشرک، ان کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے اور وہاں کسی خاص عرصہ کے لئے داخل نہیں کئے جائیں گے، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیں گے اور اس لحاظ سے وہ خدا کی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہیں، انہی لوگوں کے متعلق دوسرے مقام پر فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور ہیں، بہرے اور گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

ان لوگوں کے بدترین مخلوق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کو اللہ کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں، ان میں حسد، خودغرضی اور سرکشی پائی جاتی ہے۔

وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، وہ ساری مخلوق میں بہترین لوگ ہیں، وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع بنایا اور حنیف بن گئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ٹھہرے۔

"مسند احمد" کی حدیث میں آتا ہے کہ کفر اور شرک کرنے والے بدترین مخلوق ہیں، ایمان اور نیکی کرنے والے بہترین مخلوق ہیں، ایک موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین لوگ کون ہیں؟ فرمایا: دیکھو! جو آدمی ہر وقت تیار رہتا ہے کہ جہاد کا موقع آئے تو جہاد میں شریک ہو جاؤں، وہ پہلے نمبر کا بہترین آدمی ہے، جونہی کوئی خطرہ محسوس کیا، فوراً جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ فرمایا: دوسرے نمبر کا بہترین وہ شخص ہے کہ اگر وہ کہیں جنگل میں ہے، یا بکریوں کے ریوڑ میں ہے، مگر نماز کا وقت آتا ہے تو وقت پر نماز ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ بھی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی بہترین آدمی ہے۔

پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ بدترین مخلوق کون ہیں؟ فرمایا: بدترین مخلوق میں بہت سے لوگ شامل ہیں جن میں کافر اور مشرک ہیں، تاہم وہ شخص بھی بدترین مخلوق ہے جو اللہ کا نام لیکر مانگتا ہے، مگر اس کو ملتا کچھ نہیں، خدا کے نام کی بھی کوئی عزت اور قدر نہیں کرتا، یہ شخص اس لئے بدترین مخلوق میں داخل ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کی خود بے قدری کی، کیونکہ اس کے نام کو ایسے موقع پر پیش کیا، جب کسی نے پروانہ کی، اسی

لئے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر مانگنے سے منع کیا گیا ہے۔

ایمان والوں کی جزا

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
بدلا ان کا نزدیک رب اُنکے کے باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے چلتی ہیں سے نیچے ان کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا
نہریں رہا کریں گے میں ان ہمیشہ راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ

عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸ ع ۸ ۲۲
سے اس یہ واسطے اسکے ہے جو ڈرا رب اپنے سے (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں باغ ہیں ہمیشہ رہنے کو جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی یہ مرتبہ اسے ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ (۸)

لفظی تحقیق: عَدْنٍ: وہ جگہ جہاں ہمیشہ رہا جائے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ایمان لاکر نیک کام کرنے والوں کی جزا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ہے کہ ان کے لئے ہمیشہ کے باغ تیار ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ انہی باغوں میں ہمیشہ رہیں گے، اور سب سے بڑی بات یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے، یاد رکھو! یہ مرتبہ اسے ملے گا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر برے کاموں سے بچے گا اور اس کی نافرمانی نہ کرے گا۔

ایمان والوں کو جنت میں داخل کر کے صرف اللہ تعالیٰ ہی ان سے راضی نہیں ہوگا، بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی

ہوجائیں گے، مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے راضی ہوجانا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر بندوں کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ "بخاری" اور "مسلم شریف" کی حدیث میں آتا ہے کہ جب مؤمن لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے جنت والو! کیا تم راضی ہو؟ بندے تعجب سے عرض کریں گے، مولا کریم! کیا وجہ ہے کہ ہم راضی نہ ہوں؟ آپ نے ہم پر بڑے احسان فرمائے، بے شمار نعمتیں عطا فرمائی، ہمارے چہرے روشن بنائے، ہم راضی کیوں نہ ہوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندو! میں تمہیں کچھ اور بھی دینا چاہتا ہوں، لوگ تعجب کریں گے اور کیا چیز ملنے والی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں تمہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہوں کہ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا، لہٰذا اس موقع پر بندے بہت زیادہ خوش ہوجائیں گے، اسی کو کہا گیا ہے کہ بندے بھی اپنے پروردگار سے راضی ہوجائیں گے، انہیں تمام تر انعامات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے گی، جس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی تو چھوٹی سی رضامندی بھی ہر چیز سے بڑی ہے، چہ جائیکہ اتنی بڑی رضامندی حاصل ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ خود فرمائیں کہ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا، اللہ تعالیٰ سے بندوں کی رضا کا یہی مطلب ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی توحید پر راضی ہونا تو بندے پر فرض ہے، جو بندہ ناراض ہوگا وہ مردود ہوجائے گا۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ: یہ سب کچھ، یعنی: ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

سورۃ الزلزال کا خلاصہ

اس میں انسان کو اس سخت واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس کا نام قیامت ہے، جب یہ قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے گا کہ اپنے آپ کو ہلا ڈالے، چنانچہ اس میں جتنا سخت زلزلہ ہوسکتا ہے، آئے گا، کوئی اونچی عمارت ٹیلہ وغیرہ باقی نہ رہے گا، ساری زمین ہموار چٹیل میدان ہوجائے گی اور اپنے اندر کی ساری چیزیں

باہر نکال پھینک دے گی، سونا، چاندی، قیمتی معدنیات سب چیزیں باہر نکل پڑیں گی اور سارے انسان حیران ہوکر کہیں گے کہ آج زمین کو کیا ہوگیا؟ اس وقت زمین اپنی ساری خبریں کہہ ڈالے گی کہ مجھ پر رہتے ہوئے انسان نے کیا کیا کام کئے، زمین کا ہر حصہ وہ ساری باتیں بتائیں گا جو انسان نے وہاں کی ہوں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہی حکم دیا ہوگا کہ سب کچھ کہہ ڈالے۔ سارے انسان اپنی اپنی قبروں میں یا جہاں کہیں بھی ہوں گے اپنے اپنے عمل کے مطابق گروہ گروہ بن کر باہر نکل پڑیں گے، تا کہ ہر ایک کے عمل اس کے سامنے رکھ دئے جائیں، ہر ایک اپنی اپنی ذرہ ذرہ بھلائی و برائی جو اس نے کی ہوگی، اپنے سامنے دیکھ لے گا۔

آیاتها ـــ ۸ | سُوْرَةُ الزِلْزَالِ مَدَنِيَّة | رکوعاتها ـــ ۱

سورۃ الزلزال مدنی ہے اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

قیامت کا زلزلہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝٢

جب ہلا دیا جائے زمین کو ہلائے جانا اپنا (۱) اور باہر نکال ڈالے گی زمین بوجھ اپنے (۲)

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝٣ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝٤ بِاَنَّ

اور کہے گا انسان کیا ہوگیا اسے (۳) اس دن کہہ ڈالے گی زمین خبریں اپنی (۴) کیونکہ

رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا

رب تیرے نے حکم دیا اسے (۵) اس دن باہر نکلیں گے لوگ مختلف گروہوں میں تا کہ دکھائے جائیں انکو

اَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ وَ مَنْ
عمل انکے (٦) پس جس نے کی ہوگی برابر ذرہ کے بھلائی دیکھے گا وہ اسے (٧) اور جس نے

يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨
کی ہوگی برابر ذرہ کے برائی دیکھے گا وہ اسے (٨)

ع ٨ ٢٢

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب ہلا ڈالی جائے گی زمین اس کے بھونچال سے۔(١) اور نکال باہر کریگی زمین اپنے اندر کے بوجھ۔(٢) اور آدمی کہے گا اس کو کیا ہوگیا۔(٣) اس دن وہ اپنی باتیں کہہ ڈالی گی۔(٤) اس واسطے کہ تیرے رب نے اسے یہی حکم بھیجا۔(٥) اس دن باہر آئیں گے لوگ مختلف گروہوں میں کہ انہیں ان کے عمل دکھائے جائیں گے۔(٦) سو! جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔(٧) اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔(٨)

لفظی تحقیق: زُلْزِلَتِ: ہلادی جائے۔ ماضی مجہول ہے فعل رباعی سے، جس کا مصدر "زلزلة" اور "زِلْزال" ہے، اس کے معنی ہیں زور سے ہلانا۔ "زلزالها" یعنی: زمین کے زبردست بھونچال سے۔ اَشْتَاتًا: بکھرے ہوئے۔ "شتٌّ" کی جمع ہے جو صفت کا صیغہ ہے، متفرق کے معنی میں ہے، مراد یہ ہے کہ یہ لوگ قسم قسم کی جماعتوں میں بنے ہوئے نکلیں گے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان کیا دنیا میں پھول کر اور اپنے رب کو بھول کر بیٹھا ہے، یہ مر کر زمین میں ملنے والا ہے، لیکن یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوجائے گا، ایک دن زمین کو زور سے ہلا دیا جائے گا، یعنی: زلزلہ آئے گا، پہاڑ ٹیلے کچھ نہ رہیں گے، یہاں سے وہاں تک میدان صاف ہوجائے گا، اس دن زمین اپنے اندر کی چیزیں باہر نکال پھینکے گی، یعنی: جو بھی چیز زمین کے اندر ہے، سونا ہے یا چاندی، حتیٰ کہ مردے بھی باہر نکال دے گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: قیامت کے قریب بعض جگہوں پر اس قسم کی نشانیاں ظاہر ہوگی، زمین کو حکم

ہوگا، تمہارے اندر سونے کے جو خزانے ہیں انہیں باہر نکال دو، زمین سونے کے ستون باہر پھینک دے گی، دنیا میں فساد پھیلانے والے سونے کی یہ بے قدری دیکھ کر افسوس کا اظہار کریں گے کہ اس کی خاطر ہم لڑتے جھگڑتے رہے، قاتل کہے گا کہ اس سونے کی خاطر میں نے ناحق قتل کیا، چور کہے گا کہ اس کی خاطر میرا ہاتھ کاٹا گیا، اب یہ ستونوں کی صورت میں پڑا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

الغرض! قیامت کو تمام چیزیں باہر نکالی جائیں گی، حدیث شریف میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: زمین کی خبریں ظاہر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے کسی بندے یا بندی نے جو بھی کام کیا ہے زمین اسے ظاہر کر دے گی، جس جس جگہ پر کسی نے عبادت کی ہے یا نیکی کا کوئی کام کیا ہے، وہ سارے راز فاش کر دئے جائیں گے، زمین کے اندر کی تمام چیزیں باہر آ جائیں گی، انسان سخت دہشت میں ہوگا اور حیرت کے ساتھ کہے گا: کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ ساری خبریں بتلا رہی ہے؟ سارے راز ظاہر کر رہی ہے، اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ تیرے رب نے زمین کو حکم کر دیا ہے اور اس کے حکم سے اپنے اندر چھپی ہر چیز باہر نکال رہی ہے، ہر چیز اس میں محفوظ تھی، کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔

آج انسان یہاں بڑی محنت سے سونا، چاندی، کوئلہ، تیل اس کے اندر سے کھود کر نکالتا ہے، اس دن یہ سب چیزیں خود بخود باہر آ جائیں گی اور کوئی لینے والا نہ ہوگا، انسان حیرت سے تکے گا کہ آج اس زمین کو کیا ہو گیا ہے؟ خود بخود ساری چیزیں اپنے اندر سے باہر پھینک رہی ہے۔

اس دن زمین کی ایک اور عجیب حالت سامنے آئے گی، اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا کہ آج وہ سب باتیں بیان کر دے جو کسی وقت انسان نے وہاں کی ہوں گی، کہیں سے آواز آئے گی کہ یہاں چوری کی گئی، کہیں سے قتل، ظلم، لوٹ مار کی خبریں سنائی جا رہی ہوں گی، یہ تو زمین کا حال ہوگا، انسان پر یہ بیت رہی ہوگی کہ ہر ایک انسان زمین کے اندر سے جس میں وہ مر کر مل گیا تھا، اُٹھ کر دوبارہ باہر نکلے گا، پھر سارے انسان اپنے اپنے عملوں کے مطابق گروہوں میں بٹ جائیں گے، کوئی چوروں کا گروہ ہوگا، کوئی زناکاروں کا گروہ ہوگا، کوئی شرابیوں کا گروہ

ہوگا، کوئی لٹیروں کا گروہ ہوگا، اور کہیں ظالموں کا گروہ ہوگا، ہر ایک میدانِ حشر کی طرف دوڑے گا، تاکہ وہاں اپنے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے، جس نے ذرا سی بھی بھلائی کی ہوگی، وہ اس کے سامنے آجائے گی اور جس نے ذرا سی بھی برائی کی ہوگی وہ اس کے سامنے موجود ہوگی۔

اس سورت میں قیامت کا وہ مختصر حال بیان کیا گیا ہے کہ جسے انسان کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہئے، ہرگز کسی کو یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ میں دنیا میں آزاد ہوں، جو چاہوں کرسکتا ہوں، کسی کو حق نہیں کہ میرے کاموں میں دخل دے، اسے خیال رکھنا چاہئے کہ خود زمین بلکہ خود اس کے ہاتھ پاؤں تک بھی اس کا سارا حال ہو بہ ہو کہہ ڈالیں گے، کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑے گی، اچھے کام ہوں تو سکھ پائے گا، برے ہوں گے تو دُکھ اُٹھائے گا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا: اس آیت میں جس زلزلہ کا ذکر ہے، یہ وہ زلزلہ ہے جو پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے سے پہلے دنیا میں ہوگا، جیسا کہ علاماتِ قیامت میں اس زلزلہ کا ذکر آیا ہے، یا اس زلزلہ سے مراد دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد جب مردے زندہ ہوکر زمین سے اُٹھیں گے، اُس وقت کا زلزلہ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ کئی زلزلے ہوں۔ اس سورت میں جو حساب وکتاب کا ذکر ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زلزلہ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد کا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ: مراد اس سے وہ شر ہے جس سے اپنی زندگی میں توبہ نہ کرلی ہو، کیونکہ توبہ سے گناہوں کا معاف ہونا قرآن وسنت میں یقینی طور پر ثابت ہے، البتہ جس گناہ سے توبہ نہیں کی ہے، وہ چھوٹا ہو یا بڑا، آخرت میں اس کا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرکے فرمایا کہ: دیکھو! ایسے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرو جن کو چھوٹا یا حقیر سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر بھی پکڑ ہوتی ہے۔

سورۃ العادیات کا خلاصہ

اس سورت میں انسان کو گھوڑوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، جن سے تمام انسان خاص طور پر عرب کے

لوگ بہت سے کام لیتے ہیں اور وہ بالکل ان کی خواہش کے مطابق ان کا کام بخوبی انجام دیتے ہیں، اور وہ بھی محض اس لئے کہ ان کے مالک ان کیلئے چارہ اور پانی کا انتظام کرتے ہیں، عرب کے گھوڑے خاص طور پر اپنے مالک کے وفاداری مشہور ہیں؛ اس لئے ان کو اس طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ تم نے بھی گھوڑوں سے یہ سبق سیکھا ہوتا کہ تم اپنے مالک کے وفادار اور خادم بنتے ،لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا "کہ جس رب نے اسے سب کچھ دیا" ناشکرا ہے، حالانکہ وہ اپنی آنکھوں سے گھوڑوں کی اپنے مالک کیساتھ وفاداری صاف صاف دیکھ رہا ہے، انسان کو مال جمع کرنے کی دُھن نے بھی کہیں کا نہ رکھا، اور یہ ہر وقت اپنے فائدے کے پیچھے پڑا رہتا ہے، اور اپنے رب اور اپنے مالک کا اسے خیال بھی نہیں آتا۔ عنقریب قبروں سے دوبارہ سب زندہ کر کے نکال لئے جائیں گے، اور دلوں میں جو خیالات بھرے ہوئے تھے، وہ سب ظاہر ہو جائیں گے، اس روز انسان سمجھے گا اور اس کو بتلا دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سارے حالات سے واقف ہے۔

اٰیاتھا — ۱۱ سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ۱

سورۃ العادیات مکی ہے اس میں گیارہ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

گھوڑوں کی وفاداری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَ الْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ

قسم دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپتے ہوئے (۱) پھر آگ سلگانے والے ٹاپ مار کر (۲) پھر لوٹ ڈالنے والے

صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ

صبح کو (۳) پھر اڑائیں اس میں گرد (۴) پھر گھس جاتے ہیں اس وقت فوج میں (۵) تحقیق

الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ
انسان رب اپنے کا البتہ ناشکرا ہے(۶) اور تحقیق وہ پر اس البتہ گواہ ہے (۷) اور

اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۭ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي
بیشک وہ میں محبت مال کی البتہ سخت ہے (۸) کیا پس نہیں جانتا جب باہر نکالا جائیگا جو کچھ میں

الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ
قبروں (۹) اور سامنے آجائیگا جو کچھ میں سینوں (۱۰) تحقیق رب ان کا انکی

ع ۱ ۱۱ ۲۵ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۧ﴿۱۱﴾
اس دن البتہ خبر رکھتا ہے(۱۱)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے ہانپ کر دوڑنے والے گھوڑوں کی۔(۱) پھر قسم ہے ٹاپ مار کر آگ سلگانے والے گھوڑوں کی۔(۲) پھر قسم ہے صبح کے وقت حملہ کرنے والے گھوڑوں کی (کیونکہ عرب کے لوگ اپنی بہادری کو ظاہر کرنے کیلئے اندھیرے میں حملہ کرنا برا سمجھتے تھے۔(۳) پھر قسم ہے گرد اُڑانے والے گھوڑوں کی۔(۴) پھر قسم ہے اس وقت فوج میں گھس جانے والے گھوڑوں کی۔(۵) بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔(۶) اور وہ انسان اس کام کو سامنے دیکھتا ہے۔(۷) اور آدمی مال کی محبت میں بہت پکا ہے۔(۸) کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو قبروں میں ہے۔(۹) اور باہر لایا جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے۔(۱۰) بیشک ان کے رب کو اس دن کی سب خبر ہے۔(۱۱)

لفظی تحقیق: ضَبْحًا: زور سے سانس لینا، دوڑتے وقت گھوڑوں کا ہانپنا۔ اَلْمُغِيْرٰتِ: ایک دم حملہ کرنیوالے گھوڑے۔ اَثَرْنَ: اٹھاتے ہیں، ماضی کا صیغہ ہے، "اَثَارَة" سے، جس کا مادث۔ و۔ رہے، "ثور" کے معنی جوش، "اَثَارَة" خاک اکھاڑ کر اڑانا۔ نَقْعًا: غبار، دھول جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑے اور ہر جگہ چھا جائے۔ كَنُوْدٌ: نمک حرام، صفت کا صیغہ ہے، "كَنُوْدٌ" احسان فراموش کرنا۔ بُعْثِرَ: نکالکر باہر لایا جائے۔ ماضی

مجہول ہے۔"بعثرة" رباعی سے،جس کے معنی پھیلانا اور بکھیرنا ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: گھوڑوں کی طرف غور کرو یہ اپنے مالک کے کیسے وفادار اور خادم ہوتے ہیں، اس کے اشارے پر زور سے دوڑتے ہیں، اور ہانپتے جاتے ہیں، اور پتھر پر سم مار کر آگ نکالتے ہیں، اور آدمیوں کو پیٹھ پر اٹھا کر صبح ہی صبح لوٹنے کے لئے اچانک حملہ کر دیتے ہیں، اپنے ٹاپوں سے گرد وغبار اڑاتے ہیں اور اسی وقت دشمنوں کی جماعت میں گھس جاتے ہیں، اور اپنے مالک کیلئے جان تک دینے سے گریز نہیں کرتے۔

انسانوں کو اس سے یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ وہ اپنے مالک کی خدمت میں دل وجان سے حاضر رہیں اور جو حکم ہو اس کو پورا کریں، اس کے برخلاف انسان اپنے رب کا احسان بھول جاتا ہے اور اس کی ناشکری کرتا ہے، حالانکہ یہ گھوڑوں اور بعض جانوروں کے حالات اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے، اس قدر خود غرض ہے کہ دنیا کا مال وساز وسامان جمع کرنے میں لگا رہتا ہے اور جب کچھ فائدہ حاصل ہو جائے تو بے پروا ہو کر بیٹھ جاتا ہے، اپنے رب کا خیال بھی نہیں کرتا، اس کو یہ معلوم نہیں کہ ایک دن جو کچھ قبروں میں گڑا ہوا ہے، سب کو باہر نکال لیا جائے گا، اور انسان کے دل میں جو خیالات بھرے ہوئے ہیں، سب کھلم کھلا سامنے رکھ دئے جائیں گے، اس وقت ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال خوب جانتا ہے، اس وقت اس کی آنکھیں کھلیں گی اور غفلت کا پردہ سامنے سے ہٹ جائے گا۔

اس سورت میں انسان کی دو بیماریوں کا ذکر ہے، ان میں سے ایک بیماری ناشکر گذاری ہے اور دوسری مال کی شدید محبت ہے، مقصد یہ ہے کہ ان دو بیماریوں کا علاج کرنا چاہئے، تاکہ قرآن پاک پر آسانی سے عمل کیا جا سکے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو بنی

کنانہ کے کافروں کا مقابلہ کرنے کیلئے بھیجا، بنی کنانہ کے کافر بڑے سخت لوگ تھے، آپ نے لشکر کو بعض خصوصی ہدایتیں دیں کہ یہاں سے فلاں تاریخ کو روانہ ہونا اور فلاں تاریخ تک منزلِ مقصود تک پہنچ جانا، اس روز رات کے آخری حصے میں یعنی صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرنا اور پھر فلاں تاریخ کو واپس آجانا، جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت سفر پر روانہ ہوگئی تو راستے میں ایک ندی میں سیلاب آیا ہوا تھا، لہٰذا انہیں ایک دن وہیں رُکنا پڑا، دوسرے روز جب ندی کا پانی اترا تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے روانہ ہوگئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دشمن پر حملہ کیا اور پھر واپس روانہ ہوگئے، چونکہ واپسی میں ایک دن کی تاخیر ہوگئی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مقررہ تاریخ پر نہ پہنچ سکے، منافقوں نے پروپیگنڈا شروع کردیا کہ مسلمان اس جنگ میں مارے گئے ہیں، چنانچہ مسلمانوں میں پریشانی کا پیدا ہونا ایک قدرتی بات تھی، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ "عادیات" نازل فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جن دو بیماریوں کا ذکر کیا ہے یہ عام لوگوں کی ذہنیت کے مطابق ہے ان میں مال کی محبت شدید ہوتی ہے، وہ ناشکر گزار ہوتے ہیں، اور یہی وہ دو بیماریاں ہیں جن کا ذکر اس مقام پر ہوا اور جن کا علاج ضروری ہے۔

ان آیتوں میں پانچ (۵) قسمیں اٹھائیں ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: قسم ہے ہانپ کر دوڑنے والے گھوڑوں کی، یہاں گھوڑوں کی اس حالت کا ذکر ہے جب وہ دوڑ کر ہانپنے لگتے ہیں، پھر فرمایا: قسم ہے قدم جھٹک کر آگ سلگانے والے گھوڑوں کی۔ جب گھوڑا دوڑتا ہے اور اس کے سُم پتھر سے ٹکراتے ہیں تو آگ کی چنگاری پیدا ہوتی ہیں، یہ اس طرف اشارہ ہے، اس زمانے میں آگ چقماق پتھر کو ٹکرا کر حاصل کی جاتی تھی، اسی طرح جب گھوڑے کے نعل پتھر سے ٹکراتے تھے تو چنگاریاں پیدا ہوتی تھیں۔

پھر فرمایا: قسم ہے ان گھوڑوں کی جو صبح کے وقت حملہ کرتے ہیں، جب دشمن میٹھی نیند سو رہا ہوتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دشمن پر حملہ کا ارادہ فرماتے تو رات کے آخری حصے کا انتظار

فرماتے، صبح صادق کے وقت اگر دوسری طرف سے اذان کی آواز سنائی دیتی تو سمجھتے کہ یہ لوگ ایمان والے ہیں، لہٰذا حملہ نہ کرتے۔ اور اگر اذان کی آواز نہ آتی تو حملہ کر دیتے۔

اس کے بعد فرمایا: قسم ہے ان گھوڑوں کی جو اپنے سموں سے گرد وغبار اُڑاتے ہیں، یعنی جب میدانِ جہاد میں دوڑتے ہیں تو لازم ہے کہ گرد وغبار اڑتا ہے، پس وہ دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں، تاکہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکے۔

گھوڑے کی عادتوں اور خصلتوں میں انسان کے لئے بہت بڑا سبق ہے، گھوڑا اپنے مالک کیساتھ کس قدر وفاداری کا ثبوت دیتا ہے، حالانکہ انسان نہ اس کا خالق ہے اور نہ حقیقی مالک، بلکہ صرف اس کے گھاس دانہ کا ہی بندوبست کرتا ہے۔

وہ گھاس دانہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں، اس کا کام صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو اُن تک پہنچانے کا ایک واسطہ بنتا ہے، اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسے پہچانتا ہے اور مانتا ہے کہ اس کے اشارہ پر اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرلیتا ہے۔

برخلاف اس کے انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، وہی اس کا خالق اور حقیقی مالک ہے، اس کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے، انعامات عطا کرتا ہے، مگر انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے، انسان کی حالت قابل افسوس ہے کہ اس میں اپنے مالک کیلئے گھوڑے جتنی وفاداری بھی نہیں پائی جاتی۔

لفظ ”کَنُوْدٌ“ کی تحقیق

”کَنُوْدٌ“ کے معنی میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: وہ شخص جو تکلیفوں کو یاد رکھے اور نعمتوں کو بھول جائے، اس کو ”کَنُوْدٌ“ کہا جاتا ہے۔ ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانیوں میں صرف کرے، وہ ”کَنُوْدٌ“ ہے، اور ”ترمذی“ نے فرمایا کہ: جو شخص نعمت کو دیکھے اور نعمت دینے والے کو نہ دیکھے،

وہ "کَنُوْدٌ" ہے، ان سب باتوں کا حاصل نعمت کی ناشکری کرنا ہے؛ اس لئے "کَنُوْدٌ" کا ترجمہ "ناشکرا" کیا گیا۔

"کَنُوْدٌ" بخیل کو بھی کہتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کَنُوْدٌ" وہ آدمی ہے جو اکیلا کھاتا ہے، خادم کو مارتا ہے، کسی کو خیر نہیں دیتا، اتنا حریص ہے کہ نہ مہمان کی مہمان نوازی کرتا ہے اور نہ کسی غریب، یتیم، مسکین کا خیال رکھتا ہے، محض اپنا پیٹ بھرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

ناشکرگزاری ایک شدید بیماری ہے جو لوگوں میں پائی جاتی ہے، نیز انسان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا، یعنی: انہیں صحیح مقصد کیلئے استعمال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں سمجھتا، بلکہ اپنی محنت کا صلہ سمجھتا ہے۔

اور وہ خود اس بات پر گواہ ہے، اس کی اپنی حالت بتا رہی ہے کہ وہ ناقدردان ہے، گھوڑے کی مثال اس کے سامنے ہے جو معمولی خوراک دینے پر اپنے مالک کا اس قدر فرمانبردار ہے اور یہ انسان ہو کر اپنے حقیقی مالک کا شکر تک ادا نہیں کرتا۔

بے شک انسان مال کی محبت میں بڑا پکا ہے، مال کے ساتھ محبت ہونا قدرتی بات ہے، مگر یہاں شدید کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ مال کی محبت میں اس قدر لگا ہوا ہے کہ اسی کو اپنی زندگی کا اصل مقصد سمجھنے لگا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: مؤمن کیلئے مال اچھا ساتھی ہے، "مسلم شریف" کی حدیث میں یوں بھی آتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے اس کے لئے مال اچھا ہے، ظاہر ہے کہ جو مال میں سے اللہ کا حق ادا کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، صدقہ خیرات کرتا ہے۔

کیا انسان نہیں جانتا جس وقت نکالا جائے گا ان کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی: انہیں قبروں سے باہر نکالا جائے گا اور سینے کے رازوں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ آج تو انسان مال کی محبت میں اپنے راز چھپاتا ہے، دوسروں کو خبر نہیں ہونے دیتا، بعض اوقات لوگوں کو دھوکا بھی دیتا ہے، بظاہر وہ لوگوں سے احسان کرتا نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں اپنے لئے مال سمیٹ رہا ہوتا ہے، قیامت کے دن یہ تمام چیزیں ظاہر کر دی جائیں گی، اس دن

ہر چیز سامنے ہوگی کہ کس شخص نے کیا کیا دھوکا کیا ہے؟ کون سا فراڈ کیا ہے؟ پروپیگنڈا انسانی خدمت کا کرتا تھا، مگر درحقیقت اپنا دھندا چلاتا تھا، ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ تھا، اللہ تعالیٰ اُس دن سینوں کے رازوں کو ظاہر کردیں گے۔

بیشک ان کا پروردگار اس دن اُن سے باخبر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو تو آج بھی ہر چیز کی خبر ہے، مگر اس دن خبردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگوں پر ظاہر ہو جائیگا، کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں رہیگی۔

مال کی محبت کو بُرا قرار دیا، حالانکہ انسانی ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں، اس کے کمانے کو شریعت نے صرف حلال ہی نہیں، بلکہ ضرورت کے طور پر فرض قرار دیا ہے، تو مال کی محبت کا برا ہونا یا تو اس کی شدید محبت کے اعتبار سے ہے کہ مال کی محبت میں ایسا کھوجانا کہ حلال وحرام کی پروا نہ رہے۔

سورۃ القارعہ کا خلاصہ

اس میں انسان کو قیامت سے ڈرایا گیا ہے کہ اس سے غافل ہو کر مت بیٹھ رہنا، جب وہ آئیگی، انسان کے ہوش وحواس اُڑا دے گی، آدمی پروانوں اور پتنگوں کی طرح اِدھر اُدھر بکھرے ہونگے۔ اور بے تحاشہ دوڑے چلے جارہے ہوں گے، اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑ رہے ہوں گے، جن کے نیک عمل کا پلہ بھاری ہوگا، انہیں خوشی نصیب ہوگی اور جن کا نیک اعمال کا پلہ ہلکا ہوگا، وہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے، اس بات کو دھیان میں رکھ کر انسان کرے، جو کچھ کرے۔

اس سورت میں قیامت کے واقعہ کو بہت ہی صاف الفاظ میں واضح کردیا گیا ہے، اب کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ اس مضمون پر قرآن شریف میں خاص طور پر زور نہیں دیا گیا، اس سورت میں کسی مضمون کو نہیں چھیڑا گیا، فقط اتنا ہی کہا گیا ہے، اور بہت زوردار الفاظ میں کہا گیا ہے کہ قیامت میں شک کی گنجائش نہیں، اس میں شک مت کرو۔

آیاتها — ۱۱　سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ　رکوعاتها — ۱

سورۃ العادیات کی ہے اس میں گیارہ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

قیامت کیا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ
کھڑکھڑانے والی(۱) کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی(۲) اور کس نے بتایا تجھے کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی(۳) جس دن

يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ
ہونگے لوگ مانند پروانوں کے بکھرے ہوؤں کے(۴) اور ہونگے پہاڑ

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ
مانند رنگین اُون دھنکی ہوئے کے (۵) پس وہ جو بھاری ہوئے عمل اس کے (۶) پس وہ ہے بیچ

عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾
عیش پسندیدہ کے(۷) اور وہ جو ہلکے ہوئے عمل اس کے (۸) پس ٹھکانہ اسکا گڑھا ہوگا (۹)

ع ۱۱ ۲۶ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾
اور کس نے بتایا تجھے کیا ہے وہ (۱۰) آگ ہے دہکتی ہوئی (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ کھڑکھڑانے والی۔(۱) کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی۔(۲) اور آپ کیا سمجھے کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی۔(۳) جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہونگے۔(۴) اور پہاڑ رنگین دھنی ہوئی اون کی طرح ہونگے۔(۵) پس! وہ جس کے نیک عملوں کا پلڑا بھاری ہوا۔(۶) تو وہ اپنی پسندیدہ زندگی

میں ہوگا۔(۷)اور جس کی نیکی کا پلڑا ہلکا ہوا۔(۸)تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔(۹)اور تو کیا سمجھا وہ کیا ہے۔(۱۰) وہ آگ ہے دہکتی ہوئی۔(۱۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت جب آئے گی تو ہر چیز کو ہلا ڈالے گی۔اس کا حال سنو! آدمی پروانوں کی طرح اور پتنگوں کی طرح بکھرے ہونگے، پہاڑ دھنی ہوئی رنگین روئی کی طرح اڑ رہے ہوں گے، اس دن جس کے اچھے کام بھاری ہوئے، وہ خوش وخرم ہوگا، اور جس کے اچھے کام ہلکے ہوئے وہ گہرے گڑھے میں گرے گا جہاں دہکتی ہوئی آگ ہوگی، انسان کو چاہئے کہ جو کچھ کرے سوچ سمجھ کر کرے، اس کے عملوں کا حساب ہوگا اور جزا وسزا ملے گی۔

قیامت کے مختلف نام

قرآن پاک میں قیامت کے مختلف نام آئے ہیں۔"اَلْقَارِعَةُ" کا معنی ہے: کھٹکھا دینے والی۔قیامت کا ایک معنی"اَلطَّآمَّة" بھی ہے، جس کا معنی ہے: سب چیزوں پر چھا جانے والی۔اسی طرح "غَاشِيَة" بھی قیامت کا نام ہے اور معنی ہے ڈھانپ لینے والی، قرآن پاک میں"اَلْقَارِعَةُاَلْحَاقَّة" کا نام بھی آیا ہے، یعنی ٹھیک طور پر واقع ہونے والی، الغرض! مختلف ناموں سے قیامت کی صفت اور حالت کو بیان کرنا مقصود ہے۔

"قرع" کا معنی ہے کھٹکھٹانا، اور"قَارِعَةُ" کا معنی ہے کھٹکھٹا دینے والی۔یہاں پر"قَارِعَةُ" کا لفظ تین مرتبہ استعمال ہوا ہے، اس سے لوگوں کی توجہ دلانا مقصود ہے کہ متعلقہ مضمون بڑی اہمیت والا ہے۔

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں"اَدْرٰكَ" کا لفظ آیا ہے، اس کے بعد اس کی حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے، اور جہاں پر"وَ مَا يُدْرِيكَ" کا لفظ آیا ہے، وہاں بات کو واضح نہیں کیا گیا، جیسے"وَ مَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ" آپ کو کیا معلوم ہے، شاید کہ قیامت قریب ہو، یہاں پر قیامت کے واقع ہونے کو ظاہر نہیں کیا گیا۔

قیامت کو کھٹکھٹانے والی اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی نازل ہوگی، جس کا اثر ہر چیز پر پڑیگا، کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر قائم نہیں رہے گی، سب کچھ درہم برہم ہوجائے گا، اس کے بعد جب صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز آپس میں ٹکرا جائیگی، جس کی وجہ سے کوئی بھی چیز قائم نہیں رہیگی۔ ایک اور بنیادی اثر یہ ہوگا کہ ہر چیز سے وزن ختم ہوجائے گا اور آپس میں جڑنے کی صلاحیت باقی نہیں رہے گی، تمام چیزیں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی، دنیا میں زیادہ وزنی چیز پہاڑوں کو سمجھا جاتا ہے، ویسے بھی یہ عام تصور ہے کہ پہاڑ ایک نہایت ہی مضبوط چیز ہے، مگر قیامت کے دن پہاڑوں کی جو کیفیت ہوگی، اس کا نقشہ اس سورت میں بیان فرمایا کہ: ان کے ذرات رنگین دُھنی ہوئی اُون کی طرح بکھر جائیں گے۔

فرمایا کہ: جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں (پروانوں) کی طرح ہوجائیں گے، جب آگ جلائی جاتی ہے تو کیڑے مکوڑے، پتنگے وغیرہ ارد گرد بھاگنے لگتے ہیں، پتنگوں میں فطری طور پر بدنظمی کا مادہ پایا جاتا ہے، ان میں افراتفری پائی جاتی ہے، بلا سوچے سمجھے اور منزل کی پروا کئے بغیر بھاگتے پھرتے ہیں، فرمایا: قیامت کے روز انسانوں کی حالت ان پتنگوں جیسی ہوجائے گی، قیامت والے دن انسان بھی افراتفری کا شکار ہوجائیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے اندر گھسیں گے، انہیں پتہ نہیں چلے گا کہ ان کے رشتہ دار اور برادری کہاں ہے؟ لوگوں کا یہ حال کمزوری، بیتابی اور بدنظمی کی وجہ سے ہوگا۔

قیامت کے دن اس قدر مضبوط اور وزنی پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی کہ رنگین دھنی ہوئی اُون کی طرح بکھر جائیں گے "عِهْنِ" رنگین اُون کو کہتے ہیں، کیونکہ مختلف علاقوں میں مختلف رنگوں کے پہاڑ پائے جاتے ہیں، جب ان کے ذرات اُڑیں گے تو مختلف رنگ مل کر ایسا محسوس ہوگا جیسے رنگین دُھنی ہوئی اُون ہوتی ہے۔

جب یہ حالات پیدا ہوں گے تو پھر دوسرا مرحلہ شروع ہوگا، لوگوں کے عمل تولے جائیں گے، تمام اعمال نیک و بد کو سامنے کیا جائیگا۔

بہر حال! جن کے اعمال نامہ ہلکے ہوں گے ان کا ٹھکانہ بھڑکتی ہوئی آگ کا گڑھا ہوگا، وہ آگ جس کے

متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی تپش دنیا کی آگ سے انہتر (۶۹) گنا زیادہ ہوگی، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا حضور! جلانے کے لئے تو یہ آگ بھی کافی ہے، فرمایا: ٹھیک ہے، مگر دوزخ کی آگ اس آگ سے اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی تو گویا اللہ تعالیٰ نے عملوں کے مسئلہ کو واضح کردیا کہ ایماندار اپنی پسندیدہ عیش کی زندگی میں ہوں گے، کیونکہ ان کے عمل وزنی ہوں گے، اور جن کے عمل ہلکے ہوں گے وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے گڑھے میں پھینکے جائیں گے۔

اس سورت میں اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنے اعمال میں وزن پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اعمال بے وزن نکلیں، اور ہم پسندیدہ زندگی کی بجائے آگ کے گڑھے میں جا گریں، عملوں کے بدلے کی منزل قطعی طور پر آنے والی ہے، لہٰذا انسانوں کا فرض ہے کہ اپنے عقیدے کی اصلاح کریں، ایمان کی فکر کریں اور عمل میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کریں، عمل میں اخلاص پیدا کریں اور پیغمبر کی سنت کے مطابق ادائیگی کریں تاکہ قیامت کے دن کی رسوائی سے بچ جائیں۔

"تفسیر مظہری" میں ہے کہ قرآن کریم میں عام طور پر جزا و سزا میں مقابلہ کافروں کا ایمان والے نیک لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے کہ اصلی مؤمنین کاملین وہی ہیں، ان سب آیتوں میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قیامت میں انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے، گنے نہیں جائیں گے، اور عمل کا وزن بقدر اخلاص اور سنت کے مطابق کرنے سے بڑھتا ہے، جس شخص کے عمل میں اخلاص بھی پورا ہوا اور سنت کی مطابقت بھی پوری ہو، اگرچہ اس کے عمل تعداد میں کم ہوں مگر اس کا وزن بہ نسبت اس شخص کے عمل کے بڑھ جائے گا جس نے تعداد میں تو نماز، روزے، صدقہ خیرات، حج عمرے بہت سے کئے ہوں، مگر اخلاص میں کمی رہی یا سنت کے مطابق ہونے میں کمی رہی۔

سورۃ التکاثر کا خلاصہ

اس وقت عرب کے لوگ قبیلوں کے اندر بٹے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ دوسرے سے مال و دولت، عزت

وشہرت میں بڑھا رہنا چاہتا تھا، یہاں تک کہ اپنے آدمیوں کی تعداد بھی دوسروں سے زیادہ دکھانا چاہتا تھا، دنیا کے جھگڑوں میں اس قدر پھنسے رہنے سے نہ اللہ تعالیٰ کا خیال باقی رہتا ہے اور نہ آخرت کا کچھ دھیان آتا ہے، لوگوں کو اس پر جھڑکا جا رہا ہے کہ دنیا کے سامان کی زیادتی میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش عمر بھر کرتے رہتے ہو یہاں تک کہ موت آجاتی ہے اور قبر میں جا پہنچتے ہو، بلکہ وہاں بھی اپنے آدمیوں کی تعداد دوسروں سے زیادہ ثابت کرنے کیلئے قبروں کو گننے لگتے ہو کہ ہمارے مُردے تمہارے مُردوں سے زیادہ ہیں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مال، اولاد کی زیادتی کچھ کام نہیں آئے گی۔

ایاتها ۸ — سُوْرَةُ التَّكَاثُر مَكِّيَّةٌ — رکوعاتها ۱

سورۃ التکاثر مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

دنیا ہی نہیں آخرت بھی ایک چیز ہے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿١﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿٢﴾ كَلَّا سَوْفَ
بھلائے رکھا تمہیں ایک دوسرے سے بڑھنے نے (۱) یہاں تک کہ دیکھ لیں تم نے قبریں (۲) ہرگز نہیں عنقریب

تَعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ
جان لوگے تم (۳) پھر ہرگز نہیں عنقریب جان لوگے تم (۴) ہرگز نہیں کاش جانتے تم

عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿٥﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ
جاننا یقین کا (۵) البتہ ضرور دیکھو گے تم دوزخ کو (۶) پھر البتہ ضرور دیکھو گے تم اسے آنکھ سے

الْيَقِيْنِ ﴿٧﴾ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾
یقین کی (۷) پھر البتہ پوچھے جاؤ گے تم اس دن بابت نعمتوں کی (۸)

ع ۱ ۸ ۲۷

بامحاورہ ترجمہ: غفلت میں رکھا تمہیں ایک دوسرے سے بڑھنے کے جذبے نے۔ (۱) یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ (۲) کوئی نہیں عنقریب جان لوگے۔ (۳) پھر کوئی نہیں آگے جان لوگے۔ (۴) کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کرکے۔ (۵) بیشک تمہیں دیکھنی ہے دوزخ۔ (۶) پھر دیکھنا اسے یقین کی آنکھ سے۔ (۷) پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (۸)

لفظی تحقیق: عِلْمَ الْيَقِيْنِ: دلیلوں سے اس قدر جان لینا کہ یقین آجائے۔ عَيْنَ الْيَقِيْنِ: وہ یقین جو آنکھوں سے دیکھ کر ہوتا ہے۔ جو یقین کا آخری درجہ ہے۔ تَكَاثُرُ: کثرت میں مقابلہ، اس کا مادہ ک۔ث۔ر ہے، کثرۃ: زیادتی میں مقابلہ۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تمہیں دنیا کے اندر مال اور اولاد اور ساز وسامان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نے اُلجھا رکھا ہے اور آخرت سے غافل کردیا ہے یہاں تک کہ مرکر قبروں میں جا پہنچتے ہو۔

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ: اور اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ یہ آیت بنی سعد اور بنی سہم قبیلے کے بارے میں نازل ہوئی دونوں میں سے ہر قبیلے نے کہا کہ ہم میں سردار اور غیرت مند آدمی تم سے زیادہ ہیں اور ہماری تعداد بھی تم سے زیادہ ہے جب گنتی کی گئی عبد مناف زیادہ نکلے، پھر کہنے لگے اب ہم اپنے مردوں کو شمار کریں گے، چنانچہ قبرستان میں جاکر مردوں کو شمار کیا تو بنی سہم کی تعداد کے تین گھر زیادہ نکلے، کیونکہ جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ: خبردار! اس خیال میں نہ رہنا کہ جو کچھ ہے دنیا ہی ہے، عنقریب تمہیں معلوم ہوجائیگا کہ اصل چیز آخرت ہی ہے، کاش تمہیں نظر وفکر سے اس کا یقین ہوجاتا تو اچھے رہتے، ورنہ اس غفلت کی سزا دوزخ ہے، اور وہ تم مرتے ہی دیکھ لوگے، پھر قیامت کے دن تو آنکھوں سے دیکھ کر یقین آجائے گا، اس دن تم سے پوچھا جائے گا کہ دنیا کی نعمتیں غفلت میں کیوں برباد کیں، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا کام ان سے کیوں نہ لیا۔

انسان کو آخرت سے غافل کرنے والی چیزوں میں مال کی محبت پہلی چیز ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ: تمہیں زیادہ مال جمع کرنے کی خواہش نے آخرت سے غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ جاؤ، "تَكَاثُرْ" میں مال، اولاد، دنیا کا ساز وسامان اور جماعت سب کچھ شامل ہے، مطلب یہ ہے کہ لوگ دنیا کے مال ودولت کو جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں، مگر اپنے اصلی مقصد یعنی اپنے مالک کی رضا اور آخرت کی کامیابی کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے، ان کو یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو مال ودولت حاصل ہو، خاندان بڑا ہو، جماعت غالب آئے، تم انہیں چیزوں کی طلب اور حرص میں مبتلا رہتے ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اے آدم کے بیٹے! تم میرا مال! میرا مال! ہی کہتے رہتے ہو، حالانکہ تمہارا مال وہ ہے جو تم نے کھا کر ختم کردیا، یا پہن کر بوسیدہ کردیا، یا اپنے ہاتھ سے صدقہ کر کے آگے بھیج دیا، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے تم اسے چھوڑ کر جانے والے ہو، ایسے مال کے وارث کوئی اور ہوں گیں، آج تم جس مال کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہو، یہ مکان، جائیداد، زمین، باغ تمہارے نہیں رہیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں، یعنی: اس کا مال، اہل وعیال اور عمل، مردے کو دفن کرنے کے بعد دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے، مال واہل جن کی فکر میں انسان زندگی بھر ڈوبا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا، نہ اس کی ذات کی طرف اور نہ اس کے دین کی طرف، وہی مال اور اولاد اسے قبر میں چھوڑ کر واپس چلی آتی ہے؛ اسی لئے فرمایا کہ: مال ودولت کی زیادتی نے غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں تک کہ موت آجاتی ہے اور انسان قبروں میں پہنچ جاتے ہیں، یہ لوگ قبروں میں پہنچ کر نہایت ہی افسوس کا اظہار کریں گے، مگر وہاں ان کا افسوس کچھ فائدہ نہیں دے گا، کاش کہ! وہ اس دنیا میں اللہ کی طرف رجوع کرتے، اس کے حکموں کی پیروی کرتے تو آج انہیں حسرت اور افسوس کا سامنا نہ کرنا پڑتا، جب جہنم سامنے نظر آئے گی، اس وقت تمہیں یقین آئے گا، اس وقت تم یقین کی آنکھ سے دیکھو گے اور افسوس کا اظہار کروگے کہ ہم کس گمراہی میں مبتلا تھے۔

پھر تم سے اس دن پوچھا جائے گا کہ میری دی ہوئی نعمتوں کی تم نے کیا قدردانی کی تھی، "ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن بندوں کو کھڑا کیا جائے گا، چار باتوں کا جواب دیئے بغیر ان کے قدم اٹھنے نہیں دیئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ عمر کے متعلق سوال کریں گے کہ اسے کس چیز میں ختم کیا؟ پھر جسم کے متعلق سوال ہوگا، پھر علم کے متعلق سوال ہوگا کہ علم کے مطابق تم نے کیا عمل کیا؟ اور چوتھا سوال مال سے متعلق ہوگا، یعنی: مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ہر نعمت کی قدر کرتے تھے اگرچہ وہ چھوٹی سے چھوٹی کیوں نہ ہو، لہٰذا کسی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ اس کی قدر کرنی چاہئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، نعمت کو صحیح مقام پر خرچ کرنے سے اس کا شکر ادا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں جنہیں وہ شمار نہیں کرسکتا۔

ایک دفعہ حضور پیغمبر ﷺ ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کے باغ میں تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کہیں دور پانی لینے گئے ہوئے تھے، اس کی بیوی گھر میں موجود تھی آپ کے پوچھنے پر اس کی عورت نے بتایا کہ اس کا خاوند پانی لینے گیا ہوا ہے، اتنے میں وہ بھی پانی کا مشکیزہ اٹھائے آگئے، پیغمبر ﷺ کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے کہ پیغمبر ﷺ اس کے گھر تشریف لائے، اس نے اپنے باغیچے میں مہمانوں کیلئے چٹائی بچھائی، پھر کھجوروں کا گچھ توڑ کر لایا اور پیش کیا، ان سب نے اس میں سے پکی پکی کھجوریں کھالیں اور میٹھا پانی پیا، اس کے بعد پیغمبر ﷺ نے فرمایا: یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت میں سوال ہوگا، یہ پاکیزہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کے نعمتیں ہیں۔

سورۃ التّکاثر کی فضیلت

یہ سورت مبارکہ بڑی فضیلت والی ہے، پیغمبر ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی طاقت رکھتا ہے کہ ہر دن یا ہر رات قرآن کریم کی ایک ہزار آیتیں تلاوت کرے، ایک ہزار آیت قرآن پاک کا تقریباً چھٹا حصہ بنتا ہے،

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: حضور! ہم اتنی طاقت تو نہیں رکھتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: سورہ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" ایک ہزار آیت کے برابر ہے، جس طرح "سورۃ الزلزال" کو آدھا قرآن فرمایا، اسی طرح اس کو ایک ہزار آیت کے برابر فرمایا، اِن آٹھ آیتوں کا تلاوت کرنا اتنا آسان ہے، کوئی لمبا چوڑا کام نہیں، مگر اس کا اجر بہت ہے۔

سورۃ العصر کا خلاصہ

اس سورت میں کہا گیا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے زمانہ کی قدر کرے، یہ دم بدم گھٹتا چلا جائے گا اور آخر میں انسان خسارہ اُٹھائے گا، اگر خسارے سے بچنا ہے تو اس میں یہ کام کرو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، نیک کام کرو، آپس میں ایمانداری اور سچائی کی نصیحت کرو، اور ایک دوسرے کو ہدایت کرو کہ اچھے کاموں میں جو مشکلات پیش آئیں، انہیں صبر و ہمت سے برداشت کرو۔

ایاتها — ۳ | سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها — ۱

سورۃ العصر مکی ہے اس میں تین آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

نجات کا راستہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
قسم زمانہ کی (۱) تحقیق انسان البتہ میں ہے خسارے (۲) مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣ ع ۱/۲۸
کام کئے انہوں نے اچھے اور کہتے رہے دین پر قائم رہنے کو اور کہتے رہے صبر کرنے کو (۳)

بامحاورہ ترجمہ: قسم عصر کی۔(۱) البتہ انسان ضرور گھاٹے میں رہے گا۔(۲) مگر جولوگ ایمان لائے اور بھلے کام کئے اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی اور صبر کی۔(۳)

لفظی تحقیق: تَوَاصَوْا: آپس میں حکم کرتے رہے۔ماضی کا صیغہ ہے تَوَاصِی سے،کسی شخص کوتاکید کے ساتھ موثر انداز میں نصیحت کرنے اور نیک کام کی ہدایت کرنے کا نام وصیت ہے۔اَلْحَقِّ: سچائی،حقیقت،یہاں اس سے مراد وہ سچائی ہے جو وحی کے ذریعے انسان کو بتائی گئی،یعنی: دین اسلام۔صَبْر: تحمل،برداشت،پختہ ہمت۔اچھے کاموں میں دل سے لگے رہنا۔برے کاموں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا،ان دونوں میں پختہ ہمت کی ضرورت ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: زمانہ ہر لمحہ گزرتا چلا جارہا ہے،اگر زمانہ کو یونہی گزرنے دیا تو انسان گھاٹے میں رہے گا، اسے یہ چار باتیں کرنی چاہئیں: **نمبر:** (۱)....اللہ تعالیٰ پر،اس کے پیغمبر پر اور آخرت پر ایمان لائے۔**نمبر:** (۲)....ایک دوسرے سے مل جل کر نیک کاموں میں مصروف رہے۔**نمبر:** (۳)....آپس میں ایک دوسرے کو حق اور سچائی پر قائم رہنے کی ہدایت کرتا رہے۔**نمبر:** (۴)....اچھے کاموں سے کبھی اُکتائے نہیں اور مصیبت میں ہمت نہ ہارے اور دوسروں سے بھی یہی کہتا رہے،جنہوں نے یہ باتیں اختیار نہ کیں،ان کے حالات اور ان کی تاریخ دیکھیں،ان کو کبھی اصلی کامیابی نہ نصیب ہوئی اور نہ ہوگی۔

اس چھوٹی سی تین آیتوں کی سورت میں وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو انسان کو معلوم ہونا چاہئے،سارا قرآن اس کی تفصیل ہے،انسان اس سورت کے مضمون پر غور کرتا ہے تو بیڑا پار ہے۔

وَالْعَصْرِ: قسم ہے زمانے کی،مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: عام طور پر عصر سے زمانہ مراد لیا جاتا ہے، تاہم اس مقام پر عصر سے مراد عصر کی نماز بھی ہوسکتی ہے،عصر سے مراد خاص زمانہ،یعنی: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ بھی ہوسکتا ہے،اگر ایسا ہے تو بڑا مبارک اور فضیلت والا زمانہ ہے،یہ کمالات کے لئے سب سے افضل زمانہ ہے،پیغمبر

ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، اس کے بعد میرے صحابہ کا زمانہ ہے اور پھر ان سے ملنے والے لوگوں کا زمانہ، گویا خیر و برکت کے لحاظ سے یہ بہترین زمانہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔

زمانے سے انسان کی عمر بھی مراد ہو سکتی ہے، عمر انسان کا قیمتی سرمایہ ہے، اگر انسان اس سرمائے سے کوئی قیمتی سامان خرید لے تو وہ اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کارآمد ہوگا، ورنہ انسان خسارے میں مبتلا ہو جائے گا اور زمانے سے تاریخ بھی مراد لی جاسکتی ہے۔

دنیا میں بہت سے انسان خسارے میں ہی مبتلا رہے، ان کے حالات، ان کی لڑائیاں، فسادات، عمل و کردار اور عقیدہ، جس چیز کا بھی مطالعہ کریں، معلوم ہوگا کہ انسان نقصان میں مبتلا رہا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عمر جیسا قیمتی سرمایہ دیکر بھیجا تھا کہ دنیا میں جا کر آخرت کے لئے کوئی اچھا سامان خرید لاؤ، مگر اکثر انسان اس سرمائے کو ضائع کر دیتے ہیں۔

انسان ہمیشہ گھاٹے میں ہیں، کیونکہ وہ کفر کرتے ہیں، ان کے عقیدے درست نہیں، شرک کرتے ہیں، بدعتوں میں پھنسے ہوئے ہیں، ایمان صحیح نہیں، سنت کا اتباع نہیں، برے عملوں کی زیادتی ہے، یہ سب ناکامی کے اسباب ہیں، حرام خوری، بداخلاقی، بدنظمی، کفر و شرک، فضول رسموں کی وصیت ہو رہی ہے، حق بات سے منہ موڑا جا رہا ہے، نتیجہ ہمیشہ کے لئے نقصان کی صورت میں نکلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے عصر کی قسم کھا کر فرمایا کہ: سب لوگ خسارے میں ہیں، البتہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس نقصان سے بچ جائیں گے، یہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔

زمانے کی قسم کھانے کی وجہ

اس مضمون کیساتھ زمانے کو کیا مناسبت ہے کہ اس کی قسم کھائی گئی ہے؟

اکثر مفسرین حضرات نے فرمایا کہ: انسان کی تمام حالتیں، اس کا رہنا سہنا، کام کاج، اعمال، اخلاق سب زمانے ہی کے اندر ہوتے ہیں، جن عملوں کی ہدایت اس سورت میں دی گئی ہے، وہ بھی اسی زمانے کے دن ورات

میں ہوں گے، اس کی مناسبت سے زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے۔

خود قرآن کریم نے بھی ایمان اور نیک اعمال کو انسان کی تجارت فرمایا ہے، اور جب عمر انسان کا سرمایہ ہوا اور انسان اس کا تاجر تو عام حالات میں اس تاجر کا خسارہ میں ہونا اس لئے واضح ہے کہ اس کا سرمایہ کوئی ٹھوس چیز نہیں جس کو کچھ دن بیکار بھی رکھا تو اگلے وقت میں کام آسکے، بلکہ یہ برف کی طرح پگھلنے والا سرمایہ ہے، جو ہر منٹ اور ہر سیکنڈ میں پگھل رہا ہے، اس کی تجارت کرنے والا بڑا ہوشیار آدمی چاہئے جو بہتی ہوئی چیز سے نفع حاصل کرے؛ اسی لئے ایک بزرگ کا قول ہے کہ وہ برف بیچنے والے کی دوکان پر گئے تو فرمایا کہ اس کی تجارت کو دیکھ کر "سورۃ والعصر" کی تفسیر سمجھ میں آگئی کہ یہ ذرا بھی غفلت سے کام لے تو اس کا سرمایہ پانی بن کر ضائع ہوجائے گا؛ اس لئے اس سورت میں زمانے کی قسم کھا کر انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ خسارے سے بچنے کے لئے اسکے استعمال میں ذرا غفلت نہ کرے، عمر کے ایک ایک منٹ کی قدر پہچانے اور اس کو اچھے کاموں میں لگائے۔

زمانہ کی قسم کی ایک مناسبت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ ایک حیثیت سے اس معاملہ کے گواہ کے قائم مقام ہوتی ہے اور زمانہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس کی تاریخ اور اس میں قوموں کی ترقی اور پستی کے بھلے برے واقعات پر نظر کریگا تو ضرور اس یقین پر پہنچ جائے گا، کہ صرف یہ چار کام ہیں جن میں انسان کی کامیابی ہے، جس نے ان کو چھوڑا وہ خسارہ میں پڑا، دنیا کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔

سورۃ الہُمزۃ کا خلاصہ

اس سورت میں انسان کو خبردار کیا گیا ہے کہ جن کاموں اور باتوں میں وہ یہاں ہر وقت پھنسا رہتا ہے، وہ اسے آخر کار دوزخ میں لے جا کر جھونک دیں گی، اکثر انسانوں کی عادت یہ ہے کہ دوسروں کو اپنے سے کم درجہ کا سمجھ کر ان کا ذکر گھٹیا انداز سے کرتے ہیں اور انہیں طعنے دیتے ہیں اور ان کے عیب سچے یا جھوٹے اچھالتے رہتے ہیں اور ان کا اپنا خاص شغل یہ ہے کہ پیسہ جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اسے بار بار گن کر تجوریوں میں رکھتے

ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پیسہ ہی سب کچھ ہے اور یہ پیسہ انہیں سب آفتوں سے بچالے گا، یاد رکھو کہ! پیسہ کسی کے پاس ہمیشہ نہ رہے گا، اگر تمہارے عمل یہی رہے تو مرنے کے بعد دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جاؤ گے اور پھر ہر طرف سے اس کے دروازے بند کردیئے جائیں گے۔

ایاتھا ۹ — سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۱

سورۃ الہمزۃ مکی ہے اس میں نو آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

وہ عمل جس کی سزا دوزخ ہے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾
تباہی ہے واسطے ہر طعنہ دینے والے عیب لگانے والے (۱) جو جوڑتا ہے مال اور گنتا ہے اسے (۲)

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾
گمان کرتا ہے کہ مال اس کا ہمیشہ رکھے گا اسے (۳) ہرگز نہیں البتہ پھینکا جائے گا وہ ضرور میں حطمہ (۴)

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾
اور کس نے بتایا تجھے کیا ہے حطمہ (۵) آگ ہے اللہ کی دہکائی ہوئی (۶)

الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾
جو جا پہنچے گی پر دلوں (۷) تحقیق وہ آگ پر ان بند ہوگی (۸)

فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۧ﴿۹﴾
بیچ ستونوں کے لمبے لمبے (۹)

ع ۱ / ۹ / ۲۹

بامحاورہ ترجمہ:۔ بربادی ہے ہر پیٹھ پیچھے عیب کرنے والے اور سامنے طعنہ دینے والے کیلئے۔(۱) جس نے مال سمیٹا اور (اس کی محبت اور اس پر فخر کے سبب) اس کو بار بار گنتا ہے۔(۲) وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔(۳) ہرگز نہیں پھینکا جائے گا وہ چور چور کر دینے والی آگ میں۔(۴) اور آپ کیا سمجھے کہ حطمہ کیا ہے؟(۵) اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے۔(۶) جو دِلوں پر اثر کرتی ہے۔(۷) وہ آگ ان پر چاروں طرف سے بند ہوگی۔(۸) لمبے لمبے ستونوں میں۔(۹)

لفظی تحقیق: **هُمَزَةٍ**: طعنے دینے والے۔ اسم صفت ہ۔م۔ز سے، "**همز**" کے معنی کوئی چیز چبھونا، باتوں سے اشاروں سے دوسروں کا دل دُکھانا، اسی سے "**هُمَّاز**" ہے۔ **لُمَزَةٍ**: لوگوں کے عیب بیان کرنے والا، چغل خور، اسم صفت ہے ل۔م۔ز سے۔ "**لُمَزَ**" کے معنی زبان سے یا اشارے سے کسی کا عیب کھولنا۔ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنا۔ **اَخْلَدَ**: ہمیشہ زندہ رکھنا۔ **اَلْحُطَمَةِ**: پاؤں میں روند کر توڑ ڈالنے والی، اسم صفت ہے، ح۔ط۔م سے "**حُطَمَ**" کا معنی ہے توڑ ڈالنا۔ یہاں پر یہ دوزخ کا نام ہے۔ **مُؤْصَدَةٌ**: بند کی ہوئی۔ ہر طرف سے سوراخ، دروازہ کھڑکی بند کی ہوئی۔ اسم مفعول مؤنث ہے "**ایصَاد**" سے جس کا مادہ و۔ص۔د ہے۔ "**وصد**" کے معنی ایک جگہ قائم ہونا۔ "**ایصَاد**" دروازے بند کر دینا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: لوگوں کو منہ پر طعنے دے دے کر برا کہنے والا پیٹھ پیچھے کسی کے عیب ظاہر کرنے والا، مال کے جمع کرنے میں لگے رہنے والا اور گمان کرنے والا کہ یہ مال مجھے ہمیشہ زندہ رکھے گا اور ہمیشہ میرے پاس رہے گا، اس کا یہ خیال غلط ہے، وہ مرے گا اور دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا جو باہر سے اندر دل تک جا پہنچے گی، اس آگ کو بڑے بڑے ستونوں کے درمیان ہر طرف سے دروازے بند کر کے اس قید کر دیا جائے گا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: غیبت گناہِ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے، یہ حرام ہے، بعض فرماتے ہیں کہ: زبانی طعنہ کے ساتھ آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارے کرنا بھی ''لُمَزَ'' میں داخل ہے، کیونکہ لوگ ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے بھی عیب جوئی کرتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''غیبت کرنے والے مخلوق میں سب سے برے ہیں، ایسے لوگ بے گناہ لوگوں کی برائی کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ: جس نے مال اکٹھا کر رکھا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے، وہ دولت سے پیار اس لئے کرتا ہے کہ وہ اسے ہی کامیابی کا ذریعہ سمجھتا ہے، جو لوگ دولت سے محروم ہیں، ان کی عیب جوئی کرتا ہے، حتیٰ کہ نیکی کا راستہ بتانے والوں کی عیب جوئی سے بھی باز نہیں آتا، اس دور میں علماء کرام خاص طور پر ایسے لوگوں کے طعن کا نشانہ بنتے ہیں۔

اس کا گمان ہے کہ اس کا مال اُسے ہمیشہ رکھے گا، یعنی: حساب سے بچائے رکھے گا، اُسے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی، بلکہ اس کا سرمایہ ہر جگہ پر اس کی مدد کرے گا، حالانکہ ایسے شخص کو سمجھ لینا چاہئے کہ صرف سرمائے کو کامیابی کا مدار نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ یہ تو محض ایک ظاہری ذریعہ ہے، اس سے مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، کامیابی کا اصل ذریعہ تو دین اور اخلاق ہیں، اگر یہ نہیں ہونگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ آخرت میں مکمل ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، وہاں ایسے لوگوں کا بہت برا حشر ہوگا۔

فرمایا: ایسے لوگوں کو چور چور کر دینے، روند دینے والی آگ میں ڈالا جائے گا، وہ اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہے، جس میں ان کو دھکیل دیا جائے گا۔ اسے اس وقت معلوم ہوگا کہ جس سرمایہ پر وہ دنیا میں فخر کرتا تھا، دوسروں کو حقیر سمجھتا تھا، آج وہ اس کے کسی کام نہیں آیا، بلکہ وہی سرمایہ اس کی رُسوائی کا سبب بن گیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کو جلایا، یہ ہزار برس تک جلتی رہی تو اس کا رنگ سرخ ہوگیا، مزید ایک ہزار سال جلتی رہی تو سفید ہوگئی، اس کے بعد ایک ہزار سال اور جلایا گیا تو اس کا رنگ

سیاہ ہوگیا،اب اس کا رنگ سیاہ ہے، گنہگاروں کواسی سیاہ دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

یہ آگ ایسی ہے جودلوں پراثر کرتی ہے،اس دنیا کی آگ کی خاصیت یہ ہے کہ پہلے جسم کو جلاتی ہے اور پھراس کا اثر اندر دل تک پہنچتا ہے، مگر دوزخ کی آگ کی خاصیت یہ ہے کہ جب وہ جسم سے ٹکرائے گی تو اس کا اثر سب سے پہلے دل پر ہوگا، دُنیا کی آگ جب انسان کے بدن کولگتی ہے تو اس کے دل تک پہنچنے سے پہلے ہی موت واقع ہوجاتی ہے، بخلاف جہنم کے کہ اس میں موت تو آتی نہیں، تو دل تک آگ کا پہنچنا زندہ رہنے کی حالت میں ہوگا جو کہ بہت زیادہ اذیت ناک ہوگا۔

یہ آگ اس طور پر بند کی ہوئی ہوگی کہ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں مجرموں کو بند کر کے اوپر سے ڈھکنا دے دیا جائے گا، تاکہ وہ کسی طرف حرکت بھی نہ کرسکیں، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تکلیف کے وقت اگر آدمی تھوڑی بہت حرکت کرے تو تکلیف میں تھوڑی سی کمی محسوس ہوتی ہے، مگر جہنم کی آگ میں معمولی حرکت کی بھی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ دوزخی آگ کے ستونوں میں بند کر دیئے جائیں گے اور پھر وہ جگہ بھی ایسی ہے جہاں کسی کا رونا دھونا کچھ فائدہ نہ دے گا، کیونکہ ان لوگوں کی بیماری ہی اس قسم کی تھی، جس کی سزا اس صورت میں بھگتنی پڑے گی۔

سورۃ الفیل کا خلاصہ

اس سورت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ابرہہ نے جو کہ حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا حاکم تھا، کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ پر چڑھائی کر دی تھی، جب یہ کعبہ کے قریب پہنچا تو آسمان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ جمع ہوئے اور ان پر کنکریاں برسا کر انہیں تباہ کر دیا۔

اٰیاتھا ــ ۵ سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ رکوعاتھا ــ ۱

سورۃ الفیل کی ہے اس میں پانچ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

کعبہ کا واقعہ یاد کرو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝١ اَلَمْ يَجْعَلْ

کیا نہ دیکھا آپ نے کیسا کیا رب آپ کے نے ساتھ والوں ہاتھی (۱) کیا نہ کر دیا

كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝٢ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝٣

داؤان کا بے کار (۲) اور بھیج دیئے پر ان اُڑتے پرندے غول کے غول (۳)

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝٥ ع ۱ ۳۰

مارتے تھے ان کو سے پتھروں کھنگر کی (۴) پس کر دیا انہیں جیسے بھس کھایا ہوا (۵)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے نہ دیکھا آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ (۱) کیا ان کا داؤنا کام نہیں کر دیا؟ (۲) اور ان پر اڑتے پرندے بھیجے غول کے غول۔ (۳) پھینکتے تھے ان پر پتھریاں کھنگر کی۔ (۴) پھر کر ڈالا ان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح۔ (۵)

لفظی تحقیق: تَضْلِيْلٍ: گمراہ کرنا، ناکام کر دینا مراد ہے۔ حِجَارَةٍ: پتھر، حجر کی جمع ہے، سِجِّيْلٍ: کنکر۔ عَصْفٍ: چارے کا چورا،

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ابھی حال ہی کا واقعہ ہے، تم میں سے بہت سوں کو یاد ہوگا کہ ہم نے ہاتھی والوں کو ان کے

مقصد میں بری طرح ناکام کیا، جب وہ کعبہ کے سامنے آئے تو ان کے سر پر غول کے غول پرندے آ کر جمع ہو گئے اوران پر سخت کنکریاں پھینکیں جن سے وہ تباہ ہو گئے، جس پر پڑی وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور سارا لشکر ایسا نظر آتا تھا، جیسے بھس ہو کہ جسے جانور چباتے چباتے چھوڑ دیتے ہیں، مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ پیغمبر ﷺ کی پیدائش سے ۵۰ دن پہلے پیش آیا۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ اسی روز پیدا ہوئے، جس دن یہ واقعہ ہوا، اس کے یاد دلانے سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ ہم نے جیسے کعبہ کی حفاظت کی، اسی طرح ہم اپنے پیغمبر کی حفاظت کریں گے اور ملتِ ابراہیمی کو نئے سرے سے دنیا میں پھیلائیں گے، کوئی کافر و مشرک ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

واقعہ کی تفصیل

حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے ابرہہ کو یمن میں اپنا گورنر بنایا، ابرہہ بھی عیسائی تھا، مگر عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح دین پر نہیں تھا، اور وہ بڑا ظالم شخص تھا، اس نے دیکھا کہ یمن سے کچھ لوگ ہر سال حج کے موسم میں بیت اللہ شریف کے طواف کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں، ابرہہ نے انہیں بیت اللہ کی زیارت سے روکنے کے لئے یمن کے مشہور شہر صنعاء میں ایک بڑا عالیشان کلیسا بنوایا اور اس کا نام قلیس گرجا رکھا۔ گرجے کی زیب و زینت میں کوئی کسر نہ چھوڑ رکھی تھی، اس میں خوب نقش و نگار کیا، ہیرے جواہرات لگا کر اس کو خوبصورت بنایا، دروازوں پر پردے لٹکائے اور پھر عام اعلان کیا کہ لوگ اس گرجے کا طواف کریں اور بیت اللہ کے طواف کے لئے نہ جایا کریں۔

یمن کے لوگ عربی نسل کے تھے اور ان کا تعلق عدنانی، ساسانی، حمیری وغیرہ عرب قبیلوں سے تھا، ان کے دل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کئے ہوئے بیت اللہ کی بہت قدر و منزلت تھی۔ اگرچہ وہ کفر و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح دین پر قائم نہ تھے، لیکن پھر بھی کعبہ شریف کی محبت ان کے دلوں میں موجود تھی، لہٰذا ان لوگوں نے یہ بات پسند نہ کی کہ وہ بیت اللہ کی زیارت چھوڑ دیں، ابرہہ نے پوری کوشش کی کہ

لوگ مکہ نہ جائیں، مگر حج کے موسم میں لوگ وہیں جاتے تھے، یمن کے لوگ جوابرہہ کے ماتحت تھے، انہیں سخت پریشانی ہوئی اور یمن سے باہر والے لوگ اس کا حکم ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔

اس دوران میں دوایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے ابرہہ کو بھڑکایا، پہلا واقعہ یہ پیش آیا کہ عربوں کے قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے ابرہہ کے تیارکردہ گرجامیں پاخانہ کردیا، اس کے دل میں ابرہہ کے خلاف نفرت تھی کہ اس نے بیت اللہ کی زیارت سے لوگوں کوروکا ہے، لہٰذا اس نے یہ حرکت کی اور وہاں سے بھاگ گیا، دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ گرجے کے قریب ہی عربوں کا کوئی قافلہ اُترا ہوا تھا، انہوں نے آگ جلائی جس کی چنگاری اُڑکر گرجے میں پہنچی، جس سے آگ لگ گئی اور گرجے کا بہت سا قیمتی سامان جل گیا، اگرچہ آگ کسی نے قصداً نہیں لگائی تھی مگر بعض کا خیال تھا کہ قصداً ایسا کیا گیا تھا، لہٰذا ان دونوں واقعات کی وجہ سے ابرہہ کے غصے کی کوئی انتہاء نہ رہی، اور اس نے بیت اللہ کو گرانے کا ارادہ کرلیا اور اس کے لئے ساٹھ ہزار کا لشکر تیار کیا۔

اس زمانے میں عرب کا علاقہ آزاد تھا، وہاں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی، بلکہ قبائلی نظام تھا، البتہ مکہ کے قریش کو باعزت مقام حاصل تھا، ان کے فیصلے کو سارا عرب بادشاہوں کی طرح مانتا تھا، یہ سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا تھا، یہ علاقہ نہ رومیوں کے تحت تھا، نہ ایرانیوں کے۔ تو جس طرح ابرہہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ بیت اللہ کو گرا کر وہاں سیاسی فتح حاصل کرلے، اسی طرح رومی اور ایرانی بھی مدت سے اس علاقہ پر نظریں جمائے بیٹھے تھے کہ کوئی موقع ملے تو اس پر قبضہ کرلیں، رہا حبشہ تو اس نے عملی کارروائی کا آغاز بھی کردیا تھا۔

ادھر عربوں میں تین قسم کے لوگ تھے، کچھ ایرانیوں کے طرفدار تھے، کچھ رومیوں کے اور بعض آزاد خیال، جو غیر جانبداری کو پسند کرتے تھے، اس طرح یہ لوگ مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔

بہرحال! ابرہہ ساٹھ ہزار کا لشکر لیکر مکہ کی طرف روانہ ہوا، اس لشکر میں نئی بات ہاتھیوں کی موجودگی تھی، جس سے عرب کے لوگ ناواقف تھے، مقصد اس کا یہ تھا کہ ہاتھیوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر ستونوں سے باندھ دیں گے اور پھر ہاتھیوں کو ہانکیں گے تو بیت اللہ گر جائے گا، ان ہاتھیوں کا سردار ''محمود'' نامی بڑا ہاتھی تھا، جس

پر ابرہہ خود سوار ہو کر لشکر کی کمان کرتا تھا، ابرہہ اس ارادے کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوا کہ راستے میں جو بھی اس سے مقابلہ کرے گا اسے تباہ و برباد کر دیا جائے گا، بعض عرب قبیلوں نے مزاحمت کی مگر انہیں شکست ہوئی، ان کے کمانڈر گرفتار ہوئے، طائف والے خوفزدہ ہو گئے کہ اگر انہوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو کہیں ان کے لات وعزّیٰ کے مندر بھی نہ گرا دیئے جائیں، نیز ابرہہ نے انہیں رشوت بھی پیش کی، نتیجہ یہ نکلا کہ طائف والے ابرہہ کے ساتھ مل گئے۔

اب ابرہہ بغیر کسی خوف وخطر کے مکہ مکرمہ کے قریب وادی محسر میں مغمس کے مقام پر پہنچ گیا، یہ جگہ مزدلفہ کے قریب ہے جہاں آج کل سڑک پر وادی محسر کا بورڈ لگا ہوا ہے، یہاں پہنچ کر اس نے ڈیرہ ڈال لیا۔ مکہ معظمہ سے چار پانچ میل کا فاصلہ ہے، اس نے مکہ کے سردار کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ ہم بیت اللہ کو گرانا چاہتے ہیں، اگر تم مقابلہ نہ کرو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائیگا، اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ بیت اللہ کے متولی ہیں، یہ اس کی توہین کسی صورت برداشت نہیں کریں گے، بلکہ مقابلہ کریں گے، لہٰذا انہیں بھی کچلنے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا، اس وقت مکہ کے سردار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب تھے، ابرہہ کا ایلچی ان سے ملا اور اپنا ارادہ ظاہر کیا، ساتھ یہ پیشکش بھی کی کہ اگر وہ چاہے تو اس کی ملاقات ابرہہ سے بھی کرائی جاسکتی ہے، عبدالمطلب نے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔

اسی دوران ابرہہ کے لشکریوں نے عبدالمطلب کے دوسو اونٹ پکڑ لئے تھے، بہر حال عبدالمطلب ابرہہ کے دربار میں پہنچے، آپ بڑے قدآور اور بارعب تھے، ابرہہ نے دیکھا تو اپنی جگہ سے اُتر کر نیچے آگیا اور انہیں اپنے پاس بٹھایا، ترجمان کے ذریعے گفتگو کا آغاز ہوا، ابرہہ نے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے لشکر والوں نے میرے اونٹ قبضہ میں لے لئے ہیں، میں ان اونٹوں کی واپسی کی سفارش کرتا ہوں، ابرہہ کہنے لگا، میں آپ کو بڑا عقلمند اور دانا سمجھتا تھا، مگر آپ نے بات عقلمندی کی نہیں کی، میں تو آپ کے بیت اللہ کو گرانے آیا ہوں، اس کی تمہیں کوئی فکر نہیں، مگر اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہو، عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک میں ہوں؛ اس لئے میں نے ان کا مطالبہ کیا ہے، اور بیت اللہ کا مالک اللہ تعالیٰ ہیں وہ خود اسکی

حفاظت کرے گا، ابرہہ یہ جواب سن کر خوب ہنسا اور کہنے لگا: اب تمہارا خدا اس کی حفاظت نہیں کر سکتا، بہر حال! اس نے اونٹوں کی واپسی کا حکم دیدیا۔

اس دوران میں عبدالمطلب کے بعض ساتھیوں نے ابرہہ سے کہا کہ وہ بیت اللہ کو نہ گرائے، اس کے بدلے وہ اسے تہامہ کی ایک تہائی آمدنی ہر سال بطور ٹیکس ادا کرتے رہیں گے اور اس کی ماتحتی کو قبول کرلیں گے، مگر ابرہہ نے یہ پیشکش قبول نہ کی، عبدالمطلب اور ان کے ساتھی واپس آ گئے، انہوں نے بیت اللہ شریف کی دیواروں سے لپٹ کر دعا کی کہ اے مولا کریم! ہم میں ابرہہ کے لشکر کیساتھ مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں، لہٰذا آپ ہی اپنے گھر کی حفاظت فرمائیں، دعا کے بعد عام اعلان کروادیا کہ لوگ مکہ شہر خالی کردیں، ورنہ ابرہہ کا لشکر انہیں بھی تباہ وبرباد کردے گا، چنانچہ تمام لوگ اپنا اپنا سامان لے کر ادھر اُدھر پہاڑوں پر چلے گئے۔

ابرہہ نے لشکر کو مکے کی طرف چڑھائی کا حکم دیا، خدا کی قدرت جب وہ بڑے ہاتھی کو مکے کی طرف ہانکتے تھے تو وہ گھٹنے ٹیک دیتا تھا، باقی ہر سمت میں چلنے کو تیار تھا، مگر مہاوتوں (ہاتھیوں کے ہنکانے والوں) کی ہزار کوششوں کے باوجود وہ مکہ کی طرف چلنے کو تیار نہ ہوا، ابرہہ کے دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے، شاید کسی نے جادو کردیا ہے یا کوئی اور شرارت کی ہے کہ ہاتھی اس طرف جانے کا نام نہیں لیتا، عین اسی وقت جدہ یا بحر شعیب کی طرف سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول آنے لگے، یہ عجیب وغریب سرخ چونچ والے پرندے تھے، جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے، ان کے دو پنجوں اور منہ میں تین تین کنکر تھے، جو انہوں نے ابرہہ کے لشکر پر پھینکنے شروع کردیئے، ان کنکروں میں اللہ تعالیٰ نے ایٹم سے زیادہ طاقت ڈال دی تھی، جس سپاہی یا ہاتھی کو کنکر لگتا، اس کے جسم سے پار ہو جاتا، بہت سے لشکری ہلاک ہو گئے، کچھ زخمی ہوئے، خود ابرہہ زخمی ہو گیا، مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی اور زیادہ ذلت منظور تھی، وہ اس وقت ہلاک نہیں ہوا۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جسم کے جس حصے پر کنکر لگتا تھا، وہاں چیچک جیسے دانے پیدا ہو جاتے تھے، جن میں زہریلا مادہ بھر جاتا تھا، جس کی وجہ سے ان کی ہلاکت واقع ہو جاتی تھی، ہاتھی کو چلانے والے دونوں

مہاوت اندھے ہوگئے اور وہیں مکہ میں ہی رہ گئے۔ام المؤمنینؓ کی روایت کے مطابق ان لوگوں نے نہایت ذلت کی زندگی بسر کی، وہ مکے کی گلیوں میں بھیک مانگتے پھرتے تھے، الغرض! سارا لشکر تباہ و برباد ہوگیا، ابرہہ واپس اپنے دار الحکومت پہنچا تو اسے ایسی بیماری لگی کہ اس کے اعضاء گرنے شروع ہوگئے، کوڑھ کی بیماری کی طرح آہستہ آہستہ اس کا سارا جسم گل گیا اور اس طرح وہ بھی ہلاک ہوگیا۔

اصحابِ فیل کے اس تاریخی واقعہ میں عبرت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی توہین کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح ذلیل وخوار کرتا ہے، یہ بیت اللہ شریف کو گرانے کے ارادے سے آئے تھے، اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حدیبیہ کے موقع پر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی، آگے نہیں چلتی تھی، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس ذات نے ابرہہ کے ہاتھی والے لشکر کو یہاں روک دیا تھا، اس نے ہماری اونٹنی کو بھی روک دیا، اب یہ آگے نہیں جائے گی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر عمرہ ادا کیے وہیں سے واپس تشریف لے آئے، یہ سن چھ ہجری کا واقعہ ہے۔

الغرض! اس سورت میں اصحاب فیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا، کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، وہ لوگ کس ارادے سے آئے تھے، مگر ان کا کیا حشر ہوا؟ وہ کس طرح تباہ و برباد ہوئے، تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اصحاب فیل کے واقعہ کے پچاس یا پچپن دن بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ہوئی، اس واقعہ کے بعد قریش کی عزت واحترام میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور بیت اللہ شریف کا احترام بھی دنیا میں اور زیادہ ہوگیا، قریش کی تجارت کو اللہ تعالیٰ نے تحفظ عطا فرمایا، لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ یہاں پر جو بھی بری نیت سے آئے گا، ذلیل وخوار ہوگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے متعلق بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس واقعہ سے چھ ماہ بعد ہوئی، تاہم زیادہ صحیح روایت پچاس یا پچپن دن والی ہے، بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ اصحاب فیل والے سال میں ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، چونکہ اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا؛ اس لئے عربوں میں یہ واقعہ

بڑا مشہور تھا، جب "سورہ فیل" نازل ہوئی، اس وقت تک یہ واقعہ بچے بچے کی زبان پر تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا اُترنا چالیس سال کی زندگی کے بعد شروع ہوا، درمیان میں تین سال فترت کے بھی ہیں، جب وحی کا سلسلہ رُک گیا تو گویا یہ سورت واقعہ اصحاب فیل کے تقریباً پینتالیس یا چھیالیس سال بعد نازل ہوئی۔

سورت کی ابتداء "اَلَمْ تَرَ" سے اس لئے ہوئی کہ اس وقت یہ ہر ایک کو معلوم تھا، اس کی زیادہ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی، لہٰذا صرف اشارۃً بتادیا کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا، کہ اصحابِ فیل کا کیا حشر ہوا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو غلط نہیں کردیا؟ وہ کس مقصد سے آئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ملیامیٹ کردیا، تدبیر کو غلط اس لئے فرمایا کہ ابرہہ تو اپنی قوت کے گھمنڈ پر عربوں کو کچلنا چاہتا تھا، اور بیت اللہ کی توہین کرنا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے ناکام کردیا۔

اگر کسی بیوقوف نے گرجے کی توہین کی تھی یا کسی نے قصداً آگ بھی لگائی تھی تو ابرہہ کا فرض تھا کہ وہ عربوں سے ملزم کا مطالبہ کرتا، ظاہر ہے کہ عربوں کے سارے قبائل مل کر ایسے شخص کو تلاش کرسکتے تھے اور اس بات کا فیصلہ ہوسکتا تھا کہ کیا واقعی کسی نے قصداً گرجے کی توہین کی ہے، اگر عرب ابرہہ کا مطالبہ پورا نہ کرسکتے تو اسے مزید کارروائی کا حق پہنچتا تھا مگر اس نے تو پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ ایک شخص کے نام نہاد جرم کی سزا پورے ملک کو دے گا، لہٰذا اس نے یکدم بیت اللہ شریف کو گرانے کا فیصلہ کرلیا، یہ محض طاقت کے گھمنڈ کی وجہ سے تھا، جو کہ درست فیصلہ نہیں تھا۔

ادھر ابرہہ نے لشکر کو چڑھائی کا حکم دیا اور ادھر حکمتِ الٰہی جوش میں آئی: اللہ تعالیٰ نے اس پر چھوٹے چھوٹے پرندوں کے گروہ درگروہ بھیج دیئے، یہاں یہ بات قابلِ وضاحت ہے کہ ہمارے تصور کے برخلاف ابابیل کسی خاص پرندے کا نام نہیں ہے بلکہ ابابیل گروہ درگروہ یا جھنڈ درجھنڈ کو کہتے ہیں، مطلب یہ کہ لاتعداد پرندے بھیج دیئے، جو لشکریوں کو پتھروں کے ساتھ مارتے تھے، یہ چھوٹے چھوٹے سنگریزے کھنگر تھے، غرضیکہ ان پرندوں نے ابرہہ کی فوج پر چھوٹے چھوٹے پتھروں کی بارش کردی، وہ جسے لگتا تھا، ہلاک ہوجاتا تھا یا

خوفناک بیماری میں مبتلا ہوجاتا تھا، ان پتھروں سے نہ فوجی بچتے تھے اور نہ ان کے ہاتھی۔

اللہ تعالیٰ نے اصحابِ فیل کی تباہی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ''پھر ان کو کھائی ہوئی بھس کی طرح پامال کردیا، جب جانور، مویشی گھاس یا چارہ وغیرہ کھاتے ہیں تو بچ جانے والا چارہ ان کے پاؤں کے نیچے آکر روندا جاتا ہے، بری طرح پامال ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے غضب کے بعد اصحاب فیل کے لشکر کی یہی حالت ہوئی، ان کی تمام قوت ختم ہوگئی، اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔

سورۃ قریش کا خلاصہ

اس میں قریش کو یاد دلایا گیا ہے کہ تم سردی میں یمن کی طرف اور گرمی میں شام کی طرف تجارتی قافلوں میں جاتے ہو اور وہاں سے نفع کما کر اور کام کی چیزیں لاکر آرام اور اطمینان کے ساتھ مکہ میں رہتے ہو، جہاں تمہیں نہ فاقوں کا خوف نہ لوٹے جانے کا ڈر، پھر تم کعبہ کے رب کی عبادت کرو جس کعبہ کی وجہ سے تمہیں یہ اعزاز ملا ہے۔

آیاتها — ۴ سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها — ۱

سورۃ قریش مکی ہے اس میں چار آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو مانو جو تمہارا پالنے والا ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ۝۲

بوجہ مانوس کرنے قریش کے (۱) مانوس کرنے کے انہیں سفر سے سردی اور گرمی کے (۲)

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ

پس چاہئے کہ عبادت کریں وہ رب کی اس گھر کے (۳) وہ رب جس نے کھانا دیا انہیں سے بھوک

ع ۱ ۴ ۳۱

وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

اور امن دیا انہیں سے ڈر (۴)

بامحاورہ ترجمہ: اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو۔(۱) مانوس رکھنا ان کو سردی کے اور گرمی کے سفر سے۔(۲) تو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں۔(۳) جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور ڈر میں امن دیا۔(۴)

تفسیر

مکہ ایک خشک اور پتھریلی زمین میں واقع ہے، اس میں کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی، اس لئے وہاں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا، اس سرزمین میں قریش رہتے تھے، ان کو سال بھر میں دو بار سفر کرنا پڑتا تھا، سردی میں یمن کی طرف جو گرم ملک ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو ٹھنڈا ملک ہے، یہ دونوں ملک پرانے زمانے سے تجارتی مرکز چلے آرہے ہیں، اور وہاں ہر قسم کی خوب پیداوار ہوتی ہے اور چونکہ قریش کعبہ کے خادم تھے جس کا احترام تمام عرب کے دل میں تھا، اس لئے ان کی خدمت سب لوگ کرتے تھے، چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا، لیکن مکہ والوں سے کوئی کچھ نہ کہتا تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے کچھ دن پہلے یمن کے حبشی حاکم ابرہہ نے کعبہ پر ہاتھی لیکر چڑھائی کردی تھی، اس سے سارے شہر کے برباد ہونے کا زبردست خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس سے انہیں تھوڑے دن ہی پہلے معجزانہ طور پر نجات ملی تھی، اس سورت میں قریش کو اس طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو اس کعبہ کا رب ہے، اسی نے تمہارے دل میں ڈالا کہ یمن اور شام کا سالانہ سفر کیا کرو، جس سے تمہیں خوب نفع پہنچے گا، پھر کعبہ کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں قریش کی عظمت بٹھائی اور سب کو ان کی خدمت پر آمادہ کیا، ابرہہ کے لشکر پر پرندوں کے غول سے کنکریاں مروا کر انہیں تباہ کیا، اس لئے قریش کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں جو اس کعبہ کا رب ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ: لوگوں کے دلوں میں قریش کے لئے الفت پیدا کرنے کی وجہ سے ملک میں جہاں بھی قریش تجارت کے لئے جاتے تھے، لوگ ان سے مانوس تھے اور ان کا ادب واحترام کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اصحابِ فیل سے محفوظ رکھا، بلکہ الٹا ان کو تباہ وبرباد کردیا تو مشرق ومغرب میں قریش کو اور بھی عزت حاصل ہوگئی تو یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ ہاتھی والوں کو شکست قریش کے لئے الفت پیدا کرنے کی غرض سے ہوئی تھی، قریش کو چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی گھر کی بدولت لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے اُلفت ڈال دی تھی، انہیں کفر وشرک والی عبادت نہیں کرنی چاہئے، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے، جس نے ان کو خانہ کعبہ کی بدولت عزت عطا کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر تھا کہ قریش کو خوشحالی نصیب ہوئی، ورنہ مکہ جیسی بنجر وادی میں روزی کے اسباب کہاں تھے؟ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کردیئے، جن کی وجہ سے انہیں ہر چیز میسر تھی، اور آج بھی ہے۔

انہیں خوف کی حالت میں امن دیدیا، ایسا امن قائم کیا کہ حملہ آوروں کو تباہ وبرباد کردیا اور ان کی تباہی عبرت بن گئی، ایسا امن مہیا کیا کہ قریش جہاں کہیں بھی جائیں، لوگ سرآنکھوں پر بٹھاتے ہیں، عزت کرتے کہ یہ بیت اللہ شریف کے خادم ہیں اور یہ ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے معزز لوگ ہیں۔

سورۃ قریش کی فضیلت

ابوالحسن قزوینی نے فرمایا کہ: جس شخص کو کسی دشمن یا اور کسی مصیبت کا خوف ہو، اس کے لئے ”لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ“ کا پڑھنا امن کا ذریعہ ہے، اس کو امام جزریؒ نے نقل کرکے فرمایا کہ یہ عمل آزمایا ہوا ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تفسیرِ مظہری“ میں اس کو نقل کرکے فرمایا کہ: مجھے میرے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے خوف وخطر کے وقت اس سورت کے پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ: ہر بلا ومصیبت کے دفع کرنے کیلئے اس کی قراءت فائدہ مند ہے، حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے بھی بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔

اٰیاتھا — ۷ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتھا — ۱

سورۃ الماعون مکی ہے اس میں سات آیتیں اور ایک رکوع ہیں ۔

کنجوس اور بد اخلاق لوگ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ۞١ فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ
کیا آپ نے دیکھا | اس شخص کو | جو جھٹلاتا ہے | جزا سزا کو (۱) | پس یہ وہی ہے | جو | دھکے دیتا ہے

الۡيَتِيۡمَ ۞٢ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۞٣ فَوَيۡلٌ
یتیم کو (۲) | اور | نہیں | آمادہ کرتا | پر | کھانے | مسکین کے (۳) | پھر تباہی ہے

لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ۞٤ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۞٥ الَّذِيۡنَ
واسطے ان نمازیوں کے (۴) | جو کہ | وہ | سے | نماز اپنی | بے خبر ہیں (۵) | وہ کہ جو

هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ۞٦ وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ۞٧ ع ۱ / ۳۲
وہ | دکھاوا کرتے ہیں (۶) | اور | روک رکھتے ہیں | استعمال کی چیز (۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا آپ نے اسے دیکھا جو جزا کے دن کو جھٹلاتا ہے۔ (۱) سو! یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (۲) اور لوگوں کو آمادہ نہیں کرتا محتاج کے کھلانے پر۔ (۳) پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی۔ (۴) جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ (۵) وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ (چونکہ نماز اعلانیہ جماعت کیساتھ ادا کی جاتی ہے، اس کو بالکل چھوڑ دے تو سب پر منافقت ظاہر ہو جائے، اس لئے نماز محض دکھلاوے کے لئے پڑھ ہی لیتے تھے)۔ (۶) اور استعمال کی چیز مانگے نہیں دیتے۔ (۷)

لفظی تحقیق: مَاعُوْنَ: معمول کی گھریلو چیزیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس آدمی کو ذرا دیکھنا جو بدلہ کے دن کو نہیں مانتا، یتیم کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور محتاج کو نہ آپ کھلاتا ہے، نہ دوسروں سے کہتا ہے کہ انہیں کھلاؤ، ایسے لوگوں کی پوری پوری شامت آنے والی ہے، ہر کام دکھاوے کے لئے کرتے ہیں اور اتنے کنجوس ہیں کہ روزانہ کے کام آنے والی چیزوں کو دوسروں سے روک کر رکھتے ہیں، مثلاً: دیاسلائی، سوئی دھاگا، دیگچی وغیرہ، جو ضرورت کے وقت آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف مانگ لیا کرتے ہیں، وہ کسی کو نہیں دیتے، ان باتوں کا انجام اچھا نہیں، ان سے بچنا چاہئے۔

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ یہاں پر دین سے مراد قیامت کا دن ہے، جب قیامت کے روز ہر عمل کا بدلہ دیا جائیگا۔ "سورہ فاتحہ" میں بھی ہم کہتے ہیں "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" یعنی: جزاء کا مالک، تو یہاں پر دین کا معنی حساب کا دن ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا قیامت پر یقین نہیں اور عمل کے بدلے پر اس کا اعتماد نہیں ہے۔

اور مسکین کو کھانا کھلانے کیلئے تیار نہیں تھا اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے پر کسی کو ترغیب دلاتا تھا، گویا کھانے کا تعلق ایمان کے ساتھ جوڑا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یومِ جزاء کو جھٹلانے والے کی مذمت بیان کی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جس نے ریاکاری کی، اس نے شرک کیا، ریاکاری گویا شرک کی ایک قسم ہے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ریاکار سے فرمائینگے، میرے پاس تیرے لئے کوئی جزاء نہیں، ریاکاری کے عمل کے بدلہ ان سے جاکر حاصل کرو، جن کے لئے ایسا عمل کرتے تھے، میرے ہاں تو تمہاری پکڑ ہے، تو گویا ریاکار خدا کی بجائے مخلوق کو قابل وقعت سمجھتا ہے اور یہ نہایت بری بات ہے۔

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ: اور کسی کو استعمال کی چیز بھی نہیں دیتے۔ دولت کو سمیٹنا اور پھر اس کے خرچ میں بخل کرنا ایسے ہی لوگوں کا شیوہ ہے، وہ کسی کو مانگنے کی چیز بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، کوئی برتن مانگ لے

کہ استعمال کر کے واپس کر دوں گا یا کوئی اور چیز تو وہ نہیں دیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:
"مَاعُوْنَ" میں زکوۃ بھی شامل ہے، کیونکہ وہ اصل مال کے مقابلے میں چالیسواں حصہ ہونے کی بناء پر بہت کم ہے، گویا یہ لوگ اپنے مال کی زکوۃ بھی ادا نہیں کرتے، اکثر دوسرے مفسرین اس سے استعمال کی معمولی چیزیں مراد لیتے ہیں، کسی پڑوسی کو کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو وہ بھی نہیں دیتے۔

سورۃ الکوثر کا خلاصہ

اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی کہ جہان کی ساری خیر و برکت ہم نے آپ کو عطا کر دی، اب آپ اپنے رب کی عبادت میں دل و جان سے لگ جائیں، جو لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ کا نام ونشان باقی رکھنے والی کوئی نرینہ اولاد آپ کے پاس نہیں، دراصل انہی کا نام ونشان مٹنے والا ہے۔

آیاتها ۳ — سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتها ۱

سورۃ الکوثر مکی ہے اس میں تین آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ
تحقیق ہم دیا ہم نے آپ کو کوثر (۱) پس نماز پڑھ واسطے رب اپنے کے اور قربانی کر (۲) بے شک

شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝
دشمن آپ کا وہی ہے دُم کٹا (۳)

ع ۲۲

بامحاورہ ترجمہ: ۔بے شک ہم نے آپ کوکوثر دیا۔(۱)سو!اپنے رب کیلئے نماز پڑھیں اورقربانی کریں۔ (۲)بیشک آپ کادشمن ہی بے نام ونشان ہوگا۔(۳)

لفظی تحقیق: اَلْکَوْثَرَ: سب سے اچھی چیز۔ایسی چیز کو کہتے ہیں جس میں ساری بھلائیاں اورخوبیاں جمع ہوگئی ہوں،یہاں اس سے مرادقرآن کریم ہے۔اَبْتَرُ: دُم کٹا،صفت کاصیغہ ہے ب۔ت۔ر سے۔مرادوہ شخص ہے جس کانام لیواہی کوئی نہ ہو،پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے بیٹے حضرت قاسم کاجب انتقال ہوگیاتومکہ میں آپ کے دشمن بہت خوش ہوئے اورکہنے لگے کہ اب یہ اپنی زندگی میں جوکرسکے کرلے،اس کے بعداس کانام اورکام چلانے والاکوئی نہیں،ایسے شخص کوان کے ہاں "اَبْتَرُ" کہتے ہیں۔

تفسیر

اس سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کودِلاسہ دیاگیاہے کہ ساری خیروخوبی کامجموعہ یہ قرآن حکیم ہے جواے محمد! ہم نے آپ کوعطاکردیا،جواس سے یہاں فائدہ اُٹھائے گا،اسی کوقیامت کے دن حوضِ کوثرسے پانی پینے کوملے گا،باقی سب پیاسے رہیں گے،ان لوگوں کو،جویہ کہتے ہیں،کہنے دو،آپ کویہ"ابتر" کہہ رہے ہیں یہ خوداس لقب کے حقدارہیں،آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بےفکری کے ساتھ دل وجان سے کام لیکراپنے رب کے سامنے حاضرہوکرنماز پڑھیں اورجان ومال اس کی راہ میں قربان کریں اورجیسے یہ مشرک بتوں کی پوجاکرتے ہیں اوران کیلئے جانور ذبح کرتے ہیں،یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے کرو،آپ کانام دنیااورآخرت میں روشن ہوگااورآپ کے دشمن مٹ جائیں گے۔

"مسنداحمد"اورحدیث کی دوسری کتابوں میں آیاہے کہ ایک موقع پرپیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اورصحابہؓ کی جماعت موجودتھی،تھوڑی دیرکیلئے آپ پراُونگھ کی حالت طاری ہوئی،جب وہ حالت ختم ہوگئی توآپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکرائے، لوگوں نے پوچھاتوآپ نے فرمایاکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی مجھ پرایک سورت نازل فرمائی ہے،چنانچہ آپ نے

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھی اور پھر پوری سورۃ الکوثر پڑھ کر سنادی۔

اسی حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے کوثر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کوثر ایک نہر ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کیا ہے کہ وہ مجھے عطا فرمائیں گے، اس کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہوگا، اور اس کے کنارے جو گلاس اور پیالے ہوں گے ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہوگی، اس پانی کو جو شخص پی لے گا، اسے حشر کے تمام عرصہ میں پیاس نہیں لگے گی۔

شانِ نزول

اس سورت کا شانِ نزول اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کے دو بیٹے قاسم اور عبداللہ رضی اللہ عنہ جن کے لقب طیب اور طاہر تھے، مکہ ہی میں فوت ہوگئے تھے، چنانچہ مکہ کے بعض مشرک جن میں عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط شامل تھے، پیغمبر ﷺ کو طعنہ دیتے تھے کہ آپ ابتر، یعنی: بے نسل ہیں، چونکہ بیٹے بچپن ہی میں فوت ہوگئے؛ اس لئے آپ کی نسل آگے نہیں چلے گی اور نہ ہی آپ کا دین باقی رہے گا، یہ آپ کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہوجائے گا، یہودیوں سے کعب بن اشرف بھی اسی قسم کی بات کہا کرتا تھا، چنانچہ اس طعنہ کے جواب میں آپ کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

اس سورت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات پر کئے گئے بہت بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ: اللہ نے آپ کو کوثر عطا کیا، نیز: یہ کہ کافروں کے طعن کی کوئی حیثیت نہیں، نہ آپ کی نسل ختم ہوگی اور نہ آپ کا دین ختم ہوگا، اس نے آپ کو ظاہری اور معنوی دونوں قسم کی اولاد عطاء کی ہے آپ ﷺ کی امت آپ کی معنوی اولاد ہے جو قیامت تک ختم نہیں ہوگی، اور آپ کا مقام بہت بلند فرمادیا ہے، یہ تو کہتے ہیں کہ آپ کا نام لیوا کوئی نہیں ہوگا، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر جگہ پر آپ کا ذکر نہایت احترام کے ساتھ ہوگا، ان طعن بازوں کا کوئی نام لینے والا نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کی تسلی کے لئے یہ سورت نازل فرمائی اور اس میں پہلے انعامات کا ذکر کیا، پھر ان انعامات کے شکریہ کا ذکر کیا، اور آخری حصہ میں خوشخبری بھی سنادی۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ: اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کی رضا کا سب سے اہم ذریعہ اور عبادت میں سب سے اہم عبادت ہے، اس کے ذریعے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کیساتھ قائم ہوتا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نماز کے ذریعہ ہی صحیح ہوتا ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا کہ: اپنے رب کیلئے نماز پڑھیں، تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا ہو۔

وَ انْحَرْ: اور قربانی کریں۔ "نحر" اونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے خطبے میں فرمایا: آج کے دن ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ نماز پڑھیں، پھر پلٹ کر قربانی کریں گے، قربانی محض گوشت کھانے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، قربانی انسان کے عقیدۂ توحید کی علامت ہے، مشرک اپنے جھوٹے خداؤں کے نام پر قربانی کیا کرتے تھے جو کہ شرک ہے، اس کے مقابلے میں ایک مؤمن اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی کرتا ہے۔

وَ انْحَرْ: کا معنی بعض نے نماز میں سینے کے نیچے ہاتھ باندھنا بھی کیا ہے، مگر یہ روایت ضعیف ہے، بعض نے اس کا معنی سینہ قبلہ کی طرف پھیرنا بھی کیا ہے، مگر یہ بھی ضعیف روایت ہے، اس مقام پر "وَ انْحَرْ" کا صحیح معنی قربانی کرنا ہی ہے۔

آگے فرمایا: بے شک آپ کا دشمن ہی "ابتر" ہے۔ یعنی: اے پیغمبر! آپ ابتر نہیں، آپ کی جسمانی وروحانی اولاد خوب پھیلے گی اور آپ کا دین بھی قیامت تک قائم رہے گا، البتہ آپ کے دشمن کی نہ اولاد باقی رہے گی اور نہ اس کا دین باقی رہے گا۔

لفظ "شَانِئَ" "ش۔ن۔ء۔" سے "قارِءٌ" کے وزن پر اسم فاعل ہے جس کے معنی بغض رکھنے والے، عیب لگانے والے کے ہیں، یہ آیت ان کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتر مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے، اکثر روایات میں عاص بن وائل، بعض میں عقبہ، بعض میں کعب بن اشرف اس کے مصداق ہیں۔

عبرت

اب غور کیجئے کہ! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے کیسی بلندی اور عظمت عطا فرمائی کہ آپ کے زمانہ مبارک سے آج تک پوری دنیا کے چپہ چپہ پر آپ کا نام مبارک پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے نام کیساتھ پکارا جاتا ہے اور آخرت میں آپ کو شفاعتِ کبریٰ کا مقامِ محمود حاصل ہوگا، اس کے مقابلے میں دنیا کی تاریخ سے پوچھئے کہ عاص بن وائل، عقبہ اور کعب بن اشرف کی اولاد کہاں ہیں؟ اور ان کے خاندان کا کیا ہوا؟ خود ان کا نام بھی اسلامی تفسیری روایات کے ذیل میں محفوظ ہوا، ورنہ دنیا میں آج ان کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں ہے۔

سورۃ الکافرون کا خلاصہ

جب مکہ کے کافروں نے آپ سے کہا کہ آؤ دین کے بارے میں آپس میں کچھ سمجھوتہ کرلیں، ایک سال تمہارا دین چلے گا اور ایک سال ہمارا دین چلے گا، اور اس طرح سب مل جل کر رہیں، اللہ کو ہم بھی مانتے ہیں، پھر آپس میں سمجھوتا کیوں نہ ہوجائے، اس سورت میں ان کافروں سے صاف کہہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو جیسا ہم مانتے ہیں تم نہیں مانتے، اس بارے میں ہمارا تمہارا سمجھوتہ ناممکن ہے، تمہارے لئے تمہارا دین ہمارے لئے ہمارا دین۔

آیاتها ـــ ٦ سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها ـــ ١

سورۃ الکافرون مکی ہے اس میں چھ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

دین کے بارے میں کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَ لَاۤ

کہدیں اے کفر کرنے والو (۱) نہیں پوجتا میں جسے تم پوجتے ہو (۲) اور نہ

اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴
تم پوجنے والے ہو اُسے جسے میں پوجتا ہوں(۳) اور نہ میں پوجنے والا ہوں جسے تم نے پوجا (۴)

وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶ ع ۲ / ۲۲
اور نہ تم پوجنے والے ہو جسے میں پوجتا ہوں(۵) تمہارے لئے دین تمہارا اور میرے لئے دین میرا(۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیں اے کافرو!(۱) میں عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ (۲) اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔(۳) اور نہ مجھے اس کی عبادت کرنی ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔(۴) اور نہ تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔(۵) تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے دین۔(۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دین کے بارے میں جو یہ کافر آپ سے سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہم بھی مانتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ہم ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا سفارش کرنے والا سمجھتے ہیں؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کو بھی ہم پوجنے کو تیار ہیں، ادھر تمہیں چاہئے کہ تم بھی کبھی کبھی بتوں کے پوجنے میں ہمارے ساتھ شریک ہو جایا کرو؟

ان سے کہدو کہ! تم جنہیں پوجتے ہو میں نے انہیں نہ کبھی پوجا اور نہ کبھی پوج سکتا ہوں، اس کے علاوہ تمہارا پوجنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے ہو، تالیاں بجاتے ہو، شور مچاتے ہو، ہم ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، جب معبود الگ ہے تو عبادت کا طریقہ بھی الگ ہے، تو ہم میں پھر دین کے بارے میں آپس میں سمجھوتہ کیسے ممکن ہے؟ اس لئے اچھی طرح سن لو کہ یا تو اسلام کو پوری طرح مانو، اور یا اپنے باپ دادا کی بت پرستی پر قائم رہنے کا فیصلہ کرو، ایک دن ہمارے تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے گا، اس وقت تک ہمارا دین ہمارے لئے اور تمہارا دین تمہارے لئے، اس سورت میں معلوم ہوا کہ دین کے معاملہ میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی، کسی کی خاطر ہم دین کے مقررہ طریقے سے ایک اِنچ بھی نہیں ہٹ سکتے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: مکے کے بعض مشرکوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ ہمارے معبودوں کی توہین نہ کریں، ان کی مذمت نہ کریں، بلکہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرلیا کریں، ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، گویا مل جل کر طے کرلیں گے کہ ایک دوسرے کے معبود کی توہین نہیں کریں گے، بلکہ ایک دوسرے کے معبود کو مان لیں گے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ: آپ صاف صاف کہہ دیں کہ میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو، تم تو انسانوں، جنوں، فرشتوں اور لات وعزّیٰ کی پرستش کرتے ہو، مگر میں اس کے لئے بالکل تیار نہیں ہوں، ان میں سے کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔

فرمایا: جس طرح میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرنے کے لئے تیار نہیں، اسی طرح تم سے بھی یہ توقع نہیں رکھتا کہ تم اس کی عبادت کروگے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور یہ بات تاکید کے لئے دوبارہ فرمائی کہ نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرنے والا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرنے والے ہو، تم اپنے کفر پر پکّے ہو اور میں اپنی توحید پر پکّا ہوں، یہ بات بالکل واضح ہوچکی ہے۔

وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ: اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرچکے ہو، گذشتہ زمانے میں اور آج بھی کررہے ہو۔ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ: اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں، پہلے بھی تم شرک میں مبتلا تھے، آج بھی تمہاری وہی حالت ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ زمانے کے اعتبار سے ہے کہ نہ پہلے یہ بات ہوسکتی تھی اور نہ آج ہوسکتی ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگی، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ محض تاکید کے لئے ہے کہ کسی وقت اس بات کی توقع ہی نہ رکھیں کہ ہم تمہارے جھوٹے خداؤں کی عبادت کریں گے اور تم سے بھی بظاہر یہ توقع نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کیلئے تیار ہوجاؤ گے، اس لئے ہم اور تم کبھی اکٹھے نہیں ہوسکتے، توحید اور کفر آپس میں نہیں مل سکتے؛ اس لئے تمہارے ساتھ صلح کا کوئی امکان نہیں۔

صلح تو اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب دونوں کا معبود ایک ہو، مگر ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ایک

بات بھی مشترک نہیں، ہمارا معبود صرف ایک ہے اور تمہارے خود کے بنائے ہوئے معبود سینکڑوں ہیں؛ اس لئے صلح نہیں ہوسکتی، بس! تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے، میں تو اپنے دین پر قائم ہوں اور تم بھی اپنے دین پر بضد ہو تو تم جانو، اس کی سزا تم نے ہی بھگتنی ہے۔

حدیث شریف میں اس سورت کی بڑی فضیلت آئی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "سورہ کافرون" قرآن کا چوتھائی حصہ ہے، یعنی: ایک سورت کی تلاوت پورے قرآن پاک کے چوتھائی حصہ کے ثواب کے برابر ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "سورۃ اخلاص" اور اس سورۃ کو نماز میں کثرت سے پڑھا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پچیس مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دونوں سورتیں فجر کی نماز میں تلاوت فرماتے سنا ہے، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ایک ماہ تک یہ سورتیں تلاوت فرماتے رہے، اسکے علاوہ فجر کی سنتوں میں بھی ان سورتوں کو پڑھنے کا ذکر آیا ہے، گویا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سورتیں بہت زیادہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! مجھے قرآن پاک کا کوئی حصہ بتلائیں، جسے میں وظیفے کے طور پر پڑھا کروں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم لیٹنے کے لئے بستر پر جاؤ تو "سورۃ کافرون" پڑھ لیا کرو، کیونکہ یہ شرک سے بے زاری کا اظہار ہوگا اور تمہارے لئے لکھ دیا جائے گا کہ یہ شخص شرک سے بے زار ہے، لہٰذا سوتے وقت یہ سورت اور "سورت اخلاص" وغیرہ پڑھنی چاہئے، اس کے علاوہ نماز میں اور طواف کعبہ کے بعد دو رکعت واجب الطواف میں ان سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آتا ہے، وجہ ظاہر ہے کہ اس سے کفر وشرک سے بیزاری کا اظہار ہوتا ہے، جو شخص اس سورت مبارکہ کی کثرت سے تلاوت کرے گا اس کا عقیدہ مضبوط ہوگا اور کفر وشرک سے اس کی بیزاری واضح ہوگی۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب دوستوں سے زیادہ خوشحال رہو، اور تمہارا سامان زیادہ ہوجائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بے شک میں ایسا چاہتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آخر قرآن کی پانچ سورتیں، "سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس" پڑھا کرو اور ہر سورت کو "بسم اللہ" سے شروع

کرو اور "بسم اللہ" ہی پر ختم کرو، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں کم توشہ والا اور خستہ حال ہوتا تھا، جب سے میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کیا، میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے پانی اور نمک منگایا اور یہ پانی کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور "قُلْ يَآاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھتے جاتے تھے۔

سورة النصر کا خلاصہ

یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئیں، یہ سورت مدینہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ہجرت کے دسویں سال میں نازل ہوئی، اس وقت سارا عرب مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اور لوگ ہر طرف سے آکر اسلام میں داخل ہو رہے تھے، اس سورت کے اترتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے، کہ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس سے بلا لئے جائیں گے، کیونکہ دنیا میں تبلیغ اسلام کا کام جو آپ کے ذمہ تھا، جب مکمل ہو چکا تو اب ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے آپ رونے، واقعی یہ بات طرز بیان سے ظاہر ہے۔

آیاتها ــ ۳ | سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّة | رکوعاتها ــ ۱

سورۃ النصر مدنی ہے اس میں تین آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو اور بخشش طلب کرو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ

جب آجائے مدد اللہ تعالیٰ کی اور فتح (۱) اور دیکھیں گے آپ لوگوں کہ داخل ہو رہے ہیں

فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ
میں دین اللہ کے گروہ درگروہ (۲) پس تسبیح کر خوبیاں بیان کرکے رب اپنے کی اور بخشش مانگ سے اس سے

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣
تحقیق وہ ہے توجہ کرنے والا (۳)

ع ۳۴ ۲۵

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اور فتح (حاصل ہوگئی)۔(۱) اور آپ نے دیکھ لیا لوگوں کو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج درفوج داخل ہورہے ہیں۔(۲) پس! اپنے رب کی حمد کیساتھ اس کی تسبیح بیان کریں اور اس سے استغفار کریں، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنیوالا ہے۔(۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ شامل ہوگئی اور آپ کے سارے دشمن آپ سے دب گئے اور مکہ فتح کرلیا گیا، جس سے تمام عرب نے سمجھ لیا کہ فیصلہ اسلام کے حق میں ہوگیا اور مخالف ہار گئے اور سب طرف سے لوگوں کے گروہ آ آکر اللہ تعالیٰ کے دین اسلام میں داخل ہونے لگے، تو پیغمبر کے بھیجنے کا مقصد پورا ہوگیا، تو اب آپ اللہ کی عبادت میں مصروف ہوجائیں، اسکا شکر ادا کریں، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریں، اس کی خوبیوں کا ذکر کرو اور چونکہ وہ آپ کا رب ہے اس سے بخشش طلب کریں اور دل وجان سے اس کی طرف متوجہ ہوجائیں، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے، جو بندہ بن کر اس کی طرف جھکے وہ فوراً اسکی طرف توجہ کرتا ہے اور اس کو اپنی بخششوں اور عطاؤں سے مالا مال کرتا ہے، یہ سورت آخر عمر میں اُتری اور آپ سمجھ گئے کہ اب یہاں کا کام مکمل ہوا، اب آخرت کا سفر درپیش ہے۔

جب مکہ فتح ہوا، اِردگرد کے قبیلے دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگے، وہ اس انتظار میں تھے کہ مکہ فتح ہوتا ہے یا نہیں؟ جب اس محاذ پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی تو اسلام کے پھلنے پھولنے کے راستے کھل گئے، چنانچہ

یمن سے سات سو آدمیوں کی جماعت مدینے پہنچ کر ایمان لائی واپسی پر وہ لوگ اذانیں بھی دے رہے تھے اور نمازیں بھی پڑھ رہے تھے اور دین کی مزید تبلیغ ہو رہی تھی۔ اسی طرح مکہ فتح ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بھی مدد آ گئی اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور عرب کے دوسرے لوگ بھی گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے دوران مکہ مشرکوں کا گڑھ بنا ہوا تھا، خانہ کعبہ میں مشرکوں نے بت جمع کر رکھے تھے، مکہ فتح ہونے کے بعد اس گندگی سے کعبہ کو پاک کر دیا گیا۔

اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں اور کثرت سے استغفار کریں، استغفار دو طرح پر ہے، ایک اپنی ذات کے لئے اور دوسرا امت کے لئے۔ ذات سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی بات خلاف اولیٰ ہو جائے، حالانکہ وہ گناہ نہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے استغفار کرتے ہیں اور امت کے حق میں استغفار عام ہے کہ پیغمبر ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استغفار کی بہت تلقین فرمائی ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ایک مجلس میں سو مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تھے، آپ نے امت کو تعلیم دی کہ انہیں بھی بہت زیادہ استغفار کرنا چاہئے۔

سورۃ اللَّھَب کا خلاصہ

ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا عبدالعزی بن عبدالمطلب کا لقب تھا، یہ آپ سے دشمنی کرنے میں سب سے آگے آگے تھا، یہ مجمع میں آپ پر پتھر پھینکتا اور ہاتھ ہلا کر ہلا کر لوگوں کو آپ کی باتیں سننے سے روکتا، اس کی بیوی امِ جمیل آپ کے راستے میں کانٹے دار جھاڑیاں ڈالتی اور لوگوں کو آپ کے خلاف بہکاتی۔ یہ سورت ان کے بارے میں ہے، اس میں ان کی کھلم کھلا تباہی کی پیشینگوئی کی گئی، بدر کے سات روز بعد ابولہب کے ایک زہریلی پھنسی نکلی اور سب نے اسے گھر سے باہر نکال کر ڈال دیا، مرنے کے بعد اس کی لاش حبشی غلاموں نے لکڑی

سے سر کا کر ایک گڑھے میں پھینک دی۔

آیاتها ــ ۵ سُوْرَةُ اللَّهَب مَكِّيَّةٌ رکوعاتها ــ ۱

سورۃ اللہب مکی ہے اس میں پانچ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

ابولہب اور اس کی بیوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا

تباہ ہوگئے دونوں ہاتھ ابو لہب کے اور تباہ ہوا وہ (۱) نہ کام دیا اسے مال نے اسکے اور جو

كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ

اس نے کمایا (۲) عنقریب جا پڑیگا ایک آگ والی شعلوں گیں (۳) اور بیوی اس کی لادکر لانے والی

الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵ ع۵ ۳۶

ایندھن (۴) میں گردن اسکی ایک رسی ہے مضبوط ریشوں کی (۵)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔(۱) اس کا مال اور جو اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا۔(۲) اب وہ شعلہ مارتی آگ میں پڑے گا۔(۳) اور اس کی عورت جو سر پر ایندھن لئے پھرتی ہے۔ (۴) اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔(۵)

تحقیق لفظی: ابولہب پیغمبر ﷺ کا چچا تھا، "لَهَبٍ" آگ کی لپٹ یا شعلہ کو کہتے ہیں، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اس کا یہ لقب پڑ گیا، حَمَّالَةَ الْحَطَبِ: ایندھن اٹھا کر لانے والی۔ مَسَدٍ: مضبوط بٹی ہوئی رسی، وہ رسی جو مونجھ، ناریل یا کھجور کے ریشوں سے خوب مضبوط گتھ کر بٹی جاتی ہے اور اوپر سے کھردری اور سخت ہوتی ہے

اور بدن میں چبھتی ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ ابولہب کیا ہاتھ ہلا ہلا کر لوگوں کو اپنی باتوں سے ورغلاتا ہے، اس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں گے اور یہ خود تباہ و برباد ہوگا، اس کی کمائی ہوئی دولت اس کے کام نہ آئے گی، دنیا میں رُسوا ہوگا اور مرنے کے بعد شعلہ مارتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس کی بیوی کا بھی یہی حشر ہوگا، یہی جو ایندھن اُٹھا کر لاتی پھرتی ہے، اس کی گردن میں ایک مضبوط موٹی رسی پڑ جائے گی، سنا ہے کہ وہ اسی طرح مری کہ اس کے گلے میں اس ایندھن کے گٹھے کی رسی جو وہ اُٹھا کر لا رہی تھی، پھنس گئی اور سانس رُک کر دم نکل گیا، اس سورت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ضرور تباہ ہوں گے، خواہ وہ پیغمبر کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، پیغمبروں کی رشتہ داری بھی انہیں عذاب سے نہ بچا سکے گی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اُترنے کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے اور اندرونی طور پر آہستہ آہستہ ساتھی تیار کرتے رہے، پھر جب "سورۃ الشعراء" کی یہ آیت نازل ہوئی کہ "آپ اپنے عزیز و اقارب کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑ پر چڑھ کر خطاب فرمایا، "مسلم شریف" کی حدیث میں اور بعض دوسری صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ نے لوگوں سے عمومی اور خصوصی خطاب فرمایا، عمومی خطاب میں قریش کے وسیع خاندان کو بلایا، اس میں قریش، اس کی شاخیں سب شامل تھیں، قریش کے بعد بنی ہاشم کو اور پھر بنی عبدالمطلب کو خطاب فرمایا، خصوصی طور پر آپ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے نام لیکر خطاب فرمایا۔

عربوں کے دستور کے مطابق ایسا نعرہ لگایا جیسا عرب دشمن کے حملے کے وقت لگایا کرتے تھے، جب کوئی سخت خطرہ درپیش ہوتا یا دشمن حملہ آور ہوتا تھا تو "یا صباحاہ" کا نعرہ لگایا جاتا تھا، جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ دشمن آ گیا ہے، اپنی حفاظت کا بندوبست کرلو، یا اگر مقابلہ کر سکتے ہو تو مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی اس موقع پر "یا صباحاہ" کا نعرہ لگایا، جس سے کم وبیش چالیس آدمی جمع ہو گئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا:

"لوگو! میں نے تمہیں یہاں اکٹھا کیا ہے، اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف دشمن آرہا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟ لوگوں نے اقرار کیا کہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں سنا، آپ ہمیشہ سچ کہتے ہیں، اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: پھر سن لو! خدا کے عذاب کے آنے سے پہلے پہلے میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں، ایک خدا پر ایمان لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ گے"۔

اس مجمع میں آپ کا حقیقی چچا ابولہب بھی موجود تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات سن کر اس نے اپنے ہاتھ جھٹکے اور کہا تیرے لئے ہلاکت ہو! کیا تو نے اس بات کے لئے ہمیں بلایا تھا؟ پھر وہ گالیاں دیتا ہوا اور برا بھلا کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے ابولہب کی اس بری حرکت کے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی۔

ابولہب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوسرے چچاؤں کی نسبت مختلف تھا، یہ شروع سے لیکر آخر دم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مخالف رہا، یہ شخص ابوجہل اور امیہ جیسے اسلام کے دشمنوں میں سے تھا۔ ابولہب اور اس کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ اسلام اور آپ کے سخت دشمن تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دو بیٹیاں رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابولہب کے دونوں بیٹوں کے نکاح میں تھیں، ابولہب نے انہیں ڈرا دھمکا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹیوں کو اپنے بیٹوں سے طلاق دلوائی۔

ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں بدترین مخالف تھے، ام جمیل بڑی گستاخ اور زبان دراز تھی، "تفسیر کبیر" میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ کے پاس تھے، ابوبکر بھی وہاں موجود تھے، ام جمیل کو پتہ چلا کہ قرآن نے اس کی مذمت کی ہے تو ہاتھ میں پتھر لیئے، گالیاں دیتی ہوئی وہاں پہنچی، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! وہ بکواس کرتے ہوئے پتھر مارنے کے لئے آرہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی، چنانچہ وہ آئی اور ابوبکر سے پوچھا کہ تمہارے ساتھی نے میری مذمت کی ہے، وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے ساتھی نے تمہاری مذمت نہیں کی، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا ہے، اللہ تعالیٰ

کی قدرت کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی اور غصے کی حالت میں بکواس کرتی ہوئی چلی گئی۔

ابولہب خود تو جنگ بدر میں شریک نہ ہوا، بلکہ مکے کے دستور کے مطابق اپنی جگہ عاص بن ہشام کو بھیج دیا اور خود مکے میں رہ کر لڑائی کے نتیجے کا انتظار کرتا رہا، بدر میں کافروں کو شکست ہوئی، بڑے بڑے سردار مارے گئے، بہت سے قیدی ہو کر مدینے پہنچے۔

ابھی بدر کے لوگ واپس بھی نہیں آئے تھے کہ اس واقعہ کے ساتویں دن ابولہب مر گیا، اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی ذلت کی موت دی کہ اسے طاعون کی بیماری لاحق ہوئی جسے مکہ والے عدسہ کہتے تھے، جسم پر ایک دانہ سا نکلتا تھا، مرض کو دوسروں کو لگنے سے بچانے کے لئے ابولہب کے بیٹوں نے اسے الگ کر دیا، کوئی اس کے قریب نہیں جاتا تھا، اسی حادثے میں مر گیا، تین دن تک کوئی بھی اس کی لاش کے قریب نہ گیا، حبشی غلاموں کو کرائے پر حاصل کیا گیا، جو اس کی لاش کو اٹھا کر لے گئے اور لکڑی کے ساتھ گڑھے میں لڑھکا کر پھینک دیا اوپر پتھر ڈال دیئے۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل کو "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" کے لفظ سے یاد کیا گیا، جس کا معنی ہے لکڑیاں اٹھانے والی، لیکن اس کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں، یہ دونوں میاں بیوی بڑے کنجوس تھے، ام جمیل ایک سردار کی بیٹی ہونے کے باوجود سخت کنجوس تھی، جنگل سے خود لکڑیاں کاٹ کر لاتی، اس کے ساتھ کانٹے بھی کاٹ لاتی، اور کانٹے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں بچھایا کرتی تھی۔

عرب کے محاورات میں چغلخوری کرنے والے کو "حَمَّالُ الْحَطَبِ" کہا جاتا ہے کہ جیسے کوئی ایندھن کی لکڑیاں جمع کر کے آگ سلگانے کا سامان کرتا ہے، چغلخور کا عمل بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنی چغلخوری کے ذریعہ افراد اور خاندانوں میں آگ بھڑکا دیتا ہے، یہ عورت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکلیف پہنچانے کے لئے چغلخوری بھی کرتی تھی، اس آیت میں ابولہب کی بیوی کو "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" کہنے کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، اور ایک جماعت مفسرین نے یہی کی ہے کہ یہ چغلخوری کرنے والی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے

ڈرایا تو ابولہب نے یہ بھی کہا تھا کہ جو کچھ یہ میرا بھتیجہ کہتا ہے اگر وہ حق ہوا تو میرے پاس مال ودولت بہت ہے، میں اس کو دیکر اپنی جان بچالوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ" یعنی جب اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے پکڑا تو نہ اس کا مال کام آیا اور نہ اولاد، یہ تو حال اسکا دنیا میں ہوا، آگے آخرت کا ذکر ہے کہ مرنے کے بعد اسے ایک دہکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا۔

سورۃ الاخلاص کا خلاصہ

اس میں ان سب خیالات کو رد کر دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کافروں اور مشرکوں نے قائم کر رکھے تھے، بلکہ اب بھی قائم کر رکھے ہیں، مجوسی دو خدا مانتے ہیں، یزدان اور اہرمن، پہلا بھلائی کا اور دوسرا برائی کا، بعض لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، مریم کو خدا کی بیوی کہتے ہیں، اور عرب کے مشرک بتوں کو اس کے برابر مانتے تھے، بعض لوگ اور چیزوں کو اس کے برابر ٹھہراتے ہیں، اس سورت میں ان سب خیالات کو غلط قرار دیا گیا اور خالص توحید کی تعلیم دی گئی ہے، جس شخص کو یہ معلوم کرنا ہو کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا کیا تصور پیش کیا گیا ہے، وہ اس سورت کو پڑھے اور اس پر غور کرے۔

ایاتها ۴　سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ　رکوعاتها ۱

سورۃ الاخلاص مکی ہے اس میں پانچ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۞

کہدے کہ وہ　اللہ　ایک ہے (۱)　اللہ　بے نیاز ہے (۲)　نہیں جنا اس نے کسی کو اور　نہ　جنا اسے کسی نے (۳)

ع ۱ ۴ ۲۷

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

اور نہیں ہے اس کا ہمسر کوئی (۴)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں! وہ اللہ ایک ہے۔(۱) اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔(۲) نہ کسی کو اس نے جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔(۳) اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔(۴)

تفسیر

عرب کے مشرکوں نے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت سے منع کرتے ہیں تو پوچھا کہ آخر بتایئے تو کہ وہ اللہ کیسا ہے؟ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی، جس میں صاف صاف اللہ تعالیٰ کا تصور پیش کیا گیا، ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے، اسے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ خود سب کے لئے سہارا ہے، اس کے کوئی اولاد نہیں، نہ اس کے کوئی ماں باپ ہیں، اس کے جوڑ کا کوئی نہیں جو مرتبہ میں اس کے برابر کا ہو، پھر اس کی بیوی کہاں سے ہو سکتی ہیں؟ کیونکہ وہ تو برابر کے مرتبہ کی ہونی چاہئے، عیسائی، مجوسی، یہودی غرض تمام فرقوں کے ان خیالات کو غلط قرار دے دیا گیا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی بابت رکھتے تھے۔

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے، سارے دین کی بنیاد اسی عقیدہ پر ہے اور آخرت میں نجات کی بنیاد اسی پر ہے۔

ارشاد ہے: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" آپ کہہ دیجئے کہ! وہ اللہ ایک ہے۔ اس کے ساتھ، اس جیسا یا اس کے ساتھ کسی قسم کی شراکت رکھنے والا کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، "صَمَدٌ" اسے کہتے ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو، بلکہ سب اسی کے محتاج ہوں، گویا "صَمَدٌ" کا معنی ہے، جو ہر حاجت پوری کرنے والا ہے، مگر اس کی اپنی کوئی حاجت نہیں کہ جسے وہ کسی دوسرے کے پاس لیجائے، "صَمَدٌ" اسے بھی کہتے ہیں

جس میں کسی قسم کا عیب نہ ہو۔

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ: نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اور کوئی اس کے برابر کا نہیں، وہ ہر لحاظ سے اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے، لہٰذا عبادت بھی صرف اسی کی کرنی چاہئے۔

اس سورت مبارکہ کو ثلثِ قرآن، یعنی: پورے قرآن پاک کا تیسرا حصہ کہا گیا ہے، "ترمذی شریف" کی روایت ہے کہ جو شخص رات کو دائیں کروٹ لیٹ کر یہ سورت مبارکہ تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جاؤ! سیدھے بغیر پوچھ گچھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اس سورت (یعنی: سورۃ الاخلاص) سے بڑی محبت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا۔

"ابوداؤد، ترمذی، نسائی" کی ایک طویل روایت میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص صبح اور شام "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"، "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھ لیا کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لئے کافی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں کہ جو "تورات، انجیل، زبور اور قرآن" سب میں نازل ہوئی ہیں اور فرمایا کہ: رات کو اس وقت تک نہ سوؤ، جب تک ان تینوں (معوذتین، اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) کو نہ پڑھ لو، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت سے میں نے کبھی ان کو نہیں چھوڑا۔

سورۃ الفلق کا خلاصہ

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ انسان بہت سے خطروں میں گھرا ہوا ہے، جو اس کے اردگرد دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان خطروں سے محفوظ رہنے کے لئے اسے چاہئے کہ یوں کہا کرے کہ میں اس رب کی پناہ مانگتا ہوں

جورات کے اندھیرے کو پھاڑ کر صبح کی روشنی نکالتا ہے، اور عرض کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی تمام مخلوقات کے شر سے محفوظ رکھے، خاص کر اندھیرے کے شر سے، جب وہ چھا جائے، اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے، جو منتر پڑھ پڑھ کر تانت، ڈوری یا بال میں گرہ لگاتی اور اس پر پھونک مارتی جاتی ہیں اور حسد کرنے والے کے شر سے، جب وہ حسد کرے۔

اٰیاتھا — ۵ | سُوْرَةُ الْفَلَق مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتھا — ۱

سورۃ الفلق مدنی ہے اس میں پانچ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

بیرونی خطروں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَ مِنْ شَرِّ
کہہ دیجئے پناہ لی میں نے رب کی صبح کے (۱) سے برائی اس کی جو اس نے پیدا کی (۲) اور سے برائی
غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ④ وَ مِنْ
اندھیرے کی جب وہ چھا جائے (۳) اور سے برائی پھونکنے والیوں کی میں گرہوں (۴) اور سے
شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤
برائی حاسد کی جب وہ حسد کرے (۵)

ع ۱ ۵ ۳۸

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں! میں صبح کے پیدا کرنے والے رب کی پناہ میں آیا۔ (۱) ہر چیز کی برائی سے جو اس نے بنائی۔ (۲) اور اندھیرے کی برائی سے جب سمٹ آئے۔ (۳) اور عورتوں کی برائی سے جو منتر پڑھ پڑھ کر گرہوں میں پھونک ماریں۔ (۴) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔ (۵)

لفظی تحقیق: الْفَلَقِ: صبح، "فَلَقٍ" کے معنی چیر دینے کے اور پھاڑ دینے کے ہیں، اسی سے "اِنفَلَقَ" فعل لازم ہے، یعنی: صبح کی روشنی جو اندھیرے کو پھاڑ کر نکلتی ہے، غَاسِقٍ: اندھیری رات یا کوئی اور تاریکی، وَقَبَ: پھیل جائے، ماضی کا صیغہ ہے، و۔ق۔ب سے "وقوب" چھاجانا۔ پھیل جانا، النَّفّٰثٰتِ: گرہوں میں منتر پڑھ پڑھ کر پھونک مارنے والیاں۔

تفسیر

عورتیں دشمن کو کوسا کرتی ہیں، بعض عورتیں کسی آدمی پر جادو کرنے کے لئے منتر پڑھ کر تانت کے ٹکڑے میں گرہیں لگاتی جاتیں اور ان میں پھونک مارتی جاتیں۔ پھر اس تانت کو کہیں گاڑ دیتیں، اس سے اس شخص پر برا اثر پڑتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستانے میں یہ حربہ کافر و مشرک عورتوں نے استعمال کیا تھا، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور ایمان والوں کو یہ سکھایا ہے کہ بری چیز کی برائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور زبان سے وہ الفاظ جو اس سورت میں ہیں، تمہارے دل کو قوت حاصل ہوگی اور کسی کی برائی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی، اس سورت میں ان چیزوں کا ذکر کر دیا گیا ہے جن سے لوگوں کو تکلیف ہوجاتی ہے۔

آخری دو سورتیں، یعنی: "سورہ فلق" اور "سورہ ناس" معوّذتین کہلاتی ہیں، حدیثوں میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، یہ دونوں سورتیں اکٹھی نازل ہوئیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی طرح کی کوئی آیت نہیں ہے، محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: پناہ مانگنے کے سلسلے میں جتنا اثر یہ دو سورتیں رکھتی ہیں، اس کے برابر کوئی نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ان سورتوں کے نازل ہونے سے پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پناہ کے لئے مختلف کلمات پڑھتے تھے، مگر جب یہ سورتیں نازل ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اختیار کرلیا، اور زیادہ تر انہی کے ذریعے سے پناہ مانگا کرتے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: فرض نماز کے بعد ان دو سورتوں کی تلاوت کیا کرو، تاکہ ہر قسم کے شر اور فتنوں سے حفاظت حاصل ہو۔

میں پناہ لیتا ہوں حفاظت مانگتا ہوں اس رب سے جو صبح کی روشنی کو رات کی تاریکی سے پھاڑ کر نکالتا ہے، میں اس کی پناہ لیتا ہوں، ان تمام چیزوں کی برائی سے جن کو اس نے پیدا کیا، یعنی: اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مخلوق کے شر سے پناہ میں رکھے۔

اس سورت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ شر سے بچنا انسان کا فطری حق ہے، اگر وہ شر سے بچ جائے گا تو اس کے لئے کامیابی کے ہزاروں دروازے کھل جائیں گے، اور اگر انسان شر سے نہ بچ سکا تو پھر کامیاب نہیں ہوسکتا؛ اسی لئے تمام مخلوق کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے اور ان میں سے تین چیزوں کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ ان کا شر اور فتنہ زیادہ نمایاں ہے۔

سب سے پہلا شر یہ ہے کہ جب اندھیرا شروع ہوتا ہے تو شیطان اور جن پھیل جاتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جب اندھیرے کی ابتداء ہو تو بچوں اور جانوروں کو باہر نہ نکالو، تاکہ وہ شیطانوں اور جنوں کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں، شام کے وقت شیطان اور جن اِدھر اُدھر بھاگتے ہیں، اس لئے اس وقت بچوں کو باہر نہیں نکالنا چاہئے، کہیں وہ ان کے اثرات کا شکار نہ ہو جائیں، البتہ جب اندھیرا خوب جم جائے اور کچھ وقت گزر جائے تو پھر باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں، اس وقت تک شیطانوں کی بھاگ دوڑ ختم ہو جاتی ہے۔

رات کے وقت نقصان پہنچانے والے جانور بھی نکلتے ہیں؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: سفر کے دوران اگر رات ہو جائے تو آرام کرنے کیلئے سڑک سے ہٹ کر سونا چاہئے، تاکہ کیڑے مکوڑے، سانپ، بچھو وغیرہ جو اپنے بلوں سے نکل کر راستے پر آجاتے ہیں ان کے شر میں مبتلا نہ ہو جاؤ، اسی طرح چوری بھی عام طور پر رات کو ہی ہوتی ہے، بسا اوقات جانیں بھی ضائع جاتی ہیں، مال چلا جاتا ہے، آبرو کو خطرہ ہوتا ہے، یہ سب باتیں تاریکی کے فتنے ہیں۔

جادو کرنے والے لوگ بھی زیادہ تر رات ہی کو جادو کا عمل کرتے ہیں، دن کی روشنی میں ان کی کامیابی کے امکانات کم ہوتے ہیں۔

میں پناہ مانگتا ہوں گرہوں میں پھونکنے والی عورتوں کے شر سے، جس طرح مرد جادو کرتے ہیں، اسی طرح بعض عورتیں بھی جادو کرتی ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ لبید بن الاعصم اور اس کی بیٹیوں نے پیغمبر ﷺ پر جادو کیا تھا تو "نَفّٰثٰتِ" سے مراد جادوگر عورتیں ہوئیں، بہرحال! جادو کرنے والی عورتیں ہوں یا عام آدمی ان کے شر سے پناہ حاصل کرنے کا سبق دیا گیا ہے۔

میں پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والے کی برائی سے، جب وہ حسد کرتا ہے، حسد بہت بری بیماری ہے، جہان میں سب سے پہلا کبیرہ گناہ حسد کی وجہ سے ہوا، جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو حسد کی وجہ سے موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ یہودی محض حسد کی بناء پر پیغمبر ﷺ پر ایمان نہیں لائے، وہ چاہتے تھے کہ آخری نبی ہماری قوم بنی اسرائیل سے آتا۔ یہ دوسری قوم سے کیوں آیا؟ اس لئے ہم اسے نہیں مانتے، انہوں نے بنی اسمٰعیل سے حسد کیا، یہودی اور عیسائی حسد میں مبتلا ہو کر ایمان سے محروم ہوگئے۔

امیہ بن الصلت ساری عمر سچے مذہب کی تلاش میں پھرتا رہا، کبھی عیسائی بنا، کبھی یہودی بنا، مگر جب پیغمبر ﷺ کی بعثت ہوئی تو حسد میں مبتلا ہو گیا، کہنے لگا کہ وحی مجھ پر کیوں نہیں آئی، اسی حسد کی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی، حالانکہ وہ بڑا قابل آدمی تھا، بہت بڑا شاعر تھا، اس کا دیوان پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ وہ کس قدر حق کا طالب تھا، مگر حسد کی وجہ سے کفر کی موت مرا، پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ: حسد ایسی بیماری ہے جو نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔

سورہ فلق اور سورہ ناس پڑھنے کے فائدے

یہ سورت اور اس کے بعد والی "سورۂ ناس" دونوں سورتیں ایک ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں سورتوں کی تفسیر ایک ساتھ لکھی ہے، اس میں فرمایا ہے کہ: ان دونوں سورتوں کے فائدے اور برکتیں سب لوگوں کے لئے ایسی ضروری ہیں کہ کوئی انسان ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، یہ دونوں سورتیں جادو اور نظر بد اور تمام روحانی اور جسمانی بیماریوں کو دور کرنے میں بڑا اثر رکھتی ہیں، اور حقیقت کو سمجھا

جائے تو ہر انسان کو اپنی جسمانی اور روحانی حفاظت کے لئے ان کو پڑھنا ضروری ہے۔

"صحیح بخاری" کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کیا تو اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے، مگر وہ نہیں کیا ہوتا، پھر ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے؟ اور فرمایا کہ: (خواب میں) دو شخص آئے، ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا، ایک پاؤں کی طرف، سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو کیا گیا ہے، اس نے پوچھا کہ جادو ان پر کس نے کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا ساتھی منافق ہے، اس نے پوچھا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے بتلایا کہ کنگھے اور اس کے دندانوں میں، پھر اس نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے، بئر ذروان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے دفن ہے، آپ صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اس کو نکال لیا اور فرمایا کہ: مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ: آپ نے اس کا اعلان کیوں نہ کر دیا کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے شفاء دیدی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے تکلیف کا سبب بنوں۔ (مطلب یہ تھا کہ اس کا اعلان ہوتا تو لوگ اس کو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے)۔

اور "مسند احمد" کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مرض چھ مہینے تک رہا اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کام لبید بن اعصم نے کیا ہے، انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا، اور امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ایک لڑکا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، اس منافق یہودی نے اسے بہلا پھسلا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کنگھا اور کچھ اس کے دندانے اس سے حاصل کر لئے اور ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگائیں، ہر گرہ میں ایک سوئی لگائی، کنگھے کے ساتھ اس کو کھجور کے پھل کے غلاف میں رکھ کر ایک کنویں میں پتھر

کے نیچے دبادیا، اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں، جن میں گیارہ آیتیں ہیں۔

جادو کا اثر ہو جانا پیغمبر ہونے کے خلاف نہیں

جو لوگ جادو کی حقیقت سے ناواقف ہیں، ان کو تعجب ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر کیسے ہوسکتا ہے؟ انسان ہونے کے ناطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کا اثر ہوسکتا ہے، جس طرح پیغمبروں پر سردی، گرمی، بخار وغیرہ کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح جادو کا اثر بھی ہوسکتا ہے۔

سورة النّاس کا خلاصہ

اس سے پہلے والی سورت میں ظاہری مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے، اس لئے کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، وہی ان کا پالنے والا ہے، اور وہی ان کا بادشاہ اور وہی ان کا معبود ہے، اس لئے اسی سے شیطانوں کے ورغلانے اور بہکانے سے پناہ مانگو، جو چھپ چھپ کر دل میں وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں، خواہ وہ شیطان آدمیوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے، اور کہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے بچائے۔

آیاتھا — ٦	سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ	رکوعاتھا — ١

سورۃ الناس کی ہے اس میں چھ آیتیں اور ایک رکوع ہیں۔

برے خیالوں کے اثرات سے پناہ مانگنا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ النَّاسِ ۝٢ اِلٰهِ النَّاسِ ۝٣

کہہ پناہ لیتا ہوں میں رب کی لوگوں کے (۱) بادشاہ کی لوگوں کے (۲) معبود کی لوگوں کے (۳)

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۞ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ

سے برائی وسوسہ ڈالنے والے دبک جانے والے کی (۴) جو برے خیالات ڈالتا ہے میں دلوں

النَّاسِ ۞ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۞

لوگوں کے (۵) سے جنوں میں اور آدمیوں میں سے (۶)

ع ۶ / ۳۹

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ! میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ (۱) لوگوں کے بادشاہ کی۔ (۲) لوگوں کے معبود کی۔ (۳) اس کی برائی سے جو وسوسہ ڈالے اور چھپ جائے۔ (۴) وہ جو لوگوں کے دلوں میں برے خیال ڈالتا ہے۔ (۵) جنوں میں سے اور آدمیوں میں سے۔ (۶)

لفظی تحقیق: وَسْوَاسِ: برا خیال، یہ اسم رباعی ہے، و۔س۔و۔س سے، "وَسْوَسَة" اور "وَسْوَاسِ" وہ برا خیال یا وہم ہے جو دل میں آئے، وسوسہ اور برے خیالات ڈالنے والا شیطان خواہ جن ہو یا آدمی، اَلْخَنَّاسِ: چھپ جانے والا، دبک جانے والا۔ یہ صفت کا صیغہ ہے۔ خ۔ن۔س سے، "خنس" کا معنی پیچھے ہٹ جانا، دبک جانا، برے خیالات ڈالنے والا اس وقت اپنا کام کرتا ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو، جب انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو بہکانے والا پیچھے ہٹ جاتا ہے کہ جب اللہ کی یاد سے غافل ہوگا تو پھر اپنا داؤ کروں گا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بہکانے والوں اور برے خیالات دل میں ڈالنے والوں سے اس طرح پناہ مانگو کہ میں لوگوں کے رب، بادشاہ اور معبود سے، یعنی: اللہ تعالیٰ سے اس بہکانے اور ورغلانے والے شیطان کی شرارت سے پناہ مانگتا ہوں جو آدمی کو غافل پا کر اپنا داؤ لگاتا ہے اور دل میں وسوسے اور برے خیالات ڈالتا ہے، خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے۔

حدیث میں ان آخری دو سورتوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”کیا میں تمہیں وہ دوسورتیں نہ سکھاؤں، جن کی مثال نہ ”انجیل“ میں ہے، نہ ”زبور“ میں، یعنی: آفتوں سے پناہ حاصل کرنے کے سلسلے میں ان کے برابر کوئی اور کلام نہیں ہے، چنانچہ آپ نے صحابی رضی اللہ عنہ کو یہی دوسورتیں سکھائیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ رات کو سوتے وقت ”سورہ اخلاص“ اور ”معوذتین“ اپنے ہاتھ مبارک پر پھونک کر جسم مبارک پر ملتے تھے، آپ تین دفعہ ایسا کرتے۔ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: وسوسوں کو رفع کرنے کے لئے یہ آزمایا ہوا نسخہ ہے، جو کوئی ایسا کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے وسوسہ سے محفوظ رکھے گا۔

ایک دوسری روایت انہی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ایک سفر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ”سورہ فلق“ اور ”سورۂ ناس“ پڑھائی اور پھر مغرب کی نماز میں انہی دوسورتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ: ان سورتوں کو سونے کے وقت بھی پڑھا کرو، اور پھر اٹھنے کے وقت بھی، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لیتے تھے، پھر جب مرض وفات میں آپ کی تکلیف بڑھی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی، آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے، میں یہ کام اس لئے کرتی تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کی برکت میرے ہاتھوں سے زیادہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں بارش اور سخت اندھیری تھی، ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کرنے کیلئے نکلے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کہو! میں نے عرض کیا کہ کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوّذتین پڑھو، جب صبح ہو اور جب شام ہو، تین مرتبہ یہ پڑھنا تمہارے لئے ہر تکلیف سے امن کا ذریعہ ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ: آپ کہہ دیجئے کہ! میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پروردگار کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں

کے معبود کی، وہ معبود ہے اور محبوب ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، اس کے بغیر تمام ضرورتیں پوری کرنے کی کسی کو قدرت نہیں۔ لہٰذا عبادت بھی اسی کی کرنی چاہئے، اگر اس کے سوا کسی کی عبادت کریگا تو کفر، شرک اور بغاوت میں مبتلا ہو جائے گا۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ: میں پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے سینوں میں، شیطان کی طرح جنات میں ہوتا ہے، شیطان کے متعلق فرمایا: وہ جنات میں سے ہے، اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور مردود ہوا۔ اور یا پھر وسوسہ ڈالنے والا انسانوں میں سے بھی ہوتا ہے، جس طرح "نَفّٰثٰتِ" میں بیان کیا گیا کہ ایسے افراد بھی ہوتے ہیں اور گروہ بھی ہوتے ہیں جو وسوسہ ڈالتے ہیں، اور عقیدے کو خراب کر دیتے ہیں۔

انکے دل پر خیالات یا خطرات اس طرح آتے ہیں، جس طرح بارش کے قطرے برستے ہیں، مگر انسان نہیں جانتا کہ خیالات کے آنے کے سبب کیا ہیں؟ یہ خیالات پختہ ہو جائیں تو انسان کا عقیدہ اس سے خراب ہو جاتا ہے، انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرے اور اس کا ذکر کرے، تو وہ اس وسوسہ سے بچ سکتا ہے، انسان کا عقیدہ توحید اس کا قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، اس کو خراب کرنے کے لئے شیطان ہر وقت اس کے پیچھے لگا رہتا ہے، تا کہ کسی نہ کسی طرح اسے ایمان کی دولت سے محروم کر دے۔

لفظ "نَاسِ" کو بار بار لانے کا نکتہ

بعض حضرات نے لفظ "نَاسِ" کے بار بار لانے میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سورت میں یہ لفظ پانچ مرتبہ آیا ہے، پہلے لفظ "نَاسِ" سے مراد بچے ہیں، اس کے ساتھ لفظ رب کا لانا اس کی دلیل ہے، کیونکہ پرورش کی ضرورت سب سے زیادہ بچوں کو ہوتی ہے، اور دوسرے لفظ "نَاسِ" سے مراد جوان ہیں، اور لفظ ملک کا اس کے ساتھ لانا اس کی دلیل ہے، جو ایک سیاست کے معنی رکھتا ہے، وہ جوانوں کے مناسب ہے اور تیسرے لفظ

"نَاسِ " سے بوڑھے مراد ہیں جو دنیا سے کٹ کر عبادت میں مشغول ہوں اور لفظ "الٰہ" کا اس کے ساتھ لانا اس کی دلیل ہے، جو عبادت کی طرف اشارہ ہے۔ اور چوتھے لفظ "نَاسِ " سے مراد اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اور لفظ وسوسہ کا اس کے ساتھ لانا اس کی دلیل ہے، کیونکہ شیطان نیک بندوں کا دشمن ہے، ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا اس کا کام ہے اور پانچویں لفظ "نَاسِ " سے مراد فسادی لوگ ہیں، کیونکہ ان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

شیطان کو "خَنَّاسِ "اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کی عادت یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو پیچھے بھاگتا ہے، پھر جب ذرا غفلت ہوئی، پھر آجاتا ہے، پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو پھر پیچھے لوٹ جاتا ہے، شیطان کی یہی آنکھ مچولی مسلسل جاری رہتی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر انسان کے دل میں دو گھر ہیں، ایک میں فرشتہ رہتا ہے، دوسرے میں شیطان، فرشتہ اس کو نیک کاموں کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور شیطان برے کاموں کی، پھر جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوجاتا ہے تو اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ کر اس میں برائیوں کے وسوسے ڈالتا ہے، یہاں جس وسوسہ سے ڈرایا گیا ہے، اس سے مراد وہ خیال ہے جو انسان اپنے اختیار سے دل میں لائے، اور غیر اختیاری وسوسہ وخیال جو دل میں آیا اور گزر گیا، وہ کچھ نقصان دہ نہیں، نہ اس پر کوئی گناہ ہے۔

تمت بالخیر

Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

دعا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ واحد، بزرگ و برتر کیلئے ہیں کہ اُس نے محض اپنے فضل وکرم اور توفیق سے آج شعبان المعظّم ۱۴۳۷ھ کی پندرھویں شب میں قرآن کریم کی اس خدمت کو تکمیل تک پہنچایا۔

اے اللہ! اس تفسیر کا ہر ہر حرف آپ کا ہی ہدایت فرمودہ ہے، کوئی زبان وقلم آپ کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں کہ آپ نے اِس بندۂ ناچیز کو اپنے عظیم الشان کلام کی خدمت کی سعادت بخشی، اے ربِّ کریم! جب آپ نے توفیق عطا فرمائی تو اپنے فضل وکرم سے اِسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیجئے، اور اِسے ذخیرۂ آخرت بنادیجئے۔

اے اللہ! ہمارے گناہوں، لغزشوں، کوتاہیوں سے درگزر فرمایئے، اور اس تفسیر کے ذریعے پڑھنے والوں کے دِل میں قرآنِ کریم کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ آمین

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْاَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَجَلَاءَ اَحْزَانِنَا وَذَهَابَ هُمُوْمِنَا، وَاَنْ تُخْلِطَهُ بِلُحُوْمِنَا وَدِمَائِنَا وَاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَتَسْتَعْمِلَ بِهٖ اَجْسَادَنَا، وَاَنْ تُذَكِّرَنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا وَتُعَلِّمَنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا، وارْزُقْنَا تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ. وَصَلِّ اَللّٰهُمَّ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ، اَلْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. آمِيْنَ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ.

دفتر ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر اوقاف

(حکومتِ سندھ)

جامع مسجد آرام باغ۔ کراچی

فون نمبر 021-99332012 موبائل: 0300-3311811

نشانِ مجاریہ: آر۔آر۔او (اوقاف) A-64/2017 مورخہ 28/9/2017

MUFTI MUNEER AHMED TARIQ RESEARCH & REGISTRATION OFFICER AUQAF DEPARTMENT GOVT. OF SINDH

تصدیق نامہ

میں نے مکتبہ ربانیہ کراچی کے مطبوعہ قرآن پاک مترجم بنام: آسان تفسیر القرآن مکمل (۱۰ جلدیں)، تالیف وترتیب حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب ﷾ کے عربی متن کو بغور پڑھا اور اسکے تمام حروف واعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ) کی پروف ریڈنگ اپنی زیرِ نگرانی کروائی ہے۔

الحمدللہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا قرآن پاک (اردو مترجم) آسان تفسیر القرآن (۱۰ جلدیں) تمام اغلاط سے پاک اور مبرا ہے۔ ان شاء اللہ

المصدق

مولانا مفتی منیر احمد طارق

ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر اوقاف

حکومت سندھ

مفتی منیر احمد طارق

ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر

محکمہ اوقاف سندھ کراچی

مکتبہ ربانیہ کراچی
ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS